تراویح کی نیت، دعا اور جلسہ سے متعلق مسائل

نماز تراویح کی نیت:

سوال: نماز تراویح کی نیت کس طرح باندھی جائے؟ بحیثیت فرض کے، یا سنت مؤکدہ کے، یا نفل کے؟

(سید نظام علی عابدی، پانی کی ٹانکی، قدیم ملک پیٹ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

نماز تراویح کے سلسلہ میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ تراویح، یا قیام لیل، یا سنت وقت کی نیت کی جائے، تاہم مطلق نفل، یا سنت کی نیت کرلے تو بھی کافی ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ویکفیه مطلق النیة للنفل والسنة والتراویح هو الصحیح...والاحتیاط فی التراویح أن ینوی التراویح أوسنة الوقت أوقیام اللیل". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۰۵-۴۰۶)

جلسۂ تراویح کی مقدار:

سوال: مقدار ترویحہ جو جلسہ میں توقف کرنے کی مقدار ہے، اس ترویحہ سے مراد کیا ہے؟ آیا وہ چار رکعت جن میں قرآن پڑھا گیا ہے، یا جتنی دیر میں چار رکعت نفل پڑھیں اولیٰ مایجوز بہ الصلوٰۃ سے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

بعد کل اربعہ بقدر ہا سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاص رکعات جتنی دیر میں پڑھی گئی ہیں (مراد ہے)؛ مگر قول قہستانی "فیقال ثلاث مرات: سبحان ذی الملک والملکوت، إلخ، أوقول النهر: وأهل المدینة یصلون

---

(۱) الفتاوی الهندیة، الفصل الرابع فی النیة: ۱/۶۵

(وَیَکْفِی مُطْلَقُ النِّیَّةِ) بِأَنْ یَقُولَ اللَّهُمَّ إنِّی أُرِیدُ الصَّلَاةَ (لِلنَّفْلِ) بِالِاتِّفَاقِ؛ لِأَنَّ مُطْلَقَ اسْمِ الصَّلَاةِ مُنْصَرِفٌ إلَى النَّفْلِ؛ لِأَنَّهُ الْأَدْنَى فَهُوَ مُتَیَقَّنٌ (وَالسُّنَّةِ) الْمُؤَکَّدَةِ (وَالتَّرَاوِیحِ فِی الصَّحِیحِ) کَذَا فِی الْهِدَایَةِ؛ لِأَنَّهَا نَوَافِلُ فِی الْأَصْلِ فَیَکْفِی مُطْلَقُ النِّیَّةِ لَکِنْ صَحَّحَ قَاضِی خَانْ عَدَمَ جَوَازِ أَدَاءِ السُّنَنِ بِنِیَّةِ الصَّلَاةِ وَبِنِیَّةِ التَّطَوُّعِ فَقَالَ: لِأَنَّهَا صَلَاةٌ مَخْصُوصَةٌ فَتَجِبُ مُرَاعَاةُ الصِّفَةِ لِلْخُرُوجِ عَنْ الْعُهْدَةِ، وَذَلِکَ بِأَنْ یَنْوِیَ السُّنَّةَ أَوْ مُتَابَعَةَ النَّبِیِّ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، کَمَا فِی الْمَکْتُوبَةِ وَلِهَذَا الْأَحْوَطُ التَّصْرِیحُ. (مجمع الأنهر، باب شروط الصلاة: ۱/۸۵، دار إحیاء التراث العربی، انیس)

أربعًا" سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق اربعہ مراد ہے، وھٰذا أیسر. (کذا فی ردالمحتار فی بحث التراویح: ۴۷/۲)
۲۵/رمضان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص: ۳۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۹۰/۱)

ترویحہ کی مقدار:

سوال: تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد کس قدر بیٹھنا چاہیے، جس کا نام ترویحہ ہے؟

الجواب

ایک ترویحہ کی مقدار آرام لینا مستحب ہے اور اختیار ہے کہ اس وقت خاموش بیٹھا رہے، یا تسبیح پڑھے، قرأت قرآن کرے، درود بھیجے، نفل نماز پڑھے، کوئی خاص دعا منقول نہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ماثبت بالسنۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

المستحب أن یجلس بین کل ترویحتین مقدارترویحة وکذا بین الخامسة والوتر وھو المروی عن السلف وأھل الحرمین وکانوا مجمعین علیٰ ذلک،أما أھل مکة فإنھم یطوفون أسبوعاً وأھل المدینة یصلون أربعاً وکذا أھل کل بلد من بلاد المسلمین، ثم ھو بالخیار إن شاء سبح أوھلل أوصلیٰ أوقرأ القرآن أوسکت ولوترک الإستراحة بین کل ترویحتین، فقیل: لابأس به وقیل: لایستحب؛لأنه یخالف عمل أھل الحرمین الشریفین زادھما اللّٰه تشریفاً وتعظیمًا ... ولو استراح مقدارأربع رکعات بقراءة معتدلة دون قدر ما صلی الترویحة یکفی إن شاء اللّٰه تعالیٰ ونرجو من اللّٰه القبول،انتھٰی. (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۴۲)

نماز تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد امام کس ہیئت سے بیٹھے؟

سوال: تراویح میں جب کہ ہر چہار رکعت کے بعد آرام کے لیے بیٹھتے ہیں امام کو کس ہیئت سے بیٹھنا چاہیے؛ یعنی امام کو قبلہ رُخ بیٹھ کر آرام لینا چاہیے، یا کہ فجر عصر کی فرض نماز کے بعد امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھتا ہے، اس ہیئت سے بیٹھنا چاہیے؟ سنت کے مطابق بہتر طریقہ ارشاد فرماویں۔

الجواب

تراویح کے درمیان بیٹھنے کی کوئی خاص کیفیت منقول نہیں ہے؛ مگر فقہا کے قول سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اگر امام کو تھوڑی دیر بیٹھنا ہو، جتنی دیر بعد نماز کے دعا کرنے میں عموماً ہوتی ہے تو اتنی دیر نمازیوں کی طرف پشت کر کے بیٹھنے کا مضائقہ نہیں اور اگر اس سے زیادہ دیر بیٹھنا ہو تو دائیں، یا بائیں انحراف کر کے بیٹھنا چاہیے۔ واللہ اعلم

قال الحافظ: ویحتمل أن قصر زمان ذلک أن یستمر مستقبلا للقبلة من إجل أنھا ألیق

(۱) ماثبت من السنة فی أیام السنة، ص: ۲۷۲-۲۷۳، مخطوطة مکتبة الملک عبدالعزیز

بالدعاء ویحتمل الأول علیٰ ما لوطال الذکر والدعاء واللّٰہ أعلم. (فتح الباری: ۲۷۸/۲)

قلت: وقواعدنا لا تأباہ. فقط

عبدالکریم عفی عنہ، ۵/ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ/الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ، ۵/ذی القعدہ ۴۳ھ- (امداد الاحکام: ۲/۲۴۵-۲۴۶)

تراویح کی چار رکعت کے بعد کیا کرے:

سوال: تراویح میں بعد چار رکعت کے جو جلسہ کرتے ہیں، اس جلسہ میں تسبیح پڑھنی چاہیے، یا ساکت بیٹھا رہے اور ہر جلسہ میں بعد تسبیحات کے دعا مانگنا بھی ضروری ہے، یا نہیں؟ بعض جگہ اس کا رواج ہے کہ ہر جلسہ میں تسبیح کے بعد دعا ضرور مانگتے ہیں اور تارک پر ملامت کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

تسبیحات جو ماثور ہیں پڑھیں، خاموش نہ رہیں اور ہر ترویحہ میں دعا مانگنا ضروری نہیں ہے، (۱) اور جب کہ اس کو ضروری سمجھا جاوے اور تارک پر ملامت ہو تو پھر ترک کرنا لازم ہے، کما صرح بہ الفقہاء۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۷۶/۴)

دو ترویحوں کے درمیان کیا کرے:

سوال: یہاں رمضان المبارک میں تراویح میں ہر دو رکعت ختم کر کے اٹھتے ہیں تو مؤذن بآواز بلند حسب ذیل کلمات کہتا ہے:

''فصل من اللّٰہ ورحمتہ ونعمتہ ومغفرتہ، لا إلٰہ إلا اللّٰہ، اللّٰہ أکبر وللّٰہ الحمد''.

اور ہر ایک ترویحہ میں امام اور مقتدی بآواز بلند پڑھتے ہیں:

''سبحان ذی الملک والملکوت، الخ''.

اور بعد تسبیح کے امام بآواز بلند دعا مانگتا ہے اور مقتدی آمین آمین کہتے ہیں اور پہلے ترویحہ مؤذن بآواز بلند ''نبینا

---

(۱) یجلس ندباً بین کل أربعة بقدرها وکذا بین الخامسة والوتر ویخیرون بین تسبیح وقراء ة و سکوت وصلاة فرادیٰ. (الدر المختار)

(قولہ بین تسبیح) قال القهستاني: فیقال ثلاث مرات ''سبحان ذی الملک والملکوت، سبحان ذی العزة والعظمة والقدرة و الکبریاء والجبروت، سبحان الملک الحی الذی لاینام ولایموت، سبوح قدوس ربنا ورب الملائکة والروح، لا إلٰہ إلا اللّٰہ نستغفر اللّٰہ نسألک الجنة ونعوذ بک من النار. کما فی منهج العباد، آہ. (رد المحتار، مبحث صلاة التراویح: ۶۶۱/۱، ظفیر)

(۲) قال الطیبی: من أصر علیٰ أمر مندوب وجعله عزما ولم یعمل فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال. (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح: ۱۴/۲، ظفیر)

محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم" کہتا ہے اور دوسرے ترویحہ میں "سیدنا أبو بکر صدیق خلیفة رسول اللّٰہ-رضی اللّٰہ عنه- "اور تیسرے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی بلند آواز سے لیا جاتا ہے اور چوتھے میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پانچویں میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی بلند آواز سے لیا جاتا ہے اور یہ طریقہ ایک مدت دراز سے جاری ہے۔

عموماً ملک گجرات میں اور افریقہ کے تمام شہروں وقصبوں میں بھی یہ طریقہ جاری ہے، اگر اس طریقہ کے خلاف کوئی کرے تو اس کو برا بھلا اور لعن طعن کیا جاتا ہے اور فساد ہوتا ہے تو کیا یہ طریقہ کتاب وسنت سے ثابت ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو جو طریقہ کتاب وسنت سے ثابت ہو، بحوالہ کتب تحریر فرماویں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصليًا

تراویح کی نماز میں ہر دو رکعت ختم کر کے اٹھتے وقت مؤذن کا کلمات مذکور کہنا میری نظر سے کسی دینی کتاب (حدیث، تفسیر، فقہ، تصوف کی) میں نہیں گزرا، نہ بلند آواز سے، نہ آہستہ سے، اگر یہ چیز ثابت (مسنون، یا مستحب ہوتی) تو کتب دینیہ میں جہاں چھوٹے بڑے سب مستحبات ومسنونات مذکور ہیں، اس کا بھی ذکر ہوتا، ان کلمات کا مطلب کچھ برا نہیں؛ بلکہ ان میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعظیم اور اس کا مبارک ذکر ہے، جو یقیناً موجب برکت اور باعث ثواب ہے؛ لیکن ان کلمات پر التزام اور اصرار کرنا منع ہے۔(۱)

نیز بلند آواز سے کہنے سے ان نمازیوں کو تشویش ہوتی ہے، جو درود شریف، یا دعا، یا تسبیح وغیرہ میں مشغول ہوں؛ کیوں کہ ہر شخص کو اس وقت (اگرچہ یہ وقت نہایت قلیل ہوتا ہے) ان سب چیزوں درود شریف وغیرہ میں مشغولی کی شرعاً اجازت ہے، لہٰذا نہ ان کلمات پر اصرار والتزام کیا جائے (کیوں کہ ثبوت نہیں)، نہ ان کو بلند آواز سے کہا جائے؛ (کیوں کہ دوسرے نمازیوں کے حق میں مشوش ہے)؛ بلکہ ہر شخص آہستہ آہستہ جو دعا چاہیے، پڑھے۔(۲)

---

(۱) إن الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع. (السعاية في كشف مافي شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ٢٦٥/٢، سهيل اكادمي لاهور)

قال الطيبي: وفيه أن من أصر علىٰ أمر مندوب، وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فيكف من أصر علىٰ بدعة أو منكر، وجاء في حديث ابن مسعود رضي اللّٰه تعالىٰ عنه: "إن اللّٰه عزوجل يجب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد: ٣١/٣، رشيدية)

(۲) قال اللّٰه تعالىٰ: (أد عوا ربكم تضرعًا وخفية) قيل: معناه تذللا واستكانة وخفية كقوله: (واذكر ربك في نفسك) الآية، وفي الصحيحين عن أبي موسى الأشعري رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: رفع الناس أصوا تهم بالدعا، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: "أيها الناس! اربعوا على انفسكم، فإنكم لاتدعون اصم ولا غائبًا، إن الذى تدعون سميع قريب" (تضرعًا وخفية) قال: السر، وقال ابن جرير (تضرعًا): تذللا واستكانة لطاعته (خفية) يقول: بخشوع قلوبكم و صحة اليقين بوحداليته وربوبيته فيما بينكم وبينه لاجهرا مراءاة" (تفسير ابن كثير، الجزء الثامن، سورة الأعراف: ٢٩٦/٢، دارالفيحاء)

ہر ترویحہ کے بعد اختیار ہے، خواہ امام ومقتدی خاموش بیٹھے رہیں، خواہ ذکر، درود، تسبیح، دعا، تلاوت میں مشغول رہیں، یا نوافل (علاحدہ علاحدہ بلا جماعت) پڑھیں اور "سبحان ذی الملک والملکوت، إلخ" بھی پڑھنا منقول ہے، اہل مکہ کا معمول لکھا ہے کہ وہ اس وقت میں ایک طواف کرتے ہیں اور دو رکعت طواف پڑھتے ہیں، اہل مدینہ کا معمول لکھا ہے کہ وہ چار رکعت پڑھتے ہیں۔

"أما الاستراحة في أثناء التراويح، فيجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحة: أي بين كل أربع ركعات مقدار أربع ركعات، وكذا بين الآخرة والوتر، وليس المراد حقيقة الجلوس، بل المراد الانتظار، وهو مخير فيه إن شاء جلس ساكتًا، وإن شاء هلل أو سبح أو قرأ وصلى نافلة منفردا، وهذا الانتظار مستحب لعادة أهل الحرمين، فإن عادة أهل مكة أن يطوفوا بعد كل أربع أسبوعًا، ويصلوا ركعتي الطواف، وعادة أهل المدينة أن يصلوا أربع ركعات، وقد روى البيهقي بإسناد صحيح أنهم كانوا يقومون على عهد عمر رضي الله تعالى عنه، يعني بين كل ترويحتين، فثبت من عادة أهل الحرمين الفصل بين كل ترويحتين ومقدار ذلك الفصل وهو مقدار ترويحة، فكان مستحبا؛ لأن ما رآه المؤمنون فهو عند الله حسن"، آه. (غنية المستملي)(۱)

"ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادى، نعم تكره صلاة ركعتين بعد كل ركعتين" آه. (الدر المختار)

"(قوله: بين تسبيح) قال القهستاني: فيقال ثلاث مرات: سبحان ذي الملك والملكوت، سبحان ذي العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت، سبحانه الملك الحي الذي لا يموت، سبوح، قدوس، رب الملائكة والروح، لا إله إلا الله، نستغفر الله، نسألك ونعوذ بك من النار، كما في منهج العباد"، آه. (ردالمحتار: ۷۳۹/۱)(۲)

تسبیح، دعا وغیرہ جو کچھ بھی پڑھا کریں، آہستہ آہستہ پڑھیں؛ تاکہ آوازوں میں تصادم اور پڑھنے والوں کو تشویش نہ ہو، اگر کوئی نماز پڑھے تو اس کا خیال نماز سے ہٹ کر اس طرف متوجہ نہ ہو، جس سے نماز میں خلل آئے اور غلطی بھول وغیرہ واقع ہو، ہر ترویحہ کے ختم پر امور مذکورہ بالا کا شرعاً ثبوت اور اختیار ہے، جیسا کہ عبارات منقولہ میں تصریح ہے۔

آپ نے "سبحان ذی الملک، إلخ" کے بعد ہر ترویحہ کے لیے جو کلمات لکھے ہیں، کتب فقہیہ متداولہ میں کہیں ان کا ثبوت نہیں، پس ان کو پڑھنا، امور ثابتہ منقولہ کو چھوڑ کر غیر منقولہ کلمات کو اختیار کرنا ہے، جو غیر مناسب اور قابل ترک ہے۔ (۳)

(۱) غنية المستملي (الحلبي الكبير)، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۴، سهيل اكادمي لاهور
(۲) الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۴۷/۲، سعيد
(۳) عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا ما ليس منه فهو رد".
قال ابن عيسى: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "من صنع أمرًا على غير أمرنا، فهو رد". (سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة: ۲۸۷/۲، إمدادية ملتان)

تاہم ایسے لوگوں کو نرمی اور شفقت سے سمجھانا چاہیے، سختی اور تشدد سے نہیں، نیز فتنہ اور فساد سے اجتناب ضروری ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۷/۱۳۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/رجب ۱۳۵۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۵۳/۷-۳۵۶)

ترویحات میں کیا پڑھے:

سوال: بعض ثقہ اور مشہور اشتہاروں میں تراویح کے ترویحہ کی مسنون دعاؤں کے عنوان سے منتخب از احادیث صحیحہ یہ دعا لکھی ہے:

"سبحان الملک القدوس، سبحان ذی الملک والملکوت، سبحان ذی العزة والعظمة والقدرة ... والکبریاء والجبروت، سبحان الملک الحی الذی لاینام ولایموت، سبوح، قدوس، ربنا ورب الملائکة والروح، لا إله إلا أنت، استغفرک واسئلک الجنة، وأعوذ بک من النار، اللهم! أجرنی من النار، یا مجیر، یا مجیر، یا مجیر"

اور بعض اشتہاروں میں بڑی لمبی قدرے لایعنی دعا درج ہے، خلفائے اربعہ کے نام اور ان کے القاب کلمات جن سے دعا، دعا نہیں رہتی، تراویح میں بعض جگہ تو سب مل کر پڑھتے ہیں اور بعض جگہ مؤذن کے ذمہ ہے کہ وہ تنہا، یا دو چار آدمیوں کو شریک کر کے بڑے زور کی آواز سے یہ لمبی دعا پڑھے، وہ عبارت یہ ہے کہ!

"تراویح میں پڑھنے کی تسبیحات تراویح سے پہلے پکار کر، مؤذن کے ذمہ ہے کہ یوں پکارے:

"الصلاة سنة التراویح ورحمکم الله".

پھر لکھا ہے کہ "پہلے دوگانہ تراویح کے بعد اس دعاء کو یکبار پڑھیں: **"فضل من الله ونعمة ومغفرة ورحمه وعافیة وسلامة، لا إلٰه إلا اللّٰه، ولِلّٰه الحمد خواجه عالم صلوٰة"** کے بعد پہلی تراویح کے یہ تسبیح تین بار پڑھیں، کلمہ شہادت پڑھیں، دعا مانگنے کے بعد یوں کہے: **"البدر محمد صلی الله علیه وسلم، لا إلٰه إلا اللّٰه واللّٰه أکبر، خواجه عالم صلوٰة".**

(۲) دوسری تراویح کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھیں:

"اللّٰهم صلی علی سیدنا محمد، وعلی جمیع الأنبیاء والمرسلین، والملئکة المقربین، وعلی کل ملک برحمتک یاأرحم الراحمین".

---

(۱) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿أدع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة، وجادلهم بالتی هی أحسن﴾ (الجزء الرابع عشرة، سورة النحل، رقم الآیة: ۱۲۵)

دعا مانگنے کے بعد یہ دعا ایک بار پڑھے:

”خليفة رسول الله، خير البشر بعد الأنبياء بالتصديق والتحقيق: أمير المؤمنين حضرت أبوبكر الصديق رضى الله عنه، لا إله إلا الله، والله أكبر الله أكبر، ولله الحمد، ولاحول ولا قوة إلا بالله“.

غرض اسی طرح سب خلفا کے نام تسبیحات میں ملے ہوئے ایک لمبی عبارت دعا وتسبیحات کے نام سے مروج ہے، تراویح ختم ہونے کے بعد استغفار غیر ثابت لفظوں میں پڑھنے کو بتلایا ہے، پھر خاتمہ پر، ان اشتہاروں میں سب پڑھنے کے بعد مثل سابق ایک بار بتلایا، یہ پڑھنے کو: أسد الله الغالب، مظهر العجائب والغرائب، إمام المشارق والمغارب، على بن أبى طالب، لا إله إلا الله والله أكبر وغيره.

شرعی حساب سے جواب عطا ہو، تراویح کے ترویحہ میں وہ ماثورہ الفاظ کی اور کیا ان الفاظ میں تسبیح ترویحہ صحیح العلم لوگوں سے ثابت ہے اور کیا ترویحہ میں یہ عبارت دعا کے نام سے ثابت ہے؟ یہاں صورت متنازع ہے، مطلع فرمائیں، یہ مروجہ عبارت ترویحہ میں جو پڑھے اور ماثورہ کلمات کے بجائے اس کے ہی پڑھنے پر؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد اختیار ہے کہ خاموش بیٹھے، یا تلاوت کرے، یا درود شریف پڑھے، یا تسبیح واستغفار پڑھے۔ مکہ مکرمہ کے حضرات کا معمول تھا کہ وہ ہر چار رکعت کے بعد ایک طواف کرتے اور دو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے، مدینہ طیبہ کے حضرات ہر چار رکعت تراویح کے بعد جداگانہ چار چار رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔ کلمات ذیل شامی میں مذکور ہیں:

”قال القهستاني: فيقال ثلاث مرات: سبحان ذى الملك والملكوت، سبحان ذى العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت، سبحان الملك الحى الذى لاينام ولايموت، سبوح قدوس، رب الملائكة والروح، لا إله إلا الله أنت، نستغفر الله، نسئلك الجنة، ونعوذ بك من النار“. (۱)

تراویح کے بعد پڑھنے والے کلمات وتسبیحات کا جو طریقہ سوال میں مذکور ہے وہ کتب شرعیہ مستندہ میں نہیں ہے، بلکہ خصوصی مقامات پر کچھ لوگوں سے غالبا روافض وغیرہ کی تردید کے لیے ایجاد کیا ہے اور اس کو ماثور ومنقول کی حیثیت دے دی۔ (۳) فقط واللہ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۵۱-۳۵۳)

---

(۱)　رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۹۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

”والسادس في الجلسة بين ترويحتين، والمستحب أن يجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحة، وكذا بين الخامسة، والوتر ... ثم هم مخيرون فى حالة الجلوس ان شاؤوا سبحوا، وإن شاؤوا قرؤوا، وإن شاؤوا صلوا أربع ركعات فرادى، وإن شاؤوا ساكتين، وأهل مكة يطوفون أسبوعًا ويصلون ركعتين، وأهل المدينة يصلون أربع ركعات فرادىٰ“. (تبيين الحقائق، باب الوتر والنوافل: ۱/۴۴۶، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲)　عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبى صلى الله عليه وسلم: ”من أحدث فى أمرنا هٰذا ماليس منه فهورد“. (صحيح البخارى، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علىٰ صلح جور فهومردود: ۱/۳۷۱، قديمى) ==

نمازِ تراویح اور وتر کے بعد دعا ثابت ہے، یا نہیں:

سوال: بعد نماز تراویح دعا مانگنا جائز ہے، یا نہیں اور رمضان شریف میں وتر پڑھ کر دعا مانگنا ثابت ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

بعد ختم تراویح دعا مانگنا درست ہے اور مستحب ہے اور معمول سلف وخلف ہے، پھر وتر کے بعد دعا ضروری نہیں ہے، ایک بار کافی ہے؛ یعنی ختم تراویح کے بعد کافی ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۵۳/۴)

تراویح کے بعد دعا:

سوال: تراویح ختم ہونے پر وتر سے پہلے اجتماعی دعا ہاتھ اٹھا کر کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اس سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نہیں، البتہ دعا بعد الصلوۃ کے کلیہ میں یہ بھی داخل ہے؛ کیوں کہ تراویح مستقل نماز ہے، لہٰذا انفرادا دعا کی گنجائش ہے، امام کے ساتھ بصورت اجتماعیہ دعا بدعت ہے، بآواز بلند ہوتو دوسری بدعت اور بالالتزام ہوتو تین بدعات کا مجموعہ اس سے احتراز لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶/شوال ۱۳۸۸ھ (احسن الفتاویٰ: ۵۱۹/۳)

ختم تراویح پر دعا:

سوال (۱) تراویح کی بیس رکعت ختم ہونے پر دعا مانگنا کیسا ہے؟

(۲) بعد وتر ونفل تمام مقتدیوں اور امام مل کر دعا مانگنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

(۱) مستحب ہے۔(۱)

== من أحدث في الإسلام رأيا لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود عليه. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۲۱۵/۱، مكتبة أشرفية ديوبند، انيس)

(۱) قال اللّٰه تعالىٰ: (فإذا فرغت فانصب) ... وقال قتادة: "فإذا فرغت من صلاتك فانصب إلىٰ ربك في الدعاء" (أحكام القرآن للجصاص، سورة ألم نشرح: ۶۳۹/۳، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

وعن علي ابن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إذا سلم من الصلاة قال: اللهم اغفرلي ماقدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت وما أسرفت، وما أنت أعلم به مني، أنت المقدم والمؤخر، لا إلهي إلا أنت". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب ما يقول الرجل إذا سلم: ۲۱۹/۱، مكتبه إمدادية، ملتان)

(۲)　ہر شخص اپنی نفل کے بعد دعا کرے، اس میں ایک دوسرے کا پابند کیوں کیا جائے، (۱) جو نمازیں مل کر جماعت سے پڑھی ہے، اس کے بعد مل کر دعا کریں۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۳۶۲-۳۶۳)

قومہ وجلسہ کی دعاؤں کا حکم:

سوال:　قومہ وجلسہ میں دعا مسنونہ پڑھنے سے جو شخص کہتا ہو کہ سجدہ سہو لازم ہے۔ یہ قول صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

یہ مسئلہ صحیح معلوم نہیں ہوتا ہے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ ص: ۳۲۸)

ہر ترویحہ میں دعا مسنون ہے، یا مستحب:

سوال:　ہر چوتھی تراویح کے بعد دعا مانگنی جائز ہے کہ مسنون؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

تراویح کی ہر چہار رکعت کے بعد دعا مانگنا تسبیح وتہلیل ودرود شریف پڑھنا جائز اور مستحب ہے، جو کچھ کرے بہتر ہے، کسی خاص امر کی ضرورت اور تخصیص نہیں ہے؛ (۳) لیکن تسبیح جیسے "سبحان ذی الملک والملکوت، إلخ" یا "سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا إلٰہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر" پڑھتے رہنا زیادہ اچھا ہے اور معمول اکابر ہے۔ (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/ ۲۷۱)

---

(۱)　إن الاصرار علٰی أمر مندوب یبلغه إلٰی حد الکراهة، فکیف اصرار البدعة التی لا أصل لها فی هٰذا، فلا شک فی الکراهة. (السعایة شرح شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلوٰة، قبیل فصل فی القراءة: ۲/ ۲۶۵، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۲)　(ثم یدعون لأنفسهم وللمسلمین) بالأدعیة الماثور ... (رافعی أیدیهم) حذاء الصدر... ثم یختمون بقوله تعالٰی: سبحان ربک رب العزة عما یصفون، آه ... (ثم یمسحون بها وجوههم فی آخرة)". (نور الایضاح مع مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی الأوراد الواردة بعد الفرض، ص: ۳۱۶، ۳۱۸، قدیمی)

(۳)　ویستحب الجلوس بین الترویحتین قدر ترویحة إلخ ثم هم یخیرون فی حالة الجلوس إن شاؤوا سبحوا وإن شاؤوا قعدوا ساکتین. (الفتاویٰ الهندیة، فصل فی التراویح: ۱/ ۱۱۵، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(۴)　یجلس ندباً بین کل أربعة بقدرها وکذا بین الخامسة والوتر ویخیرون بین تسبیح وقراءة و سکوت وصلاة فرادیٰ. (الدر المختار)

(قوله: بین تسبیح) قال القهستانی: فیقال ثلاث مرات: "سبحان ذی الملک والملکوت" الخ. (رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث التراویح: ۱/ ۴۹۷، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

ہر ترویحہ کے بعد دعا:

سوال: تراویح کی ہر چہار رکعت پڑھنے کے بعد دعا کرنا اور عیدین کی نماز کے بعد دعا کرنا واجب ہے، یا سنت؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

ہر چہار رکعت تراویح کے بعد استراحت مستحب ہے اور اس وقت اس کو اختیار ہے کہ چاہے تلاوت کرے، چاہے تسبیح و تہلیل، درود پڑھے، چاہے دعا کرے، چاہے نوافل پڑھے؛ لیکن دعا کا التزام کرنا اور مجموعی حیثیت سے دعا پر اصرار کرنا، تارک پر ملامت کیا جانا منع ہے؛ کیوں کہ شریعت میں اس کا ثبوت نہیں۔(۱)

"أما الاستراحة فی أثناء التراویح،فیجلس بین کل ترویحتین مقدار ترویحة، ولیس المراد حقیقة الجلوس،بل المراد النتظار وهومخیرإن شاء جلس،وإن شاء هلل أوسبح أوقرأ أوصلٰی نافلة منفردًا "،آه. (کبیری)(۲)

اور عیدین کی نماز کے بعد خصوصیت سے دعا، یا عدم منقول نہیں؛ لیکن مطلقا ہر نماز کے بعد دعا روایات سے ثابت ہے، پس عیدین کے بعد بھی دعا کرنا مسنون ہوگا۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۴۷-۳۴۸)

ترویحہ میں دعا کا حکم:

سوال: رمضان المبارک کی تراویح کے متعلق فقہ وسنت کا کیا حکم ہے؟ کیا ہر ترویحہ میں دعا مانگنی چاہیے، یا صرف بیسویں رکعت کے اخیر میں، یا اس میں بھی نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

ترویحہ میں کچھ پڑھے یا نہ پڑھے، دعا مانگے، یا نہ مانگے، اختیار ہے۔

(۱) "الاصرار علی المندوب یبلغه إلٰی حد الکراهة". (السعایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبیل فصل فی القراءة: ۲/۲۶۵، سهیل أکادمی لاهور)

(۲) الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح: ص: ٤٠٤، سهیل اکیڈمی لاهور

(۳) قال اللّٰه تعالٰی: (فإذا فرغت فانصب) ... وقال قتادة: "فإذا فرغت من صلاتک فانصب إلٰی ربک فی الدعاء". (أحکام القرآن للجصاص، سورة ألم نشرح: ۳/۶۳۹، دارالکتب العلمیة، بیروت، انیس)

وعن علی ابن أبی طالب رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال: کان النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم: إذا سلم من الصلوٰة قال: اللّٰهم اغفرلی ماقدمت وماأخرت وماأسررت وماأعلنت وماأسرفت وما أنت أعلم به منی، أنت المقدم والمؤخر، لا إلٰهی إلا أنت". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب ما یقول الرجل إذا سلم: ۱/۲۱۹، مکتبة إمدادیة ملتان)

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

”وهو في الانتظار مخير إن شاء سبّح وإن شاء هلّل وإن شاء صلّى وإن شاء سكت“.(۱)

پہلی اور آخری ہر ترویحہ کا یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۹/۹/۳/۱۳۷۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۱۷-۲۱۸)

ہر ترویحہ پر اجتماعی تسبیح:

سوال: نماز تراویح کی ہر چار رکعت پر جو تسبیح پڑھی جاتی ہے، کیا ان تسبیحات کا پڑھنا اور اجتماعی طور پر پڑھنا حدیث، یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہے؟ (عبدالرشید، سکندرآباد)

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے کہ احکام شریعت کے نزول کا سلسلہ جاری ہے، کہیں نماز تراویح امت پر واجب نہ قرار دیا جائے، جو آئندہ امت کے لیے باعث مشقت ہو، اہتمام کے ساتھ روزانہ تراویح کی نماز نہیں پڑھائی، چناں چہ احادیث میں کیفیت تراویح کے بارے میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی اور ائمہ مجتہدین کے دور میں بھی خاص ان کلمات کے ساتھ تسبیح پڑھنے کا ثبوت نہیں، جن کو عام طور پر پڑھا جاتا ہے؛ بلکہ بعض لوگ تسبیح پڑھ لیتے، بعض کوئی اور ذکر کر لیتے، مدینہ میں زیادہ معمول ہر ترویحہ کے بعد چار رکعت نفل پڑھنے کا تھا، مکہ میں لوگ اس وقفہ میں طواف کر لیتے، یا دو رکعت نفل پڑھ لیتے، چناں چہ فقہا نے یہی لکھا ہے کہ دو ترویحہ کے درمیان کوئی ذکر، یا دعا متعین نہیں، چاہے تو کچھ تسبیح پڑھ لیں، یا خاموش بیٹھے رہیں، (۲) پھر تسبیح میں کیا کلمات پڑھے جائیں؟ اس کی بھی تعیین نہیں، ویسے تسبیح کے جو کلمات عام طور پر پڑھے جاتے ہیں، وہ متفرق طور پر اور دوسرے مواقع پر حدیث سے ثابت ہیں؛ اس لیے انہیں پڑھ لینے میں بھی حرج نہیں، جہاں تک اجتماعی طور پر پڑھنے کی بات ہے تو جیسے ہی سلام پھیرا گیا، جماعتی عمل ختم ہو گیا، اب ہر شخص کو انفرادی طور پر ذکر کرنا ہے؛ اس لیے تسبیحات بھی انفرادی طور پر پڑھنی چاہئیں، خواہ تسبیح کے یہ کلمات پڑھیں، یا کچھ اور، یا تسبیح کے بجائے ذکر و دعا کریں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۰۸-۴۰۹)

تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد اجتماعی دعا:

سوال: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ہر نماز کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے؛ اس لیے تراویح میں بھی ہر چار رکعت کے بعد دعا مانگ سکتے ہیں اور اسی طرح وتر کے بعد بھی اجتماعی دعا ہو سکتی ہے۔

(۱) فتاویٰ قاضی خان علی الفتاویٰ الهندية: ۱/۲۳۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) الفتاویٰ الهندية: ۱/۱۱۵، بدائع الصنائع: ۱/۶٤۸، البحر الرائق: ۲/۱۲۲

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

ہر نماز کے بعد دعا مانگنا درست ہے، مجموعہ تراویح بمنزلہ ایک ہے؛ اس لیے اس کے ختم پر دعا مانگتے ہیں، (۱) ہر چار رکعت پر بھی اختیار ہے کہ ذکر، دعا، درود، تلاوت جو چاہیں کریں، اجتماعی دعا کا اہتمام ثابت نہیں، اس سے احتیاط کریں۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۱۳۸۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۴۴-۳۴۵)

نماز تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد دعا مانگنے کا حکم:

سوال: یہاں کی مسجدوں میں دستور یہ تھا کہ رمضان المبارک میں نماز تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد امام ومقتدی کچھ وظیفہ پڑھتے تھے، پھر وظیفہ کے بعد امام ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا تھا اور جملہ مقتدی آمین کہتے تھے، اس سال اتفاق سے مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً سے خطیب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسجد میں تشریف لائے اور وہ اس مسجد موصوف کے امام مقرر ہوئے، یہ مدنی امام حافظِ قرآن بھی تھے، لہٰذا اس سال رمضان المبارک میں آپ نے تراویح میں قرآن پاک پڑھا؛ لیکن ہمیشہ سے دستور کے خلاف ہر چار رکعت تراویح کے بعد صرف ذکر ووظیفہ پر قناعت کی، دعا نہیں مانگی، البتہ بیس رکعت تراویح کے ختم پر ذکر کرکے دعا مانگی، دوسرے روز جب اس واقعہ کی اطلاع دوسری مسجدوں میں ہوئی تو ایک مسجد میں اس پر سخت اعتراضات کئے گئے، جب امام صاحب مدنی سے اس کی بابت دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ہمارے یہاں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جس طریقہ سے تراویح پڑھی جاتی ہیں، میں نے اسی طریقہ پر پڑھیں، چوں کہ مدینہ پاک میں ہر چار رکعت کے بعد دعا نہیں مانگی جاتی ہے، لہٰذا اسی کے مطابق میں نے بھی کیا، مجھے یہاں کا دستور نہ تو معلوم تھا اور نہ یہاں کے رواج کی تقلید میرے ذمہ ضروری تھی، اس دوسری

---

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: (فإذا فرغت فانصب) ... وقال قتادة: "فإذا فرغت من صلاتک فانصب إلیٰ ربک فی الدعاء". (أحکام القرآن للجصاص، سورة ألم نشرح: ۳/۶۳۹، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

وعن علی ابن أبی طالب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: کان النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: إذا سلم من الصلوٰة قال: اللّٰهم اغفرلی ماقدمت ومأخرت ومأسررت ومأعلنت ومأسرفت وما أنت أعلم به منی، أنت المقدم والمؤخر، لا إلٰهی إلا أنت". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب ما یقول الرجل إذا سلم: ۱/۲۱۹، مکتبة إمدادیة ملتان)

(۲) (ویجلس) ندباً (بین کل أربعة بقدرها، وکذا بین الخامسة والوتر)، ویخیرون بین تسبیح وقراءة وسکوت وصلاة فرادیٰ. (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۹۷، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

"من أحدث فی الإسلام رأیا لم یکن له من الکتاب والسنة سند ظاهر أو خفی ملفوظ ا ستنبط فهو مردود علیه". (مرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة: ۱/۲۱۵، مکتبة أشرفیة دیوبند، انیس)

مسجد والوں نے نفسانیت کی بنا پر ایک صاحب سے اپنی مسجد میں وعظ کہلایا، واعظ صاحب نے کھلم کھلا ہر چار رکعت پر دعا نہ مانگنے پر بہت کچھ اعتراضات کئے اور اپنے نزدیک یہاں کے اعتبار سے اس جدید فعل کی پوری تردید کردی۔

پس اب سوال یہ ہے کہ ہر چار رکعت تراویح کے بعد صحابۂ کرامؓ وائمہ مجتہدین خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا عمل درآمد دعا کے متعلق کیا تھا؟ اور اگر ان کا دستور العمل نہیں تھا تو آیا یہ دعا مانگنا بلا کراہت جائز ہے، یا نہیں؟ اور یہ کہ محض جائز ہی ہے، یا مستحب، یا سنت؟ اور امام کو اس دعا پر مجبور کرنا اور نہ کرنے پر شور وشر پھیلانا شرعاً درست ہے، یا نہیں؟ درصورتِ جواز جب عوام کا اس قدر اصرار ہو کہ تارک کو موجبِ ملامت قرار دیں تو عوام کے عقیدے کی درستی کے لیے اس کا ترک کردینا بہتر ہے، یا نہیں؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہر چار رکعت کے بعد دعا مانگنا جائز بھی ہو تو بھی موجودہ حالات میں اس کا ترک کردینا ضروری ہوگا؛ اس لیے کہ فقہا نے تصریح فرمائی ہے کہ جب کسی غیر ضروری فعل پر مداومت عقیدۂ عوام کے فساد کا باعث ہو تو خواص پر واجب ہے کہ عقیدۂ عوام کی درستی کے لیے اس کو ترک کردیں، پس سوال مذکور کا مفصل جواب ارشاد فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــ والله الموفق للصواب

قال في الدر: يجلس ندباً بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر ويخيرون بين تسبيح وقراءة سكوت وصلاة فرادى، إلخ.

قال العلامة الشامي تحت (قوله: بين تسبيح): قال القهستاني: فيقال ثلٰث مرات: سبحان ذى الملك والملكوت سبحان ذى العزة والجبروت (إلٰى قوله) لا إله إلا الله نستغفر الله نسألك الجنّة ونعوذبك من النار، كمافى منهج العباد، آه. (۷۳۹/۱)

قلت: وفى البدائع ومنها أن الإمام كلما صلّٰى ترويحة قعد بين الترويحتين قدر ترويحة يسبّح ويهلل ويكبر ويصلى على النبى صلى الله عليه وسلم ويدعو وينتظر أيضًا بعد الخامسة قدر ترويحة؛ لأنه متوارث من السلف، آه. (۲۶۰/۱)(۱)

ولعل المراد بقوله يدعو: أن يأتى بالأدعية الماثورة لا الدعاء برفع اليدين؛ لأن المتوارث من السلف فى هٰذا المواضع إنما هو مطلق الانتظار سواء سكان بالجلوس أوبالقيام أوبالسكوت أو بالذكر ونحوه، قال فى شرح المنية: وليس المراد حقيقة الجلوس بل المراد الانتظار وهو مخير فيه إن شاء جلس ساكتاً وإن شاء هلل أوسبح أوقرأ أوصلّى نافلة منفردًا وهٰذا الانتظار مستحب لعادة أهل الحرمين فإن عادة أهل مكة أن يطوفوا بعد كل أربع أسبوعاً ويصلّوا ركعتى الطواف

(۱)　الدر المختار: ۶٤۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

وعـادة أهل المدينة أن يصلّو أربع ركعات،وقد روى البيهقي بإسناد صحيح أنهم كانوا يقومون علىٰ عهد عمررضى الله عنه يعنى بين كل ترويحتين،آه.(ص:٣٨٦)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ہر ترویحہ کے بعد مستحب مطلق انتظار ہے،جس میں امام ومقتدین کو اختیار ہے کہ خواہ خاموش بیٹھے رہیں،یا اذکار وغیرہ میں مشغول رہیں اور دعا بہ ہیئت متعارفہ خصوصیت کے ساتھ نہ درمیانی ترویحوں میں مسنون ہے،نہ آخری ترویحہ میں؛لیکن اس میں شک نہیں کہ مطلق سکوت سے ذکر وادعیہ میں مشغول ہونا بہتر ہے، پس اگر جائز وامر اختیاری سمجھ کر تمام ترویحوں میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے تو اس کا بھی مضائقہ نہیں اور اگر صرف ترویحۂ خامسہ میں دعا کی جائے تو اس کا بھی مضائقہ نہیں اور اگر کسی ترویحہ میں بھی دعا نہ کریں،یہ بھی جائز ہے، یہ تو اصل حکم ہے؛لیکن ایک عارض پر نظر کر کے اولیٰ یہ ہے کہ درمیانی ترویحوں میں دعا نہ کی جائے،وہ یہ کہ ہر ترویحہ کے بعد بطریق متعارف دعا کرنا موجبِ ثقل علی القوم ہوتا ہے،اگر تسبیحات وتہلیلات کے بعد خشوع کے ساتھ دعا کی جائے گی تو اس میں ضرور کچھ دیر ہوگی اور اگر بدون خشوع وحضورِ قلب کے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر مُنہ کو مل لیے تو ایسی دعا سے دعا نہ کرنا بہتر ہے،**إن اللّٰـه لايقبـل الـدعـاء من قلب لاهٍ**، اور فقہاء نے امام تراویح کو تعلیم فرمائی ہے کہ صلوٰۃ تراویح میں بعد تشہد کے صرف اللّٰہم صل علی محمد کہہ کر سلام پھیر دیا کرے،ادعیہ ماثورہ نہ پڑھے، **مخافة الثقل على القوم**،تو جب دعاء مسنون کو فقہا نے ترک کرنے کی تعلیم کی ہے؛تا کہ قوم پر ثقل نہ ہو تو دعا ترویحہ جو کہ مسنون بھی نہیں؛ بلکہ جائز اور غایت سے غایت مستحب ہے،اس کو ترک کرنا ثقل سے بچنے کے لیے کیوں افضل واَولیٰ نہ ہوگا۔

ويأتـى الإمـام والـقـوم بـالثناء فى كل شفع ويزيد الإمام على التشهد إلا أن يمل القوم فيأتى بـالـصـلـوات ويكتفي ياللّٰهم صل محمد؛لأنه الفرض عند الشافعي ويترک الدعوات ويجتنب المنكرات اهـكذافي الدرعلى الشامية.(١/٧٤٠)(١)

اور ہر چند کہ اصل حکم تخییر پر نظر کرتے ہوئے ترویحۂ خامسہ میں بھی دعا بطریق متعارف کو کچھ ترجیح معلوم نہیں ہوتی؛مگر ایک علت پر نظر کر کے ترویحہ خامسہ میں دعا کرنا مستحب واولیٰ ہو جاتا ہے،وہ یہ کہ ترویحۂ خامسہ میں حزب قرآن پورا ہو جاتا ہے اور بعد تلاوت حزب قرآن کے دعا کرنا مستحب ہے اور وہ وقت اجابتِ دعا کا ہے۔

قـال فـى الأحيـاء فـى بيـان آداب التلاوة:الثامن أن يقول فى مبتدأ قراء ته أعوذ باللّٰه السميع الـعـلـيـم مـن الـشـيـطـان الـرجـيـم،إلىٰ أن قال وليقل عند فراغه من القراء ة صدق اللّٰه تعالىٰ وبلغ رسـول الـلّٰـه صـلى اللّٰه عليه وسلم اللّٰهم انفعنابه وبارک لنا فيه الحمد للّٰه ربّ العٰلمين استغفر اللّٰه الحى القوم،آه.(١/٢٤٩)

---

(١)　الدرالمختارعلى ردالمحرتار:٤٩٨/٢،٤٩٩،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

وقال فی الحصن فی أحوال إجابة الدعاء ما نصه: وعقیب تلاوة القرٰان ت ولاسیما الختم ط مومص خصوصاً من القاری، ت ط ،آہ. (ص: ۳۰-۳۱)

وفی الاتقان للسیوطی ناقلاً عن الشعب من حدیث أنس مرفوعًا: من قرأ القرٰان وحمد الرب وصلّٰی علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم واستغفر به فقد طلب الخیر مکانه،آہ. (۱/۱۱۶)

غرض تلاوتِ قرآن سے فارغ ہوکر دعا کرنا مستحب ہے اور یہ وقت قبول دعا کا ہے؛ اس لیے ترویحہ خامسہ میں دعا کرنا مستحب وافضل واولیٰ ہوگا اور ہر ترویحہ میں دعا کرنا ایسا ہوگا، جیسے کوئی شخص تلاوتِ قرآن کے وقت ہر رکوع، یا ہر ربع پر ہاتھ اٹھا کر دعا کیا کرے اور یقیناً یہ صورت مستحدث ہے، سلفِ صالحین صرف فراغت عن الحزب کے وقت دعا کیا کرتے تھے اور یہی منصوص بھی ہے، وسطِ قرأت، یا تلاوت میں دعا کرنا ثابت نہیں، لہٰذا گاہے گاہے تو مضائقہ نہیں؛ مگر اس پر مواظبت بدعت ہے اور اگر مواظبت سے گذر کر اس کے خلاف سے مزاحمت ہونے لگے تو یقیناً یہ فعل ممنوع ہوگا؛ کیوں کہ اصولِ شرع میں یہ بات منقح ہو چکی ہے کہ امر مباح ومستحب؛ بلکہ سنت کو بھی اگر اس کی حد سے بڑھا دیا جائے اور اس کے تارک پر ملامت ہونے لگے تو ایسے وقت میں اس مباح، یا مستحب، یا سنت کا ترک عوام وخواص سب پر ضروری ہو جائے گا۔ ہذا واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۱۸/ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۳۶-۲۴۰)

ہر ترویحہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

سوال: بعد چار رکعت تراویح مناجات کردن چہ حکم دارد؟

الجواب ـــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

بعد ہر چہار تراویح جلسہ استراحت مستحب است، ودریں اختیار است، خواہ تسبیح ودرود خواند، وخواہ در نوافل وتلاوت مشغول ماند، خواہ ایں وقت در دعاء ومناجات گزارند، کذافی سکب الأنهر: ۱/۲۳۶.(۱) ودست برداشتہ در تراویحہ دعا کردن ثابت نیست۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۴۸)

---

(۱) "عشرون رکعة بعشر تسلیمات، وجلسة بعد کل أربع بقدرها)...ویخیرون بین تسبیح وقراءة وسکون وصلاة فرادیٰ". (سکب الأنهر - الدر المنتقی شرح ملتقی الأبحر - علی هامش مجمع الأنهر، باب الوتر والنوافل، فصل: التراویح سنة مؤکدة: ۱/۲۰۳، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(۲) "من أحدث فی الإسلام رأیا لم یکن له من الکتاب والسنة سند ظاهر أوخفی، ملفوظ أومستنبط، فهو مردود علیه". (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الاعتصام بالکتاب والسنة: ۱/۲۱۵، مکتبة أشرفیة دیوبندانیس)

ہر ترویحہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا درست ہے، یا نہیں:

سوال (۱) تراویح کے ہر ترویحہ میں بعد تسبیح وتہلیل کے امام اور مقتدیوں کا ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے، یا نہیں؟ یا بعد ختم تراویح کے دعا مانگنا چاہیے؟

ترویحہ کے بعد دعا سے روکا جائے، یا نہیں:

(۲)　جو حافظ برابر عادۃً ہر ترویحہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہو، اس کو ممانعت بالجہر کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

کیا دعا مانگنا منع ہے:

(۳)　اگر کوئی حافظ ترویحہ میں دعا بایں خیال نہ مانگتا ہو کہ اس کا ثبوت نہیں ہے، اس سے مقتدیوں کا فرمائش کرنا کہ دعا ضرور مانگیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حافظ کا خلاف امر مقتدیان کرنا موجب عدم جماعت تراویح وباعث رنجش عوام ہے تو ایسی صورت میں حافظ موصوف کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱)　تراویح کے ہر ایک ترویحہ میں تسبیح وتہلیل وغیرہ ادعیہ ماثورہ کا پڑھنا منقول ہے،(۱) اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا صرف بعد ختم جملہ تراویح؛ یعنی بست رکعت معمول ہے، پس ایسا ہی کرنا چاہیے۔

کما ورد: "مارآه المؤمنون حسناً فهو عند الله حسن". (۲)

(۲)　ظاہر یہ ہے کہ اس کو تشدد سے منع نہ کیا جاوے۔

(۳)　حافظ موصوف کو اس صورت میں مقتدیوں کا کہنا ماننا ضروری نہیں ہے اور نہ مقتدیوں کو اپنے امام کو ایسا حکم کرنا چاہیے؛ کیوں کہ امام متبوع ہوتا ہے، نہ تابع۔

کما ورد فی الحدیث: "إنما جعل الإمام ليؤتم به". (الحدیث) (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۷۸/۴-۲۷۹)

---

(۱)　ويجلس بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر، ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت و صلاة فرادیٰ. (الدر المختار)

(قوله بين تسبيح) قال القهستاني: فيقال ثلاث مرات: "سبحان ذی الملک و الملكوت، إلخ". (رد المحتار، مبحث صلاة التراويح: ۴۹۷/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲)　المعجم الكبير للطبراني، عبدالله بن مسعود الهذلي، رقم الحديث: ۸۵۸۳، انيس

(۳)　مشكوة، باب ماعلى المأموم من المتابعة، الفصل الأول، ص: ۱۰۱، ظفير (صحيح البخاري، باب إنما جعل الإمام ليؤتم به، رقم الحديث: ۶۵۶/ صحيح لمسلم، باب ائتمام المأموم بالإمام، رقم الحديث: ۴۱۲، انيس)

تراویح میں تسبیحات معمولی آواز سے پڑھی جائیں اور وتر کے بعد سبحان الملک القدوس بلند آواز پڑھنا:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۸؍فروری ۱۹۳۵ء)

سوال (۱) ماہِ رمضان میں تراویح کی نماز میں تسبیحات جو بلند آواز سے پڑھتے ہیں، کیا آہستہ نہیں پڑھ سکتے؟

(۲) اور کیا بعد نماز وتر کے **سبحان الملک القدوس** اونچی آواز سے بولنا ضروری ہے؟

الجواب

(۱) تسبیحات آہستہ پڑھنا بہتر ہے، معمولی آواز سے پڑھنے میں مضائقہ تو نہیں؛ لیکن آہستہ پڑھنا افضل ہے۔(۱)

(۲) وتر کے بعد "**سبحان الملک القدوس**" ذرا اونچی آواز سے کہنا مستحب ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ غفر لہ (کفایت المفتی: ۳؍۴۱۱)

کیا بعد تراویح اور بعد ختم قرآن دعا مکروہ ہے:

سوال (۱) فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ تراویح میں اور ختم قرآن کے وقت دعا مکروہ ہے۔

جماعت سے ختم قرآن پر دعا:

(۲) جماعت کے ساتھ قرآن ختم ہونے کے وقت دعا مکروہ ہے، اس واسطے کہ اس طرح دعا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔ یہ دونوں مسائل صحیح ہیں، یا نہیں؟

الجواب

صحیح یہ ہے کہ ختم قرآن کے بعد اور ہمیشہ نماز تراویح کے بعد دعا مسنون ومستحب ہے اور حدیث میں ہے کہ یہ وقت اجابت دعا کا ہے؛ اس لیے معمول ہمارے اکابر کا اور مشائخ کا دعا بعد التراویح وبعد الختم ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴؍۲۷۰-۲۷۱)

---

(۱) عن أبی موسی الأشعری قال: "أخذ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی عقبة أوقال فی ثنیة" قال: فلما علی علیها رجل نادی فرفع صوته لا إلٰه إلا اللّٰه واللّٰه أکبر، قال: "ورسول اللّٰہ صلیٰ علیه وسلم علیٰ بغلته قال: "فإنکم لا تدعون أصم ولا غائباً. (صحیح البخاری، باب لا قول ولاحول ولا قوه إلا باللّٰه: ۲/۹۴۸-۹۴۵، ط: قدیمی کتب خانة کراچی، انیس)

(۲) عن سعید بن عبد الرحمٰن بن أبزیٰ عن أبیه قال: "کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یوتر سبح اسم ربک الأعلٰی وقل یأیها الکافرون وقل هو اللّٰه أحد وإذا سلم قال سبحان الملک القوس ثلاث مرات یمد صوته فی الثالثة ثم یرفع (سنن النسائی، التسبیح بعد الفراغ من الوتر: ۱/۱۹۶، ط، سعید)

(۳) عن معاذ بن جبل رضی اللّٰہ عنه قال أخذ بیدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال: إنی لأحبک، فقلت: أنا أحبک یارسول اللّٰه! قال: فلا تدع أن تقول فی دبر کل صلاة: رب أعنی علیٰ ذکرک. (مشکوة: ص: ۸۸) ==

تراویح میں تذکیر اور ختم قرآن پر دعا:

سوال: حافظِ قرآن تراویح کی نماز پڑھائے اور ترویحہ کے وقفہ میں مسجد کا امام اللہ اور رسول اکے ارشادات بلند آواز سے پڑھ کر سنائے، نیز بیس رکعت کے آخر میں ایک مرتبہ دعا کی جائے تو کیا یہ درست ہے؟ (شیخ حسن، کھمم)

الجواب ـــــــــــــــــــ

ترویحہ کے وقفہ میں کوئی خاص عمل متعین نہیں، ذکر کیا جا سکتا ہے، قرآن کی تلاوت کی جا سکتی ہے، نفل نماز پڑھی جا سکتی ہے، دعا کی جا سکتی ہے اور خاموشی بھی اختیار کی جا سکتی ہے، اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نقل کرنا بھی ایک کام ہے؛ اس لیے ان کا سنانا درست ہے؛ بلکہ بہتر ہے؛ تا کہ لوگوں تک دین کی بہتر باتیں پہونچ جائیں، تراویح کے ختم پر دعا کرنا بھی درست ہے؛ کیوں کہ نمازوں کے بعد دعا کرنا مستحب ہے اور ظاہر ہے کہ نماز میں تراویح بھی داخل ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۹۱/۲)

تراویح کی دعا سراً، یا جہراً:

سوال: تراویح میں چار رکعت کے بعد جو بیٹھا جاتا ہے اور اس میں تسبیح پڑھی جاتی ہے تو یہ تسبیح بلند آواز سے پڑھنی افضل ہے، یا آہستہ؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

شیخ منصور بن ادریسؒ رقم طراز ہیں:

"والدعاء سرًا أفضل منه جهرًا لقوله تعالىٰ: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْيَةً﴾ لأنه أقرب إلى الإخلاص ويكره رفع الصوت به فى الصلاة و غيرها إلا لحاج فإن رفع الصوت له أفضل، لحديث "أفضل الحج العج و الثج".

ترجمہ: اور دعا سری افضل ہے جہری کی بہ نسبت؛ اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْيَةً﴾ (کہ تم اپنے رب کو پکارو یعنی اپنے رب سے مانگو آہ وزاری کے ساتھ دھیمی آواز سے) اس لیے کہ سری دعا میں اخلاص زیادہ ہے اور شیخ منصورؒ بن ادریس نے فرمایا کہ نماز کے اندر، یا نماز کے باہر جہراً دعا پڑھنا مکروہ ہے؛ مگر حاجی اس حکم سے مستثنیٰ ہے کہ حدیث کی رو سے حاجی کے لیے لبیک وغیرہ دعاؤں میں بلند آواز کرنا افضل ہے۔ (مسلک السادات الی سبیل الدعوات) (منقول از فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰۵/۱) (فتاویٰ احیاء العلوم: ۲۲۹/۱)

== عن أبى أمامة رضى الله عنه قال: قيل: يارسول الله! أى الدعاء أسمع؟ قال: "جوف الليل الأخر و دبر الصلوات المكتوبات". (رواه الترمذى) (مشكوة، ص: ۸۹، ظفير)

جہراً ترویحہ کی تسبیح:

سوال: ماہ رمضان المبارک میں تراویح میں ہر ترویحہ پر تسبیح جو پڑھی جاتی ہے، شریعت میں کیا حکم ہے؟ اگر ایک شخص تسبیح کو بلند آواز سے پڑھے اور شر کا بلند آواز سے کہیں تو کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اس ترویحہ میں اختیار ہے کہ چاہے تو کوئی تلاوت کرے، چاہے درود شریف، یا استغفار، یا تسبیح پڑھے، اس میں بھی سب کو بلند آواز سے آواز ملا کر نہیں پڑھنا چاہیے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۶/۱۳۸۷ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۵۰/۷)

ترویحہ میں تسبیحات سراً مناسب ہے:

سوال: تراویح کی ہر چہار رکعت میں جو تسبیح پڑھی جاتی ہے: "سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ" الخ امام اور مقتدی جہراً پڑھیں، یا سراً؟ یا امام و مقتدیوں کے حکم میں کچھ فرق ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ

تسبیح مذکور باخفا پڑھنا بہتر ہے، جہر کرنا خصوصاً جہر مفرط کرنا نہ چاہیے، امام بھی باخفا پڑھے اور مقتدی بھی باخفا پڑھیں، کما فی الحدیث: یا أیها الناس أربعوا علیٰ أنفسکم إنکم لا تدعون أصم ولا غائباً. (الحدیث)(۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۶۳/۴)

تراویح کی چار رکعت بعد درود:

سوال: تراویح کی چار رکعت کے بعد جو لوگ درود بر خواجۂ عالم کہتے ہیں۔ یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ

تراویح کی چار رکعت کے بعد جو لوگ کہتے ہیں "درود بر خواجۂ عالم" اس طرح کہنے میں کچھ حرج بھی نہیں ہے؛ مگر یہ درود شریف نہیں ہے اور درود شریف پڑھنے میں زیادہ ثواب ہوتا ہے، بہتر یہ ہے کہ اس کی جگہ "صلی اللہ علیہ وسلم"

(۱) وقد قالوا: إنهم مخیرون فی حالة الجلوس، إن شاؤا سبحوا، وإن شاؤا قرأوا القرآن، وإن شاء وصلوا أربع رکعات فرادی، وإن شاء واقعدوا ساکتین، إلخ. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل: ۴۹۷/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(۲) مشکوة المصابیح، باب ثواب التسبیح، الفصل الأول، ص: ۱۰۲، ظفیر

کہہ دیا کریں، یا اور کوئی درود شریف پڑھا کریں، یا ''سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا إلٰہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر'' پڑھا کریں۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲۸۶/۴)

ترویحہ میں صلوٰۃ بآواز بلند پڑھنا کیسا ہے:

سوال: نماز تراویح میں ہر چہار رکعت کے بعد بیٹھ کر چند منٹ صلوات پکارا جاتا ہے، عند الحنفیہ یہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

نماز تراویح میں ہر چہار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھنا اور تسبیح وتہلیل اور درود شریف وغیرہ پڑھنا مستحب ہے، ہر ایک تسبیح وتہلیل وغیرہ پڑھتا رہے، مل کر اور آواز ملا کر پڑھنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ یہ اچھا نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲۶۶/۴-۲۶۷)

ہر ترویحہ پر ''صلوۃ بر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'':

سوال: بعد چار رکعت نماز تراویح کے جو شخص ''صلوۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' پر جہر کر کے نہ پڑھے؛ بلکہ تسبیح اور درود شریف جو نماز میں تشہد کے بعد ہے، اس کو آہستہ پڑھ لے۔ اس شخص کو برا کہنا اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا کیسا ہے؟ کیا یہ شخص قابل ملامت ہے، یا نہیں؟ کیا ''الصلوۃ بر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کو ضروری جاننا اور کہنا کہ یہ شریعت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد اختیار ہے، کہ خاموش بیٹھے یا تسبیح و درود و تلاوت و ذکر وغیرہ پڑھے، یا تنہا نفل پڑھے، کسی چیز کی پابندی نہیں اہل مکہ اس وقت طواف کرتے ہیں:

ویجلس ندباً بین کل أربعة بقدرها وکذا بین الخامسة والوتر ویخیرون بین تسبیح وقراءة وسکوت وصلاة فرادیٰ وأهل مکة یطوفون وأهل المدینة یصلون أربعًا. (ردالمحتار) (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ:۳۵۹-۳۶۰)

تراویح کے بعد بآواز بلند درود وسلام کا ثبوت نہیں:

سوال: بعد ادائے چار رکعت نمازِ تراویح کے جلسہ کر کے اٹھتے وقت بعض دیار میں تسبیح آہستہ پڑھ کر درود بر خواجہ عالم کے بعد بآواز بلند صلوٰۃ بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نعرہ بلند کرتے ہیں، اس کی اصل کسی کتاب میں شرعاً پائی جاتی ہے، یا نہیں؟

(۱) یجلس ندباً بین کل أربعة بقدرها وکذا بین الخامسة والوتر ویخیرون بین تسبیح وقراءة وسکوت و صلاة فرادیٰ. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث التراویح:۴۹۷/۲، انیس)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل:۴۹۷/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

الجواب ـــــــــــــــــــ

اس کی اصل بہ ہیئت کذائیہ شریعت میں کچھ نہیں ہے، فقہا نے یہ لکھا ہے کہ ہر ترویحہ تراویح میں؛ یعنی چار رکعت کے بعد اختیار ہے کہ تسبیح پڑھے، یا قرآن شریف پڑھے، یا رکعات نفل پڑھے، یا کچھ نہ کرے۔

اور شامی میں ہے کہ قہستانی میں ہے کہ بعد ہر ترویحہ کے "سبحان ذی الملک والملکوت، الخ" تین بار پڑھے۔(۱)

احقر کہتا ہے کہ کلمہ "سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا إله إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر" کی بہت فضیلت احادیث صحیحہ میں وارد ہے؛ اس لیے تکرار اس کا افضل ہے اور یہی معمول ومختار تھا، حضرت محدث وفقیہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۴۵/۴-۲۴۶)

ہر ترویحہ میں بلند آواز سے ذکر:

سوال: نماز تراویح کی ہر چہار رکعت کے بعد تسبیح آواز سے پڑھنا کیسا ہے؟

(المستفتی: ۱۱۳، محمد عنایت حسین صاحب کھنور، ۲۶/رجب ۱۳۵۲ھ، مطابق ۱۶/نومبر ۱۹۳۳ء)

الجواب ـــــــــــــــــــ

تھوڑی آواز سے پڑھنا جب کہ اس پر اصرار والتزام نہ ہو جائز ہے،(۲) جہر پر اصرار کرنا مکروہ ہے۔

محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی: ۳۹۴/۳)

ترویحہ میں مناجات درست ہے، یا نہیں:

سوال: مولانا کرامت علی جونپوری نے "صلوٰۃ تراویح" میں بعد ہر ترویحہ کے ایک مناجات لکھی ہے، وہ معتبر دلیل سے ثابت ہے، یا نہیں؟ اس کو چھوڑ کر دوسری مناجات بھی پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

ہر ترویحہ میں تسبیح وتہلیل اور درود شریف واستغفار وغیرہ درست ہے، کوئی خاص مناجات ضروری نہیں ہے، "سبحان ذی الملک والملکوت إلخ" کو شامی وغیرہ میں نقل کیا ہے، اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے اور کلمہ "سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ، الخ" کا تکرار کرنا زیادہ اچھا ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۴۸/۴)

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاۃ، مبحث التروایح: ۴۹۷/۲، مکتبۃ زکریا دیوبند، انیس

(۲-۳) یجلس ندبا بین کل اربعۃ بقدرها کذا بین الخامسۃ والوتر ویخیرون بین تسبیح وقراءۃ وسکوت. (الدر المختار)

قال القهستاني: فيقال ثلاث مرات "سبحان ذی الملک والملکوت، سبحان ذی العزۃ والعظمۃ والقدرۃ والکبریاء والجبروت، سبحان الملک الحی الذی لاینام ولایموت، سبوح قدوس ربنا ورب الملائکۃ والروح، لا إله إلا اللّٰہ نستغفر اللّٰہ نسألک الجنۃ ونعوذ بک من النار. (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، مبحث التراویح: ۴۹۷/۲، مکتبۃ زکریا دیوبند، انیس)

بعد ترویحہ مناجات ونوافل جائز ہے، یا نہیں:

سوال: در تراویح بعد ترویحہ مناجات ونوافل جائز است، یا نہ؟

الجواب

در تراویح بعد ہر ترویحہ دعا ومناجات وذکر وتسبیح وتہلیل ودرود شریف ونوافل ہمہ جائز است۔(۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۲۹۰-۲۹۱)

ترویحۂ تراویح میں وعظ کا رواج درست ہے، یا نہیں:

سوال: ام طور پر مساجد میں نماز تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد تسبیح پڑھی جاتی ہے؛ مگر ایک مسجد میں اس کے برخلاف اس قلیل عرصہ میں وعظ کہا جاتا ہے۔ آیا دونوں امر جائز ہیں؟

الجواب

ہر چار رکعت تراویح کے بعد مشروع ومستحب یہ ہے کہ تسبیح وتہلیل درود شریف وغیرہ پڑھیں، اگر ضروری وعظ بھی کبھی ہو جاوے، جس کی ضرورت ہو تو کچھ مضائقہ نہیں؛ مگر التزام اس کا ہر ترویحہ میں کہ وعظ ضرور کہا جاوے، اچھا نہیں ہے، کما قال فی الدر المختار: ویخیرون بین تسبیح وقراءۃ وسکوت وصلاۃ فرادی. (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۲۵۴)

کیا ترویحہ میں نصیحتوں کا پڑھ کر سنانا درست ہے:

سوال: کیا تراویح کے ترویحہ میں بجائے تسبیح کے لقمان کی نصیحتیں، تذکرہ در بیان ادب استاد وذکر دوزخ وبہشت وغیرہ وغیرہ کا بیان درست ہے؟

الجواب

یہ بھی درست ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ وقت تسبیح وغیرہ میں گزارے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۲۷۲)

ترویحہ میں احادیث سنانا:

سوال: یہاں مسجد میں نماز تراویح میں ہر ترویحہ کے بعد کچھ حدیثیں سنائی جاتی ہیں، غرض اصلاح وتعلیم ہے۔ کچھ لوگ پسند کرتے ہیں اور بعض لوگ اس کو بدعت قرار دیتے ہیں اور بند کرانے کو کہتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا شریعت

(۱) ثم هم مخيرون فی حالة الجلوس، إن شاؤوا سبحوا وإن شاؤوا قعدوا ساكتين. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۱۱۵، مكتبة زكريا، انيس)

(۲) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۹۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) ويجلس ندباً بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادیٰ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۹۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

مطہرہ میں مداخلت سمجھا جائے گا، یا پسندیدہ؟ یہ طریقہ اس طرف دیگر مقامات میں بھی چل رہا ہے۔

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

یہ بہت اچھا طریقہ ہے، اس سے بہت معلومات دین میں اضافہ ہوگا۔ کاش! کہ سب لوگ اس پر متفق ہو جائیں؛ لیکن ان کو مجبور نہ کیا جائے، (۱) اگر وہ انکار کریں اور مسجد چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں تو پھر یہ طریقہ بند کر دیا جائے، (۲) اور تراویح و وتر ختم ہونے کے بعد یا کسی دوسرے وقت حدیثیں سنائی جائیں، جس کا دل چاہے بیٹھے اور سنے اور فائدہ حاصل کرے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۷/۹/۱۳۸۷ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۶۱-۳۶۲)

چار ترویحوں پر خلفا کے نام:

سوال: ہمارے پورے حیدرآباد دکن میں دو رکعت تراویح کے بعد بیٹھ کر تسبیح پڑھتے ہیں، پھر چار رکعت پر بیٹھ کر تسبیح اور امام دعا پڑھتا ہے، مقتدی آمین کہتے ہیں اور چار رکعت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی اور اسی طرح چار چار رکعتوں کے ختم پر ایک ایک خلیفہ کا نام لے کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ختم کر دیتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

یہ طریقہ شریعت سے ثابت نہیں، (۴) کتب فقہ میں تمام مسائل لکھے ہیں، ان میں یہ کہیں مذکور نہیں، صرف چار رکعت پر کچھ دیر کے لیے بیٹھ کر تسبیح، درود شریف، استغفار اور تلاوت میں مشغول رہیں، جیسا کہ شامی میں لکھا ہے۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۹/۱۳۸۴ھ، الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۶۱)

---

(۱) ویجلس) ندباً (بین كل أربعة بقدرها، وكذا بين الخامسة والوتر) ويخيرون بين تسبيح و قراءة وسكوت وصلاة فرادى. (الدر المختار) (قوله: وصلاة فرادى) وأهل مكة يطوفون، وأهل المدينة يصلون أربعًا. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ٤٦/٢، سعيد)

(۲) عن انس رضى الله عنه عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: يسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا. (صحيح البخارى، باب ما كان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يتخولهم بالموعظة والعلم كى لاينفروا: ١٦/١، قديمى)

(۳) عن ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال: كان النبى صلى الله عليه وسلم يتخولنا بالموعظة فى الأيام كراهة السامة علينا. (صحيح البخارى، باب ما كان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يتخولهم بالموعظة والعلم كى لاينفروا: ١٦/١، قديمى)

(۴) عن عائشة قالت: قال النبى صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أحدث فى أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد". (صحيح البخارى، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علىٰ صلح جور فهو رد: ٣٧١/١، قديمى)

(البدعة) ما أحدث علىٰ خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان وجعل دينا قويمًا وصراطًا مستقيما. (ردالمحتار، مطلب: البدعة علىٰ خمسة أقسام: ٤٩٩/٢، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۵) (ويجلس) ندباً (بين كل أربعة بقدرها، وكذا بين الخامسة والوتر) ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادى. (الدر المختار) "(قوله: وصلاة فرادى) وأهل مكة يطوفون، وأهل المدينة يصلون أربعاً". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ٤٦/٢، سعيد)

تراویح کے ترویحہ میں تمام جماعت کو چائے وغیرہ پلوانا خلاف سنت وبدعت ہے:

سوال: یہاں کے پیش امام نماز تراویح میں چار رکعت ودس رکعت کے بعد تمام جماعت کو مع امام مسجد کے برآمدے میں بلا کر چائے پلواتے ہیں اور جب ان کو کہا گیا کہ یہ فعل اچھا نہیں ہے تو یہ جواب دیتے ہیں کہ مکہ شریف اور مدینہ شریف میں ایسا ہی ہوتا ہے اور کتاب شامی اور درمختار میں یہ مسئلہ موجود ہے، علمائے کرام سے ہم مسلمانوں کی التجا ہے کہ اگر یہ فعل واقعی جائز ہے تو بھی اور اگر نا جائز ہو تو بھی مع سند ومہر کے فی سبیل اللہ لکھ کر روانہ فرماویں۔ نماز تراویح سے چھوٹی چھوٹی سورت سے پڑھی جاتی تھی۔

الجواب ــــــــــــــــــــــ

قال في الدر: يجلس ندباً بين كل أربعة (۱) بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر (۲) ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادیٰ. وفي النهر وأما الصلاة فقيل مكروهة وقيل سنة وهو ظاهر، كما في السراج وأهل مكة يطوفون وأهل المدينة يصلون أربعًا، آه. (۳)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ چار رکعت کے بعد تراویح میں قدرے استراحت وانتظار مستحب ہے، جس میں تسبیح وقرأت وسکوت کا اختیار دیا گیا ہے اور بعض نے منفرداً نماز پڑھنے کی بھی اجازت دی ہے اور بعض نے اس سے منع کیا ہے؛ لیکن کھانے پینے کا اختیار کسی نے نہیں دیا؛ اس لیے اکل وشرب کو اس جلسہ میں معمول قرار دے لینا یقیناً بدعت ہے۔ ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ کسی نمازی کو پیاس لگے تو وہ بوقت جلسہ پانی پی لے، یا کوئی شخص کبھی ضرورت کی وجہ سے چائے پی لے؛ لیکن اس جلسہ کو چائے نوشی کا جلسہ قرار دے لینا کہ سب نمازی مع امام کے چائے نوشی میں مشغول ہو جائیں، خلاف سنت اور طریقۂ بدعت ہے اور اہلِ مکہ ومدینہ کا فعل زمانۂ خیریت میں تو بوقت جلسہ ترویحہ طواف وصلوٰۃ تھا، اگر اس زمانۂ شر میں یہ معمول بدل گیا ہو تو ہمیں اس کا علم نہیں اور نہ ان کا یہ فعل حجت ہے۔ واللہ اعلم

۲۲ رشوال ۱۳۴۴ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۴۴-۲۴۵)

ہر ترویحہ میں خلفائے راشدین کے نام:

سوال: اکثر مساجد میں تراویح کی ہر چہار رکعت کے بعد دعا کی جاتی ہے اور بعد دعا خلفائے راشدین کا نام لیا جاتا ہے کیا ایسا کر سکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

یہ چیز حدیث وفقہ میں میری نظر سے نہیں گزری، جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان سے دریافت کرنے کی ضرورت ہے کہ کس کتاب میں ہے۔ (البتہ تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد جلسۂ استراحت مستحب ہے، اس میں اختیار ہے خواہ تسبیح ودرود پڑھے، خواہ نفل وتلاوت میں مشغول رہے، خواہ دعا ومناجات میں مصروف رہے، یا سکوت اختیار کرے: (ويجلس ندباً) بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر) ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادیٰ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۳۶۰/۷)

(۱) إلا وضع قول الكتر بعد كل أربعة.

(۲) والاستراحة علیٰ خمس تسليمات اختلف المشايخ فيه وأكثرهم علیٰ أنه لايستحب وهو الصحيح، آه. مراده بخمس تسليمات خمس اشفاع أي على الركعة العاشرة، كما فسر به في شرح المنية.

(۳) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة: ۴۹۷/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

تراویح میں ختم قرآن کے مسائل

تراویح میں ختم قرآن سنت ہے:

سوال: حافظ کوتراویح میں قرآن سنانا واجب ہے، یا مستحب؟ درصورت وجوب اگرکوئی شخص پڑھتے وقت ریا ونمود سے بچنے کی اپنے میں قوت نہ رکھتا ہوتواس کوسنانا جائز ہے، یانہ؟ درصورت غیر جواز نہ سنانے سے قرآن شریف کا کوئی حق، یامواخذہ اس کے ذمہ باقی رہے گا، یانہیں؟ اگررہے گاتو چھٹکارہ کی کیاصورت ہے؟

الجواب________________________

تراویح میں قرآن شریف سننا اور سنانا سنت اور مستحب ہے اورخوف ریا وعجب کی وجہ سے چھوڑا نہ جاوے اورحتی الوسع کوشش حصول اخلاص کی کی جاوے اورلوجہ اللہ بلامعاوضہ سنایا جاوے، یہ بڑے اجروثواب کا کام ہےاوراس میں فضیلت ہے۔(۱) باقی اگرکسی عذرسے تراویح میں کسی حافظ نے قرآن شریف نہ پڑھااورویسے تلاوت کرتارہتاہےتو مؤاخذہ سے بری ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿لا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۴۸)

ختم قرآن تراویح میں سنت علی الکفایہ ہے:

سوال (۱) ایک گاؤں میں، یاقصبہ میں تمام قرآن مجید کاتراویح میں جماعت کےساتھ سنناسنت مؤکدہ ہے، یانہیں؟

(۲) اورتراویح جماعت کےساتھ پڑھنامؤکدہ ہے، یاعلی الکفایہ؟ کہ ایک دونے جماعت کےساتھ پڑھ لی؟

(فرزندعلی شاہ سہارن پور)

الجواب________________ حامدًا ومصلیًا

(۱،۲) تراویح میں ایک مرتبہ قرآن شریف کاختم کرناپڑھ کر، یاسن کرسنت مؤکدہ ہے، اسی طرح جماعت بھی

---

(۱) والختم مرة سنة ومرتين فضيلة وثلا ثاً أفضل ولايترك الختم لكسل القوم.(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱/۹۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

أى قراء ة الختم فى صلاة التراويح سنة. (رد المحتار، مبحث التراويح: ۱/۶۶۲، ظفير)

(۲) سورة البقرة: ۲۸۶، انيس

سنت مؤکدہ ہے اور اس میں گاؤں، یا قصبہ کی کوئی تخصیص نہیں؛ لیکن اگر سب لوگ تو جماعت سے تراویح پڑھیں اور ایک دو شخص بغیر جماعت تراویح پڑھیں تو یہ سنت سب کے ذمہ سے ادا ہوگئی، اگر چہ اس بغیر جماعت پڑھنے والے سنت کا ثواب نہیں ملا اور اگر سب نے جماعت چھوڑی بغیر جماعت تراویح پڑھی تو اگر چہ نفس تراویح کی سنت ادا ہو جائے گی؛ لیکن جماعت کی سنت چھوڑنے کا وبال سب کے سر رہے گا۔

”والجماعة فيها سنة على الكفاية في الأصح،أفاد أن أصل التراويح سنة عين،فلو تركها واحد كره، بخلاف صلا تها بالجماعة،فإنها سنة كفاية،فلو تركها الكل أساؤا،أما لو تخلف عنها رجل من أفراد الناس وصلىٰ في بيته،فقد ترك الفضيلة والختم مرة سنة،ا۵.(الدر المختار ورد المحتار)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۱۴-۳۱۵)

تراویح میں ختم قرآن کا ثبوت:

سوال: ختم قرآن تراویح رمضان میں، یا غیر اس کے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم، یا زمان شیخانؓ (علیہم الصلوٰۃ والرضوان) میں ثابت ہے، یا نہیں؟ اگر ہے تو ترتیب عثمانی پر، یا کسی اور طرح پر؟

الجواب ——————————

تراویح میں ختم قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحۃً ثابت نہیں اور نہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے صراحۃً ثابت ہے، ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ سب لوگ قرآن نہیں پڑھ سکتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ تم سب کو رمضان کی راتوں میں نماز پڑھا دیا کرو۔

اور ظاہر ہے کہ صحابہ میں کوئی شخص بھی قدر قلیل عادی نہ تھا، پس اس کے معنی سوا اس کے کچھ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ لوگ پورا قرآن نہیں پڑھ سکتے۔

نیز حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانہ تراویح اتنی دیر میں ختم ہوتی تھی کہ بعض لوگ لاٹھی پر سہارا لیتے اور سحری کے فوت ہو جانے کا اندیشہ کرتے تھے اور بعادت غالبہ اتنی دیر جب ہی ہوسکتی ہے کہ امام قرآن ختم کرنا چاہتا ہو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام رمضان کی راتوں میں قرآن دیکھ کر نماز پڑھاتا تھا، (یعنی نماز سے پہلے، یا نماز کے بعد قرآن دیکھ لیا کرتا؛ تاکہ نماز میں بھول نہ ہو۔) اور یہ بھی جب ہی ہوسکتا ہے جب کہ ختم قرآن کا اہتمام ہو، ورنہ وہی سورتیں پڑھتا جو خوب یاد تھیں۔

یہ تمام دلائل اس امر کے ہیں کہ صحابہ کو تراویح رمضان میں ختم قرآن کا اہتمام تھا۔ صحابہ کے اس اہتمام سے معلوم

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل: ۲/۴۹۵،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان میں قرآن ختم کرتے ہوں گے، گو صراحۃً حدیثوں میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ بہر حال مسئلہ ظنیہ یہی دلالت ظنیہ بھی کافی ہے، گو معارض پر حجت نہ ہو، خصوص جب کہ اس کے پاس بھی دلائل ہوں، پھر امام ابوحنیفہؒ نے ایک ختم کو سنت فرمایا ہے اور وہ تابعی ہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے سلف کو اس کا اہتمام کرتے دیکھا اور سنا ہوگا۔ والبسط فی رسالتنا إعلاء السنن. واللہ اعلم

۵رشوال ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۷۶)

تراویح میں پورا قرآن پڑھنا افضل ہے:

سوال: تراویح میں پورا قرآن پڑھنا افضل ہے، یا سورۂ فیل سے تراویح پڑھنا اولیٰ ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

درمختار میں ہے: ”والختم مرةً سنةٌ، إلخ، ولا یترک الختم لکسل القوم. (الدر المختار) (۱)

اس کا حاصل یہ ہے کہ ختم قرآن تراویح میں ایک بار سنت ہے اور سستی قوم کی وجہ سے اس کو ترک نہ کریں۔ اسی پر عمل ہے اور یہی معمول بہ ہے۔ باقی تفصیل شروح میں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۷۴)

تراویح ختم قرآن کے سنت مؤکدہ ہونے پر بحث اور اس پر دلیل کی طلب:

سوال: کل ایک صاحب نے مراد آباد میں یہ روایت بیان کی کہ حضور والا نے ایک مسجد میں جس میں مولانا..... صاحب اور مولوی.... صاحب بھی تھے، یہ فرمایا کہ مجھے آثار صحابہ وتابعین وتبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے تراویح میں ختم قرآن شریف کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوا اور اس رمضان میں میں نے تراویح میں ختم قرآن شریف تمام نہیں پڑھوایا، اس کے بعد انہی راوی صاحب کا بیان ہے کہ......صاحب کی خدمت میں یہ روایت بیان کی گئی، اس پر ان صاحب نے فرمایا کہ اس صورت میں فتنۂ عظیم کا اندیشہ ہے، لوگ کہیں گے ان لوگوں کو ابھی مسائل کی بھی تحقیق نہیں ہوئی، کیا معلوم ہے کہیں نماز کے متعلق جدید تحقیق نہ ہونے لگے وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ ہے کہ مراد آباد سے یہ روایت سیوہارہ پہنچی اور مخالفین نے اعتراضات شروع کئے، چوں کہ صحیح واقعہ کا علم نہیں، اس وجہ سے اپنے علم کے موافق معترضین کو خدام نے جواب دیا، میں اس وقت اسی مسئلہ کی تحقیق میں کتابیں دیکھ رہا تھا، خوش قسمتی سے یہی مضمون حجت الاسلام سند المحدثین مولانا شاہ محمد عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کے فتاویٰ میں نظر سے گزرا، فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذلک۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ حضور والا کے ہم خیال سلف صالحین میں بھی موجود ہیں، اب اگر حضور کی جانب فتنہ کی نسبت کی جائے تو پہلے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی طرف نسبت ہوگی۔ (نعوذ باللہ تعالیٰ عن ذلک) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ ارقام (۱) فرماتے

(۱) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، مبحث التراويح: ۲/۴۹۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

ہیں: ''ونیز ختم قرآن رادریں نماز سنت می گویند ایں از کجا؟ نعم درحدیث آمدہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در ہر رمضان باجبرئیل علیہ السلام مدارست قرآن می کردودررمضان اخیر دوبارہ کرداز ینجاست ختم دررمضان ثابت می شود لیلا ونہارا خارج الصلوٰۃ'' الخ۔ (ص:۱۱۸ر ج:۱، مجموعہ فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی) امید کہ حضور والا صحیح واقعہ سے مطلع فرمائیں گے؟

الجواب

مجھ کواس معاملہ میں دوتردد تھے، ایک یہ کہ آیا ختم کا سنت مؤکدہ ہونا اصل مذہب ہے، یا صرف مشائخ کا قول ہے؟ مراجعت کتب فقہیہ سے یہ ثابت ہوا کہ یہ علماء احناف میں مختلف فیہ ہے، اکثر کا قول توتاً کدہی ہے، بعض کا قول عدم تاً کد بھی ہے اور منشاء اختلاف کا یہ سمجھ میں آیا کہ حسنؒ نے امام صاحب سے اس کی سنیت نقل کی ہے، **من غير تصريح بتأكده أو عدمه**، اکثر مشائخ نے اس کو سنت مؤکدہ سے مفسر کیا ہے اور بعض نے تاً کد کی دلیل نہ ملنے سے مطلق سنت پرمحمول کیا، **ولو مستحبا**، اسی واسطے بعض متون میں اس کی سنیت کو لیا ہے اور بعض میں مثل قدوری کے نہیں لیا، پھر قائلین بالتاً کد میں بھی متاخرین نے عذر کی حالت میں تاً کد کو ساقط کردیا، **ومنه كسل القوم أو نحوه**، خانقاہ میں گاہ گاہ ختم نہ ہونا اسی قول عدم تاً کد پر مبنی ہے، خواہ یہ عدم تاً کد اصل ہی سے ہو، خواہ کسی عذر سے ہو اور عذر ہر ایک کا جدا ہے۔

دوسرا تردد یہ تھا اور ہے کہ قائلین بالتاً کد کی دلیل کیا ہے؟ سو اسی کو میں متعدد علما سے استفسار کیا کرتا ہوں، جس سے مقصود تاً کد کی نفی نہیں؛ بلکہ اس پر طلب دلیل ہے، اگر اس پر بھی اعتراض ہے تو اس اعتراض کا حاصل تو یہ ہوا کہ جو امر معلوم نہ ہو، اس کو طلب نہ کرنا چاہیے تو اہل انصاف خود ہی غور کرلیں کہ آیا دین میں طلب علم مقصود ہے، یا بقاء علی الجہل۔

اشرف علی، ۲۴ر شوال ۱۳۴۳ھ (ترجیح:۵/۱۶۰) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۴۹۹-۵۰۱)

ایک ختم سے زیادہ پڑھنا تراویح میں کیسا ہے:

سوال: تراویح میں حافظ قرآن جو تین چار ختم پڑھتے ہیں، یہ کیسا ہے؟ سنت مؤکدہ صرف ایک ختم ہے، باقی کا کیا حکم ہوگا؟ نیز اگر ایک حافظ چند مساجد میں ختم پڑھے تو کیا حکم ہوگا اور دوسری مسجد والوں کو ثواب ختم کا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

درمختار میں ہے: ''**والختم مرةً سنةٌ ومرتين فضيلةٌ وثلاثاً أفضل، إلخ**''. (۲) اور دوسری مسجد میں بھی دوسرا ختم درست ہے اور دوسری مسجد والوں کو سنت ختم کا ثواب حاصل ہوگا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۷۴)

---

(۱) یہ سائل کی شدید غلطی ہے، جو عبارت وہ حضرت شاہ صاحب دہلوی قدس سرہ کی طرف منسوب کرکے نقل کررہا ہے، وہ حضرت شاہ صاحب کی عبارت نہیں ہے؛ بلکہ حضرت شاہ صاحب سے سوال کرنے والے سائل کی عبارت ہے۔ (دیکھئے فتاویٰ عزیزی:۱/۱۱۸ (مجتبائی) سعید احمد)

(۲) الدر المختار علی هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث في التراويح: ۱/۶٦۲، ظفير

تراویح میں دومرتبہ قرآن ختم کرنا:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۴/جنوری ۱۹۳۵ء)

سوال: جب حافظ رمضان میں کلام الٰہی تراویح میں ایک قوم کے سامنے ختم کرے، پھر دوسری قوم کے سامنے ختم کرنے سے اس دوسری قوم کا سنت ختم ادا ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب——————

ہاں اگر کوئی حافظ قرآن دس روز ایک جماعت کو تراویح میں قرآن مجید سناوے اور دس روز دوسری جماعت کو اور دس روز تیسری جماعت کو تو تینوں جماعتوں کو سنت ختم کا ثواب مل جائے گا۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴۱۰/۲-۴۱۱)

نماز تراویح میں آیۃ الکرسی کو مکرر پڑھنا کیسا ہے:

سوال: نماز تراویح میں آیۃ الکرسی کو مکرر پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟ اور اس سے نماز مکروہ ہوتی ہے، یا نہیں؟

الجواب—————— وباللّٰہ التوفیق

نماز مکروہ نہیں ہوتی۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱/۱/۵ ۱۳۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۱۶/۲)

کیا تراویح لمبی نہیں ہونی چاہیے:

سوال: ایک شخص جماعت تراویح میں یہ اعتراض کرتا ہے کہ لوگ دن بھر کے تھکے ماندے ہوتے ہیں؛ اس لیے امام کو اتنی لمبی رکعتیں نہ کرنی چاہیے تو امام کو کیا کرنا چاہیے؟

(۱) والختم مرة سنة ومرتين فضيلة وثلا ثاً أفضل ولايترک الختم لكسل القوم.(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۹۸/۱ ،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۲) فرائض میں ایک رکعت میں ایک سورت کا بار بار پڑھنا مکروہ ہے۔قاضی خاں کے بیان کے مطابق تطوع میں کوئی حرج نہیں،بعض فقہانے تکرار کے غیر مکروہ ہونے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ مصلی انفرادی نماز پڑھ رہا ہوتو حالت عذر ونسیان میں بہر حال تکرار مکروہ نہیں۔اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھئے: امداد الفتاوی: ۴۹۱/۱، ۴۹۲۔[مجاہد]

”ويكره تكرار السور فی ركعة واحدة فی الفرائض ولابأس بذلک فی التطوع،كذا فی فتاوی قاضی خان، وإذا كرر أية واحدة مرارًا فإن كان فی التطوع الذی يصلی وحده فذلک غيرمكروه وإن كان فی الصلاة المفروضة فهو مكروه فی حالة الاختيار وأما فی حالة العذر والنسيان فلا بأس،هكذا فی المحيط“.(الفتاویٰ الهندية،الفصل الثانی فيما يكره فی الصلاة وما لا يكره ۱۰۷/۱)

الجواب

امام کو قرأت ہلکی ہی کرنی چاہیے، البتہ ایک دفعہ ختم قرآن شریف تراویح میں ہوجانا سنت ہے۔ایک ایک پارہ روز ہوجایا کرے، اس سے کم نہ ہو۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۷۵)

تراویح میں قرآن کی مقدار:

سوال: نمازتراویح میں کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ کتنا قرآن سنا جاسکتا ہے؟ (عبداللہ یونس، چندرائن گٹہ)

الجواب

کم سے کم اتنا قرآن پڑھنا بہتر ہے کہ مہینہ بھر میں ایک قرآن مکمل ہوجائے، اس سے زیادہ قرآن کا پڑھنا مقتدیوں کی بشاشت پر موقوف ہے، مقتدی بشاشت اور نشاط کے ساتھ جتنا قرآن سن سکیں، اتنا ہی قرآن سنانا چاہیے، یوں جہاں تک نماز تراویح ادا ہوجانے کی بات ہے تو اس میں جو حکم اور نمازوں کا ہے، وہی حکم نماز تراویح کا بھی ہے؛ یعنی سورۂ فاتحہ کے بعد ہر رکعت میں کم سے کم تین چھوٹی آیتیں، یا تین چھوٹی آیت کے بقدر ایک بڑی آیت پڑھ لی جائے تو نماز تراویح ہوجائے گی۔
(کتاب الفتاویٰ:۲/۴۱۹)

تراویح قرأت کی مقدار:

سوال: تراویح میں کتنا قرآن پڑھنا چاہیے؟

الجواب

تراویح میں کم از کم ایک قرآن مجید ختم کرنا سنت ہے، لہذا اتنا پڑھا جائے کہ ۲۹/ رمضان کو قرآن کریم پورا ہوجائے۔(۲)
(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۱۹۰)

کسی شخص کی رعایت سے اس کے فوت شدہ قرآن کو تراویح میں لوٹانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امام کی نسبت کہ کسی خاص شخص کی رعایت سے قرآن شریف کی ترتیب

(۱) والختم مرة سنة ومرتين فضيلة وثلا ثاً أفضل و لايترک الختم لکسل القوم،لکن فی الاختيار:الأفضل فی زماننا قدرما لايثقل عليهم وأقرّه المصنف وغيره.(الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار،مبحث صلاة التراويح:۲/۴۹۵،انيس)

(۲) وصرح فی الهداية بأن أکثر المشائخ علیٰ أن السنة فيها الختم وفی مختارات النوازل أنه يقرأ فی کل رکعة عشر آيات وهو الصحيح؛لأن السنة فيها الختم لأن جميع عدد الرکعات فی جميع الشهرست مائة رکعة وجميع آيات القرآن ستة آلاف.(البحر الرائق:۲/۷۴)

(وأيضا)وحکی أن المشائخ رحمهم الله تعالیٰ جعلوا القرآن علیٰ خمس مائة وأربعين رکوعًا،وأعلموا ذلک فی المصاحف حتیٰ يحصل الختم فی ليلة السابع والعشرين،إلخ.(الفتاویٰ الهندية:۱/۱۱۸)

(أيضا)ولجمهور علیٰ أن السنة الختم مرة فلا يترک لکسل القوم ويختم فی ليلة السابع والعشرين لکثرة الأخبار أنها ليلة القدر،إلخ.(البحرالرائق:۲/۷۴)

پوری کرنی؛ یعنی اگر اس شخص کا رمضان شریف میں قرآن شریف سننا ترک ہوگیا ہو تو پھر اس کو دوسرے روز انہیں بیس رکعت میں پڑھنا اس حالت میں کہ مقتدیوں کو بار اور تکلیف اور وقت کی تنگی ہو اور امام اس شخص کی اکثر رعایت کرتا ہو، اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے، یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نماز تو اس کے پیچھے جائز ہے؛ مگر خود یہ فعل کہ ایک شخص کی رعایت کرے اور دوسروں کو گرانی ہو، مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر یہ شخص مفسد ہے کہ اس سے اندیشہ ضرر ہے تو مکروہ بھی نہیں۔

فی الدر المختار: وکره تحريمًا إطالة ركوع أو قراءة لادراک الجائي أي أن عرفه.

فی رد المحتار: إلا إذا كان داعرًا شريرًا. وفي ردالمحتار: وإن لم يعرفه فلابأس (إلیٰ قوله) لكن يطول مقدارما لم يثقل على القوم. (۵۱٦/۱)(۱)

سلخ جمادی الأولی ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ: ۳۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۸۹/۱)

تراویح میں قرآن سننے سے قرآن کا ثواب ملتا ہے، یا نہیں:

سوال: زید کہتا ہے کہ تراویح کے اندر دو چیزیں ہیں: اول قرأت جو فرض ہے، دوم سنت مؤکدہ۔ جب تراویح کے اندر قرآن شریف پڑھا گیا تو دونوں چیزوں میں سے صرف ایک چیز کا ثواب حاصل ہوا؛ یعنی اگر سنت مؤکدہ کا ثواب حاصل کیا تو قرأت کے ثواب سے محروم رہا، بعد نماز تراویح اسی وقت کسی سے قرآن پڑھوا کر سن لیا جائے؛ تاکہ دونوں کا ثواب حاصل ہو جائے۔ زید اسی قسم کے مسائل پر عمل کرنے کی تاکید کرتا ہے، آیا یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ قول اس کا غلط ہے۔ تراویح میں قرآن شریف پڑھنے سے قرآن شریف کا بھی ثواب تالی وسامعین کو ہوتا ہے اور جو شخص ایسے مسائل بیان کرتا ہے اور ان پر مصر ہے، وہ لائق امام بنانے کے نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۴۹/۴)

نماز تراویح میں قرآن مجید سننا کیسا ہے:

سوال: نماز تراویح میں اول سے آخر تک قرآن شریف کا سننا فرض ہے، یا واجب، یا سنت، یا مستحب؟

الجواب

نماز تراویح میں کلام اللہ شریف سننا سنت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۵)

تراویح میں قرآن مجید سنانا:

سوال: ہر حافظ قرآن کو ہر ماہ رمضان میں محراب میں سنانا سنت مؤکدہ ہے، یا نہیں؟ اور حافظ کو محراب میں

(۱) مطلب في إطالة الركوع للجائي: ۱۹۸/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

سنانے میں زیادہ ثواب ہے، یا نہیں؟

الجواب

تراویح میں قرآن سنانا اور سننا سنت ہے؛ مگر ہر حافظ پر مؤکد نہیں کہ سب پڑھا کریں، اگر کوئی جدا پڑھے، جب بھی درست ہے، اس کے ترک سے عتاب نہ ہوگا؛ مگر قرآن کو پڑھتے رہنا چاہیے۔ (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۲۵)

تراویح میں امام کی آواز نہ سن سکے، تب بھی پورا ثواب ملے گا:

سوال: تراویح میں زیادہ مخلوق ہونے کی وجہ سے اگر پیچھے والی صف قرآن نہ سن پائے تو کیا ثواب وہی ملے گا، جو سامع کو مل رہا ہے؟

الجواب

جی ہاں! ان کو بھی پورا ثواب ملے گا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۹۷/۴)

تراویح میں قرآن دیکھ کر پڑھنا صحیح نہیں:

سوال: کیا تراویح میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا جائز ہے؟

الجواب

تراویح میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا صحیح نہیں، اگر کسی نے ایسا کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۹۷/۴)

تراویح میں قرآن ہاتھ میں لے کر سننا غلط ہے:

سوال: میں نے قرآن پاک حفظ کیا ہے، اور ہر ماہ رمضان میں بطور تراویح سنانے کا اہتمام بھی کرتی ہوں، لیکن جو خاتون میرا قرآن سنتی ہے وہ حافظ نہیں ہے، اور قرآن ہاتھ میں لے کر سنتی ہے، یا پھر کسی نابالغ حافظ لڑکے کو بطور سامع مقرر کر کے نفلوں میں یہ اہتمام کیا جا سکتا ہے؟ ہر دو صورت میں جائز صورت کیا ہے؟

الجواب

ہاتھ میں قرآن لے کر سننا تو غلط ہے، (۲) اور عورت کے لئے کسی نابالغ حافظ کو سامع بنانا بھی جائز نہیں ہے۔ (۳)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۹۷/۴)

(۱-۲) ولو قرأ المصلی من المصحف فصلوٰته فاسدة، إلخ. (بدائع الصنائع: ۵۴۳/۱، دار الكتاب ديوبند، انيس)

(۳) ولا يصح إقتداء الرجل بالمرأة. و فی الشرح: أما غير البالغ فإن كان ذكرا تصح إمامته لمثله من ذكر وأنثى وخنثیٰ ويصح إقتداءه بلذكر مطلقا فقف وإن كان أنثیٰ تصح إمامتها لمثلها فقط وإن كان أنثیٰ تصح إمامتهالمثلها فقط. (ردالمحتار: ۵۷۷/۱، باب الإمامة)

شبینہ تراویح

شبینہ کا مسئلہ:

سوال: شبینہ؛ یعنی کلام اللہ شریف ایک شب میں تراویح میں پڑھنا ثابت ہے، یا نہیں؟ بالخصوص ایسی حالت میں کہ ادائے حروف بترتیل حتی کہ تصحیح الفاظ تک نہیں ہوتی اور مقتدیوں پر بار تطویل ور یا وشہرت علاوہ۔ لہذا ایسی صورت میں جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

قرآن شریف کا ایک رات میں ختم کرنا بصورت تصحیح الفاظ وغیرہ جائز ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک رات میں ختم کرنا ثابت ہے اور اگر قرآن ترتیل کے ساتھ نہیں پڑھا؛ مگر الفاظ صحیح پڑھے گئے تو اس طرح پڑھنے میں ثواب کم ہوگا اور باترتیل میں ثواب زائد اور ریا تو فرائض میں بھی ممنوع ہے، تراویح پر کیا موقوف ہے اور مقتدیوں کو اگر اس طرح پڑھنا دشوار ہوتا ہے تو نہ پڑھیں۔ فقط (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۵-۳۲۶)

شبینہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شب میں چند حفاظ کا قرآن شریف شبینہ ختم کرنا درست ہے، یا نہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

قرآن شریف کو ایسی جلدی پڑھنا کہ حروف سمجھ میں نہ آویں اور مخارج سے ادا نہ ہوں ناجائز ہے۔ (۱) پس اگر شبینہ میں ایسی جلدی ہوگی تو وہ بھی ناجائز ہے۔

کما فی الدر المختار: ویجتنب المنکرات هذرمة القراء ة، إلخ. (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲۵۶/۴)

---

(۱) ویکره الإسراع فی القراء ة وفی أداء الأرکان. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱۸/۱، انیس)

قال أنس بن مالک رضی اللّٰه عنه: رب تال للقرآن والقرآن یلعنه. (إحیاء علوم الدین، فی ذم تلاوة الغافلین: ۲۷٤/۱، دار المعرفة بیروت، انیس)

(۲) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، مبحث صلاة التراویح: ٦٦٣/۱، ظفیر

شبینہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال: یہاں کی جامع مسجد میں ہر سال ماہ رمضان شریف کی اٹھائیسویں اور انتیسویں شب ان دو راتوں میں شبینہ پڑھا جاتا ہے، بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں، شبینہ ایک ہی رات میں، یا تین راتوں میں ہونا چاہیے؟

(المستفتی: ۱۲۴۶، قاضی کمال الدین صاحب (کاٹھیاواڑ) ۷/رمضان ۱۳۵۵ھ، ۲۳/نومبر ۱۹۳۶ء)

الجواب ________________

شبینہ کوئی ثابت شدہ چیز نہیں ہے کہ مساجد میں جماعت کے ساتھ کیا جاتا ہو، اگر سننے والے اور پڑھنے والے شوق سے سنیں اور پڑھیں تو تین دن میں ختم کرنا بہتر ہے، دس دس پارے ہر روز پڑھے جائیں۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/۴۰۲)

شبینہ کا حکم:

سوال: اگر شبینہ یعنی ختم قرآن مجید نفلوں میں جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے تو جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ________________

اگر شبینہ یعنی ختم قرآن جماعت نفل کے ساتھ ہے تو یہ مکروہ ہے؛ یعنی ناجائز ہے؛ کیوں کہ نفل کی جماعت تداعی کے ساتھ مکروہ ہے اور مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے، جو قریب حرام کے ہے۔ پس ناجائز کہنا اس کو صحیح ہو گیا اور تفسیر تداعی کی یہ ہے کہ چار مقتدی ہوں اور تین میں اختلاف ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۸۴)

شبینہ کا حکم:

سوال (۱) ایک بلڈنگ ہے، جس میں مختلف کمروں میں بیک وقت نماز نفل میں قرآن پڑھا جا رہا ہے، مثلا ایک کمرہ میں پارہ نمبر: ۱، سے پارہ نمبر: ۱۰، تک، پھر دوسرے کمرے میں پارہ نمبر: ۱۱، سے پارہ نمبر: ۲۰، تک پھر تیسرے کمرہ میں پارہ نمبر: ۲۱، سے پارہ نمبر: ۳۰، تک پڑھا جا رہا ہے تو اس پر شبینہ کا اطلاق ہوگا، یا نہیں؟

(۲) شبینہ کی تعریف اور اس کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

---

(۱) ولا يختم فی أقل من ثلاثة أيام تعظيمًا له. (الفتاویٰ الهندية، الباب الرابع فی الصلاة والتسبيح: ۵/۳۱۷، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) ولا يصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان: أی يكره ذلک علىٰ سبيل التدعی بأن يقتدی أربعة بواحد، الخ. (الفتاویٰ الهندية، باب الوتر والنوافل بعد مبحث التراويح: ۱/۶۶۳، ظفير)

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

(۱) اگر امام اطمینان سے اخلاص کے ساتھ پڑھے اور مقتدی شوق کے ساتھ ثواب کے لیے سنیں تو ممنوع نہیں اور شبینہ متعارفہ میں یہ داخل نہیں۔(۱)

(۲) ایک شب، میں یک قرآن کریم ختم کرنے کو عرفاً شبینہ کہتے ہیں، بعض جگہ تراویح میں اور بعض جگہ نوافل میں پورا قرآن شریف ایک ہی رات میں ختم کیا جاتا ہے،(۲) پھر سامعین اکثر بیٹھے رہتے ہیں؛(۳) لیکن چائے وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے، کبھی کئی کئی حافظ ختم کرتے ہیں، پھر کہیں مقابلہ اور مناظرہ ہوتا ہے کہ ہماری مسجد میں اتنے حافظوں نے پڑھا، اتنی دیر میں ختم ہو،(۴) اتنے آدمیوں میں چائے اور مٹھائی تقسیم ہوئی وغیرہ وغیرہ۔(۵) یہ طریقہ سنت سے ثابت نہیں، اس سے پرہیز کیا جائے۔(۶) تنہا آدمی اپنے ذوق وشوق سے جس قدر چاہے پڑھے، ایک دو مقتدی اس کے ساتھ ہوں تو مضائقہ نہیں، نفل کی جماعت چار آدمیوں سے زائد نہ کی جائے۔(۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۶/۱۰/۱۳۹۴ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۳۷-۳۳۹)

---

(۱) عن أبي أمامة قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما أذن الله لعبد في شئ أفضل من ركعتين يصليهما، وإن البر ليذر على رأس العبد مادام في صلاته، وما تقرب العباد إلى الله عزوجل بمثل ماخرج منه"، قال أبوالنضر: يعني القرآن". (سنن الترمذي، أبواب فضائل القرآن، باب بلا ترجمة: ۱۱۹/۲، سعيد)

(۲) عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: لم يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث. (سنن الترمذي، أبواب فضائل القرآن، باب بلا ترجمة: ۱۱۹/۲، سعيد)

(۳) "ويكره للمقتدي أن يقعد في التراويح، فإذا أراد الإمام ان يركع، يقوم؛ لان فيه إظهار التكاسل والتشبه بالمنافقين". (الحلبي الكبير في النوافل، فروع، ص: ۴۱۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿فويل للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون، الذين هم يرآؤن﴾ (سورة الماعون: ۴-۶)

(۵) عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "طعام أول يوم حق، وطعام اليوم الثاني سنة، وطعام يوم الثالث سمعة، ومن سمع سمع الله به". (رواه الترمذي). (مشكوة الصابيح، باب الوليمة: ۲۷۹، قديمي)

(۶) عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهورد. (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۳۷۱/۱، قديمي)

"أي جدد وابتدع، وأظهر واخترع (في أمرنا هذا): أي في دين الإسلام ... قال القاضي: المعنى: من أحدث في الإسلام رأيا لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أوخفي، ملفوظ ومستنبط، فهومردود عليه، آه. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۳۶۵/۱-۳۶۶، رقم الحديث: ۱۴۰، رشيدية)

(۷) "وحكي عن شمس الأئمة السرخسي أن التطوع بالجماعة على سبيل التداعي مكروه، أمالو اقتدى واحد بواحد أوإثنان بواحد لايكره، وإن اقتدى ثلاثة بواحد، ذكر هو رحمه الله تعالىٰأن فيه اختلاف مشايخ، قال بعضهم: يكره، وقال بعضهم: لايكره وإذا اقتدى أربع بواحد، كره بلاخلاف". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، التراويح، نوع آخر في المتفرقات: ۶۷۰/۱، إدارة القرآن كراچي)

شبینہ کا حکم:

سوال: بہت سی جگہوں میں ایک رات میں پورا قرآن ختم کیا جاتا ہے، جس کو شبینہ سے تعبیر کرتے ہیں، اب یہ بتلایا جائے کہ کیا شبینہ درست ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

قرآن کریم اللہ رب العزت کی مقدس ترین کتاب ہے، جو ساری انسانیت کے لیے نسخۂ ہدایت ہے، قرآن کریم پڑھتے وقت اس میں تفکر وتدبر کی تعلیم امت کو ہے، نیز قرآن کریم تجوید کے ساتھ پڑھنا بھی لازم ہے، شبینہ میں حفاظ کرام تجوید کی رعایت نہیں کرپاتے ہیں؛ بلکہ بعض حافظ تو صحیح حروف بھی ادا نہیں کرپاتے ہیں اور کسی طرح اپنی مفوضہ مقدار پوری کرپاتے ہیں، جب کہ قرآن کریم جلدی جلدی پڑھنا جس سے تجوید کی رعایت اور حروف کی ادائیگی تک صحیح نہیں ہو شرعاً ممنوع ہے اور اس سے احتراز لازم ہے۔(۱) بعض جگہوں میں تو لاؤڈ اسپیکر پر قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں جس میں مزید کئی شرعی خرابیاں لازم آتی ہیں، نماز پڑھنے والوں کی نماز میں، سونے والوں کی نیند میں، اور اوراد ووظائف میں مشغول لوگوں کے اوراد میں خلل ہوتا ہے، جو شرعاً ممنوع ہے۔(۲) شبینہ ایک رسمی عمل بن کر رہ جاتا ہے، اس کی حیثیت عبادت کی نہیں رہتی، یہی وجہ ہے کہ علماء وفقہاء شبینہ کو مکروہ وممنوع قرار دیتے ہیں، اس سے احتراز کیا جائے اور اپنے انفرادی عمل میں پورے اخلاص وانہماک کے ساتھ مشغول رہا جائے یہ زیادہ مفید ہے، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۵/۹/۱۴۱۴ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۶۲-۴۶۳) ☆

(۱) ويجتنب المنكرات هذرمة القراءة، وترك تعوذ و تسمية وطمأنية، واستراحة (الدر المختار)، (قوله هذرمة) بفتح الهاء وسكون الذال المعجمة وفتح الراء: سرعة الكلام والقراءة. (ردالمحتار: ۲/۴۹۹)

(۲) لا يقرأ جهرًا عند المشتغلين بالأعمال" (الفتاوى الهندية: ۵/۳۱۶)

☆ شبینہ:

سوال: ختم قرآن نمودن شریعت بیک شب کہ درعرف بہ ختم شبینہ شہرت دارد چیست؟ (خلاصۂ سوال: ایک رات میں قرآن ختم کرنا جو عرف میں شبینہ کے نام سے مشہور ہے، کیسا ہے؟)

الجواب ـــــــــــــــــــ

دردرمختار ودرردالمحتار گفتہ: ويجتنب المنكرات هذرمة القراءة. (الدر المختار) (قوله هذرمة): بفتح الهاء وسكون الذال وفتح الراء سرعة الكلام والقراءة، قاموس. (ردالمحتار: ۱/۶۳۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة: ۲/۴۹۹، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

ازیں عبارت معلوم شود کہ اگر در شبینہ سرعت قراءت بحد ہذرمہ باشد مکروہ است کہ ہذرمہ قراءۃ را از منکرات شمردہ اند۔ فقط (خلاصۂ جواب: درمختار وشامی میں ہے کہ تلاوت قرآن میں منکرات اور ہذرمہ یعنی تیز پڑھنے سے بچے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر شبینہ میں تیز قرأت ہذرمہ کی حد تک ہو تو مکروہ ہے کہ فقہا نے تیز پڑھنے کو منکرات میں شمار کیا ہے۔) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۹۸-۲۹۹)

مروجہ شبینہ کا حکم:

سوال: ایک زمانہ میں ایک شب میں چند آدمی مل کر قرآن شریف ختم کرتے ہیں، جس کا نام شبینہ رکھا ہے اور اس میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ آیا یہ فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے، یا کسی صحابی نے، یا کسی امام نے کیا ہے، یا نہیں؟ اور ایک شب میں قرآن شریف ختم کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۲۵۱، عبد الجبار (دہلی) ۲۴ر رمضان ۱۳۵۵ھ، ۹ر دسمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب ــــــــــــــــــــ

ایک رات میں قرآن شریف ختم کرنا اس شخص کے لیے جائز ہے، جو خود اپنے ذوق وشوق سے پڑھے اور اس کے دل میں اول سے آخر تک کوئی وسوسہ بے رغبتی کا نہ آوے؛ لیکن شبینہ کا یہ رواج جو عام طور پر مساجد میں کیا جاتا ہے، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں تھا، نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں، نہ مجتہدین سلف سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے عام طور پر جماعت کے ساتھ ایک رات میں قرآن مجید ختم کرنے کا امر فرمایا ہو، یا خود شبینہ کیا ہو اور تجربہ شاہد ہے کہ ان شبینوں میں بہت سے مکروہات ومحرمات کا ارتکاب ہوتا ہے۔(۱) ان وجوہ کی بنا پر شبینہ مروجہ کوئی اچھی اور ثواب کی بات نہیں ہے؛ بلکہ بسا اوقات کرنے والے مواخذہ دار ہی ہوجاتے ہیں۔ واللہ الموفق

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۴۰۲-۴۰۳)

شبینہ مروجہ:

سوال (۱) شبینہ مروجہ میں پورا قرآن شریف تراویح میں پڑھنا اور مصلیان کا کھانا حفاظ شبینہ پڑھنے والوں کے لیے لانا، حفاظ کا کھانا جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) رمضان شریف میں ختم قرآن شریف پر شیرینی تقسیم کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ باوجودیکہ مستورات اور بچوں اور مردوں کا ہجوم وہنگامہ اور شور وشغب ہوتا ہے اور بجائے ایک حصہ کے بعض شوخ چشمی سے دوسرا حصہ لینے سے بھی اجتناب نہیں کرتے اور مٹھائی تقسیم نہ کرنے پر مصلیان مسجد مورد ملامت ہوں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

نفس ختم قرآن شریف خصوصا نماز میں موجب اجر اور موجب سعادت وبرکت ہے،(۲) بشرطیکہ التزام مالا یلزم

(۱) ویجتنب المنکرات هذرمة القراء ة، إلخ. (الدر المختار، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۷، ط: سعيد)

(۲) عن أبی أمامة رضی الله تعالٰی عنه قال: قال النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم: ما أذن الله لعبد فی شئ أفضل من ركعتين يصليهما، و إن البر ليذر علٰی رأس العبد ما دام فی صلا ته، وما تقرب العباد إلى الله عزوجل بمثل ما خرج منه. قال أبو النضر: يعنی القرآن. (سنن الترمذی، أبواب فضائل القرآن، باب: ۲/۱۱۹، سعيد)==

اورعوارض محظورہ سے خالی ہو،شبینہ مروجہ میں چندعوارض ایسے ہیں، جوکہ مثل لازم غیرمنفک کے ہیں:

(اوّلاً) عام طور پرریااورفخر کے لیے شبینہ کیا جاتا ہے،اخلاص نہیں ہوتا،چناں چہ اہل محلّہ اورحفاظ دوسرے اہل محلّہ وحفاظ کے مقابلہ میں کہتے ہیں کہ ہماری مسجد میں صرف اتنی دیر میں ختم ہوا۔

ریا کی ممانعت قرآن کریم وحدیث شریف سے ثابت ہے،(۱)خصوصاً نماز میں ریا کے متعلق وارد ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَاؤُنَ﴾(الآية)(۲)

(ترجمہ:سوایسےنمازیوں کے لیے بڑی خرابی ہے جواپنی نمازکوبھلابیٹھتے ہیں،جوایسے ہیں کہ ریاکاری کرتے ہیں۔)(بیان القرآن)

(ثانیاً) نمازی خوداتنی طویل نماز کے شوقین نہیں،چناں چہ تنہائی میں کبھی اتنی طویل نماز نہ مقتدی پڑھتے ہیں،نہ امام اورسستی وکسل کی حالت میں شبینہ کی شرکت کرتے ہیں؛ بلکہ اکثر بیٹھے،یا لیٹے رہتے ہیں،جب رکوع کا وقت آتا ہےتو جلدی سے کھڑے ہوکر،بعض بیٹھے ہی بیٹھے نیت باندھ کرشریک ہوجاتے ہیں۔

قال اللّٰه تعالیٰ:﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى يُرَاؤُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾(۳)

== "والختم مرة سنة ومرتين فضيلة وثلاثاً أفضل".(الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

وفی ردالمحتار: (قوله : و الختم مرة سنة): أی قراء ة الختم فی صلاة التراويح سنة.(باب الوتر والنوافل: ۴۹۷/۲،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۱) عن أبی سعيد الخدری رضی اللّٰه تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم قال:"من يسمع يسمع اللّٰه به،ومن يرآء يرآء اللّٰه به".(سنن ابن ماجة،كتاب الزهد،باب الرياء والسمعة،ص: ۳۱۰،قديمی)

(۲) سورة الماعون: ۴

﴿فويل للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون﴾قال ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما وغيره:يعنی المنافقون الذين يصلون فی العلانية ولايصلون فی السر،ولهٰذا قال:(للمصلين)الذين هم من أهل الصلاة وقدالتزموا بها،ثم عنها ساهون... (عن صلاتهم ساهون) ولم يقل: فی صلاتهم ساهون،وإما عن وقتها الأول فيؤخرونها إلیٰ أخره دائمًا أوغالبًا،وإما عن أدائها بأركانها و شروطها علی الوجه المأموربه،وإما عن الخشوع فيها والتدبر لمعانيها...(الذين هم يراؤن)عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما عن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم قال:"إن فی جهنم لواديا، تستعيذ جهنم من ذلک الوادی فی كل يوم أربع مائة مرة، أعد ذلک للمرائين من أمة محمد لحامل كتاب اللّٰه وللمتصدق فی غيرذات اللّٰه، وللحاج إلیٰ بيت اللّٰه وللخارج فی سبيل اللّٰه".(تفسير ابن كثير،سورة الماعون: ۵۵۸/۴،مكتبة الدار المصر للبنانية ،انيس)

اعلم أن إخلاص العبادة للّٰه تعالیٰ واجب والرياء فيها-وهو أن يريد بها غير وجه اللّٰه تعالیٰ حرام بالإجماع للنصوص القطعية،وقد سمیٰ عليه السلام الرياء:الشرک الأصغر"...لوصلیٰ رياء فلا أجرله ،وعليه الوزر". (رد المحتار،كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع: ۴۲۵/۶،سعيد)

(۳) سورة النساء: ۱۴۲،انيس ==

(ترجمہ: اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں، صرف آدمیوں کو دکھلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے، مگر بہت مختصر۔) (بیان القرآن)

(ثالثاً) حفاظ اتنا تیز پڑھتے ہیں کہ تدبر تو بجائے خود الفاظ تک صاف سمجھ میں نہیں آتے؛ بلکہ پورے الفاظ ادا بھی نہیں ہوتے۔ حدیث شریف میں "هذًّا كهذّ الشعر" کی ممانعت آئی ہے۔(۱)

(رابعاً) روشنی اور دیگر تکلفات ایسے کئے جاتے ہیں، جو کہ حد اسراف میں داخل ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے، لقوله تعالىٰ: ﴿وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾.(۲)

(ترجمہ: اور حد سے مت نکلو، بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکلنے والوں کو۔) (بیان القرآن)

(خامساً) حفاظ کے لیے نقد، یا مٹھائی اور کچھ خورد ونوش کا اہتمام کیا جاتا ہے، جو کہ صورۃً اور حقیقۃً بھی تلاوت کی اجرت ہے اور ممنوع ہے۔ عینی شرح ہدایہ میں ہے:

"الآخذ والمعطى آثمان، آه".(۳)

(سادساً) مردوں اور بچوں کا ہجوم ہوکر شور شغب ہوتا ہے اور یہ شور وشغب احترام مسجد کے خلاف ہے،(۴) اور ساتھ ساتھ اگر عورتیں بھی آئیں، پھر تو اللہ کی پناہ مفاسد کی کچھ حد نہیں رہے گی۔

المرأة عورة إذا خرجت من بيتها، استشرفها الشيطان". (الحديث)(۵)

== وقال تعالىٰ: ﴿ولا يأتون الصلاة إلا وهم كسالىٰ، ولاينفقون إلا وهم كارهون﴾ (سورة التوبة: ٥٤، انيس)

(۱) عن شقيق قال: جاء رجل من بنى بجيلة يقال له: نهيک بن سنان إلىٰ عبد الله، فقال: إنى أقرأ المفصل فى ركعة، فقال عبد الله: هَذًّا كهَذِّ الشعر، لقد علمت النظائر التى كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقرأ بهن سورتين فى ركعة. (صحيح لمسلم، باب ترتيل القرآن واجتناب الهذ، الخ: ۲۷۳/۱، قديمى)

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لم يفقه من قرأ القرآن فى أقل من ثلاث" (سنن ابن ماجة، باب ما جاء فى قيام شهر رمضان، ص: ۹٦، قديمى كتب خانة)

اس حدیث کے تحت علامہ شاہ عبد الغنی رحمہ اللہ تعالیٰ حاشيه انجاح الحاجة على ابن ماجة میں علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں:

"قال الطيبى: أى لم يفهم ظاهر معانيه ... قال الشيخ: ظاهره المنع من ختم القرآن فى أقل من هٰذه المدة ... والمختار أنه يكره التأخير فى الختمة أكثر من أربعين يومًا وكذا التعجيل من ثلاثة أيام، إلخ". (ص: ۹٦، قديمى)

(۲) سورة الأعراف: ۳۱، انيس

(۳) ردالمحتار: ٥٦/۱، سعيد

(۴) ردالمحتار: ٦٦۲/۱، سعيد

(۵) جامع الترمذى، قبيل أبواب الطلاق، باب ما جاء فى كراهية أن تسافر المرأة وحدها: ۲۲۲/۱، سعيد ==

اور پھر کبھی عورتوں کے ساتھ چھوٹے بچے بھی ہوتے ہیں، جو کہ اکثر پیشاب کر کے مسجد کو ملوث کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں بچوں سے خاص طور سے مسجد کو محفوظ رکھنے کا امر آیا ہے: "**جنبوا مساجدکم صبیانکم**".(۱)

(سابعاً) اس سلسلہ میں عامۂ محلّہ سے چندہ وصول کیا جاتا ہے، جن میں بعض غریب اور نادار ہوتے ہیں، وہ یا چندہ بالکل نہیں دینا چاہتے، یا کم دینا چاہتے ہیں؛ مگر شبینہ اور ختم کے کارکن کبھی شرم و غیرت دلا کر کبھی ناجائز دباؤ ڈال کر ان سے زائد وصول کرتے ہیں: "**لایحل مال امرأ مسلم إلا بطیب نفس منه**".(۲)

(ثامناً) مٹھائی زیادہ تر فخر وریا کے لئے تقسیم کی جاتی ہے اور فخر وریا کے کھانے کی ممانعت بھی احادیث میں آئی ہے۔(۳)

(تاسعاً) جو شخص چندہ نہ دے اس پر طعن کیا جاتا ہے، اس کے لیے القاب بخیل وغیرہ تجویز کئے جاتے ہیں۔

قال اللّٰه تعالٰی: ﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾(الآیۃ)(۴)

"**سباب المسلم فسوق**".(الحدیث)(۵)

(عاشراً) ایسے لوگوں کے پیچھے غیبت کی جاتی ہے اور مجامع میں ذلیل کیا جاتا ہے۔(ارشاد الٰہی ہے): **﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾**(الآیۃ)(۶)

اس کے علاوہ بعض جگہ لڑائی اور سخت کلامی کی نوبت آئی ہے اور دوسرے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ عامۂ شبینہ اور ختم مروجہ میں یہ تمام مفاسد، یا اکثر موجود ہوتے ہیں؛ اس لیے اس کو روکنا ہی حکم شرعی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۹/۱۳۶۴ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ ۱۸/رمضان ۱۳۶۴ھ۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/رمضان ۱۳۶۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۲۶/۷-۳۳۰)

== وقال العلامة المناوی: قال الطیبی ... والمعنی المتبادر أنها مادامت فی خدرها، لم یطمع الشیطان فیها وفی أغواء الناس، فإذا خرجت طمع وأطمع؛ لأنها حبائله، وأعظم فخوره". (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۶۱۱۵/۱۲-۶۱۱۶، مکتبه نزار مصطفی الباز ریاض)

(۱) سنن ابن ماجة فی کتاب المساجد والجماعات، باب ما یکره فی المساجد: ۵٤، قدیمی

(۲) مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، ص: ۲۵۵، قدیمی

(۳) عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: المتباریان لا یجابان، ولا یؤکل طعامهما" قال الإمام أحمد: یعنی المتعارضین بالضیافة فخرًا وریاء". {رواه البیهقی فی شعب الإیمان}(مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب الولیمة، الفصل الثالث، ص: ۲۷۹، قدیمی)

(۴) سورة الحجرات: ۱۱، انیس

(۵) رواه الطبرانی فی الکبیر: ۱۰۳۱۶/۱۰، والبخاری فی کتاب الایمان، باب خوف المؤمن أن یحبط عمله وهو لایشعر: ۱۲/۱، قدیمی

(۶) سورة الحجرات: ۱۲، انیس

شبینہ کا حکم، جائز شبینہ کس طرح ہوسکتا ہے:

سوال (۱) آج کل جو رمضان شریف میں شبینہ ہوتے ہیں، اکثر حفاظ نوافل میں پڑھتے ہیں اور بعض نابالغ بچوں سے پڑھواتے ہیں، جب کہ مقتدی بالغ ہوتے ہیں اور لاؤڈ اسپیکر بھی استعمال ہوتا ہے، جس سے اہل محلّہ کی نیندیں اڑ جاتی ہیں، نیز سننے والے چند اشخاص ہوتے ہیں، اکثر چائے پانی میں مشغول ہوتے ہیں اور شور وشغب کا بازار گرم رہتا ہے، نیز ان شبینوں کی سرپرستی علماء کو بھی کرتے دیکھا ہے، کیا مروجہ شبینہ جائز ہے؟

(۲) شبینہ کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

(۳) کیا جہری نماز میں لاؤڈ اسپیکر پر پڑھنا زیادہ ثواب ہے، جب کہ آواز دور دور تک جاتی ہے؟

الجواب ______________

(۱) جس قسم کے شبینے کا آپ نے ذکر فرمایا ہے، وہ بلاشبہ مکروہ تحریمی ہے اور اس میں ثواب کے بجائے الٹا گناہ ہے، اول تو نوافل کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔(۱) پھر نابالغ کی اقتدا،(۲) بلاضرورت لاؤڈ اسپیکر کا استعمال اور شور وشغف کے ذریعے قرآن کریم کی بے ادبی، یہ سب امور منکرات ہیں اور ان سے پرہیز لازم ہے۔

(۲) جائز شبینہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ تراویح کی جماعت رات بھر جاری رہے، اس میں امام بالغ اور متشرع ہوں، تین دن سے کم میں قرآن کریم ختم نہ کیا جائے، تمام لوگ ذوق وشوق اور خشوع خضوع کے ساتھ قرآن کریم سنتے ہوں، زائد روشنی اور چراغاں سے پرہیز کیا جائے، بلاضرورت لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نہ ہو اور نام ونمود سے کلی اجتناب کیا جائے۔ واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عنہ، ۹/۹/۱۳۹۷ھ۔ (فتویٰ نمبر: ۹۲۲/۲۸، ج) (فتاویٰ عثمانی: ۱/۵۰۸-۵۰۹)

لاؤڈ اسپیکر پر شبینہ:

سوال: ہندوستان کے بعض علاقوں میں قرآن کریم نماز نفل باجماعت میں ایک ہی شب میں ختم کرلیا جاتا ہے؛ لیکن ہمارے صوبہ کے باشعور اہل علم حضرات ختم قرآن شریف کے لیے جلسہ وعظ کی طرح مجالس قائم کرنے لگے ہیں؛

---

(۱) ولا يصلى الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أى يكره ذلك على سبيل التداعى بأن يقتدى أربعة بواحد. (رد المحتار، قبيل باب ادراك الفريضة: ۲/۵۰۰، انيس)

وكذا فى غنية المستملى، ص: ۴۳۲، طبع سهيل أكيدمى لاهور)

واعلم أن النفل بالجماعة على سبيل التداعى مكروه على ما تقدم ما عدا التراويح. (ردالمحتار: ۲/۳۲۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) وفى الدرالمختار: ۱/۵۷۷-۵۸۷: "ولا يصح اقتداء رجل بامراة وخشى وصبى مطلقا ولو فى جنازة ونفل على الأصح".
وفى الشامية تحته: "والمختار انه لايجوز فى الصلوات كلها"، الخ.

تا کہ لوگوں میں حفظ قرآن کا جذبہ پیدا ہو اور حفاظ کی یاداشت بھی پختہ ہو جائے۔ ختم قرآن کی ان مجالس میں عوام الناس بھی مدعو ہوتے ہیں، بسا اوقات لاؤڈ اسپیکر بھی استعمال ہوتا ہے اور چند حفاظ یکے بعد دیگرے کئی کئی پارے ترتیب عثمانی کے مطابق تلاوت کر کے قرآن حکیم ختم کرتے ہیں۔

(۱) اس تمہید کے بعد سوال یہ ہے کہ ایک ہی جلسہ میں لاؤڈ اسپیکر زپر پورا قرآن مجید تلاوت کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) تلاوت قرآن کی آواز جن جن لوگوں کو سنائی دے رہی ہے، ان سب پر سماع قرآن فرض ہے، یا صرف حاضرین مجلس کا سننا کافی ہے؟

(۳) لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے تلاوت کی یہ آواز قضائے حاجت کرنے والوں نیز کفار کے کانوں میں پڑتی ہے، کیا اس سے قرآن مجید کی بے حرمتی نہیں ہوتی؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

قرآن پاک کی تلاوت اور اس کا استماع افضل القربات ہے۔ ملائکہ (علیہم السلام) تک سننے کے لیے آتے ہیں،(۱) اللہ پاک کی بے شمار رحمتیں نازل ہوتی ہیں، حفظ قرآن پاک کا جذبہ اور اس کے پختہ ہونے کا داعیہ بلاشبہ مبارک جذبہ اور مبارک داعیہ ہے۔ ایسی پاکیزہ مجالس کی برکت سے بہت سی واہیات، خرافات اور ممنوعات سے حفاظت بھی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود آواز تلاوت کی طرف اپنی اعلیٰ شان کے مناسب توجہ فرماتے ہیں اور جب سکون واطمینان سے ادائے حقوق کے ساتھ تلاوت ہو اور سامعین ادب وشوق سے حاضر ہو کر سنیں، کسی کو گرانی اور بار نہ ہو تو بظاہر ختم میں بھی مضائقہ نہیں۔ حدیث شریف میں تین روز سے کم میں ختم کرنے کو جو منع فرمایا گیا ہے، اس کا بھی منشا یہی ہے کہ عموما ایسی حالت میں حق تلاوت ادا نہیں ہوتا ہے؛(۲) بلکہ بلا غور تدبر کے جلدی جلدی گرانی اور ناگواری کے ساتھ ختم کیا جاتا ہے۔ عامۃ تراویح میں جن حالات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔(۳)

ان محاسن کے باوجود جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ

---

(۱) عن أبى سعيد الخدرى رضى الله عنه أن أسيد بن حضير قال: بينما هو يقرأ من الليل سورة البقرة: وفرسه مربوطة عنده إذ جالت الفرس فسكت ... فانصرفت إليه ورفعت رأسى إلى السماء، فإذا مثل الظلة ... قال: "وتدرى ما ذاك"؟ قال: لا، قال: "تلك الملائكة، دنت لصوتك". الحديث. (مشكوة المصابيح، فضائل القرآن، ص: ١٨٤، قديمى)

(۲) عن عبد الله عمرو رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "لم يفقه من قرأ القرآن فى أقل من ثلاث". هٰذا حديث حسن صحيح (سنن الترمذى، أبواب القراء ات: ١٢٣/٢، سعيد)

(۳) ويجتنب المنكرات هذرمة القراء ة، وترك تعوذ وتسمية وطمانينة وتسبيح و استراحة. (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ٤٩٩/٢، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

تعالیٰ عنہم کی مجلس مبارکہ کو تتبع کر کے دیکھا جاتا ہے تو وہاں ایسی مجالس کا کہیں پتہ نہیں ملتا کہ ایک مجلس میں جمع کر کے ختم کیا گیا ہو، کسی ایک نے ختم کیا ہو، یا نمبر وار چند حضرات نے ایک مجلس میں ختم کیا ہو۔ قرآن کریم کے ساتھ ان حضرات کے شغف کا تو یہ حال تھا کہ بعض صحابہ کرام سے وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن شریف ختم کرنا بھی منقول ہے،(۱) اور بعض اکابر سے ایک ایک دن میں کئی کئی قرآن پاک ختم کرنا بھی منقول ہے؛ مگر یہ سب تنہائی میں پڑھنا منقول ہے مجلس جمع کر کے نہیں۔(۲)

جو شوق و شغب ان حضرات کو تھا، اس کا ہزارواں حصہ بھی آج کسی کو نصیب نہیں، ان حضرات کے اتباع ہی میں برکت ہے، اتباع کو چھوڑ کر اپنی طرف سے نئی صورتیں پیدا کرنے میں خیر و برکت نہیں ل؛ بلکہ مفاسد ہیں، ہوسکتا ہے کہ پہلی دوسری مجلس میں کوئی مفسد نہ ہو؛ مگر جب اس کا شیوع ہوگا تو اس میں قرّا وحفاظ کا تقابل وتفاخر بھی ہوگا، سامعین ایک دوسرے پر دادِ فضیلت دیں گے اور دوسرے کی تقبیح بھی کی جائے گی، پھر ہوسکتا ہے کہ کوئی انعام دینے کی نوبت بھی آجائے اور حاضرین کے لیے طعام ودعوت کا بھی انتظام ہو۔ غرض! اخلاص ورضائے خداوندی کا بہت کم حصہ باقی رہ جائے گا، اس کے علاوہ بھی مفاسد کثیرہ کا مظنہ ہے۔

نیز اگر لاؤڈ اسپیکر کا انتظام غائبین کے لیے ہے تو وہ بے چارے کچھ اپنی نماز، تلاوت، وظیفہ میں مشغول ہوں گے؛ مگر اس آواز کی وجہ سے اپنی یہ چیزیں پوری نہیں کرسکیں گے اور ان پر یہ پابندی عائد کرنا کہ وہ اپنی سب طاعات کو چھوڑ کر اس کے سننے کی طرف متوجہ رہیں، یہ بھی زیادتی ہے۔ کچھ لوگ سوتے ہوں گے، یا اپنے دینی کاموں میں مشغول ہوں گے، ان کو پابند کرنا بھی مشکل ہے۔(۳)

غرض! ایسی صورت اختیار نہ کی جائے، جو سلف صالحین کے خلاف ہو۔ امید ہے کہ جداگانہ نمبروار جواب کی ضرورت اب نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۴/۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۳۱-۳۳۳)

---

(۱) روی عن عثمان بن عفان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ أنہ کان یقرأ القرآن فی رکعة یوتربھا. (سنن الترمذی، أبواب القرآت: ۲/۱۲۳، سعید)

(۲) عن أبی حنیفة رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: أنہ کان یختم فی شھر رمضان إحدیٰ وستین ختمة: ثلثین فی اللیالی، وثلثین فی الأیام، وواحد فی التراویح". (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، تنبیہ: ۴۰۷، سھیل اکیڈمی لاھور)

(۳) قال العلامة الحلبی: یجب علی القاری احترامہ بأن لایقرأ فی الأسواق و مواضع الاشتغال، فإذا قرأ فیھما، کان ھو المضیع لحرمتہ، فیکون الإثم علیہ دون أھل الاشتغال دفعًا للحرج،... و الجھر بالقرآن أفضل ما لم یکن عند مشغولین مالم یخالطہ ریاء". (الحلبی الکبیر، تتمات فیما یکرہ من القرآن فی الصلاة ومالایکرہ: ۴۹۷، سھیل اکیڈمی، لاھور)

ایک شبی اور سہ شبی شبینہ:

سوال: مسجد میں آخری عشرہ میں ایک شبی شبینہ اور کبھی سہ شبی شبینہ کیا جاتا ہے اور اکثر مساجد میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے؛ کیا یہ عمل دور رسالت مآب اوخلافت راشدہ میں رائج تھا؟

(س، ج، سنتوش نگر، محمد منظور احمد شریف، ملک پیٹ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

چوں کہ نماز میں قرآن مجید پڑھنے کی کوئی قطعی حد مقرر نہیں ہے؛ اس لیے اگر اس طرح نماز پڑھائی جائے تو نماز ہو جائے گی؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں ایک شب، یا تین شب میں پورے قرآن مجید کی تکمیل کا اہتمام نہ تھا؛ بلکہ غالبا ثبوت بھی نہیں۔ عام طور پر فقہا نے پورے ماہ میں ایک ختم مسنون قرار دیا ہے، فقہاء حنفیہ میں صدر الشہید بہت اعلیٰ درجہ کے فقیہ ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ ہر رکعت میں دس آیات پڑھنی چاہیے۔ (۱) بعض حضرات نے دو ختم کو افضل قرار دیا ہے، (۲) ایک اور دو ختم کی بات اس لیے بھی قرین قیاس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیل ں کے درمیان جو مذاکرۂ قرآنی ہوا کرتا تھا، وہ پورے رمضان میں ایک ختم قرآن پر مشتمل ہوتا تھا اور جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اس سال کے مذاکرہ میں دو دفعہ قرآن ختم ہوا اور تراویح میں اس سنت کی پیروی کا پہلو بھی ملحوظ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں تین ختم تک اجازت دی گئی ہے؛ لیکن یہ بھی نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ ہر رکعت میں دس آیتیں پڑھا کرتے تھے۔ نیز یہ لکھا ہے کہ اتنا قرآن نہ پڑھا جائے کہ لوگ جماعت سے بھاگنے لگیں۔ (۳)

آج کل جو شبینے منعقد کئے جاتے ہیں، اس میں قرآن اتنا تیز پڑھا جاتا ہے کہ تجوید کا لحاظ نہیں ہو پاتا؛ بلکہ اکثر اوقات تو الفاظ بھی سمجھ میں نہیں آتے، کچھ لوگ رکوع کا انتظار کر کے جماعت میں شریک ہوتے ہیں اور جو لوگ شروع سے شامل ہو کر پڑھتے ہیں، وہ بھی تکان کی وجہ سے کسل مندی سے دو چار ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ چند دنوں میں قرآن ختم کر کے باقی دنوں میں تراویح ہی کو خیر آباد کہہ دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں کراہت سے خالی نہیں اور ایسی صورتوں میں قرآن کی بے احترامی اور بے تکریمی کا اندیشہ ہے؛ اس لیے ایسا غلو مناسب نظر نہیں آتا۔ ہاں اگر کسی شخص میں حوصلہ و ہمت ہو، وہ خود تنہا اس طرح نماز پڑھ لے تو شاید مضائقہ نہ ہو۔ واللہ اعلم (کتاب الفتاویٰ: ۲/ ۴۰۶-۴۰۸)

(۱-۲) خلاصة الفتاوی: ١/ ٦٤

(۳) السنة فی التراویح إنما هو الختم مرة فلا یترک لکسل القوم ... والختم مرتین فضیلة والختم ثلاث مرات أفضل. (الفتاوی الهندیة: ١/ ١١٧، انیس)

شبینہ کے جواز کی شرائط:

سوال: مساجد میں رمضان المبارک میں شبینہ ہوتا ہے، بعض ناجائز کہتے ہیں، بعض جائز۔شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟ شبینہ کے جواز کی شرائط براہ کرم بتادیں؟

الجواب

شبینہ تراویح میں ہو نفلوں میں نہ ہو، فضول خرچی، شور وشغب اور نام ونمود سے احتراز کیا جائے اور اس کی فرائض وواجبات کی طرح پابندی نہ کی جائے تو جائز ہے اور ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو ناجائز ہے۔(۱) واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عنہ، ۲۷/۹/۱۳۹۸ھ۔(فتویٰ نمبر ۲۰۰۱/۲۹، ج) (فتاویٰ عثمانی: ۵۰۹/۱)

معروف شبینہ کے متعلق دو مختلف فتووں کے درمیان فیصلہ ومحاکمہ:

حامداً ومصلیاً، دونوں فتوے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ درحقیقت دونوں میں اختلاف لفظی ہے، کیوں کہ حکم جواز کا متعلق نفس عمل کے بشرط خلو من المفاسد کے ہے اور حکم منع کا درصورت لزوم واقتران مفاسد کے ہے اور دونوں حکم صحیح ہیں اور حکم واقعی نہایت ظاہر ہے کہ اگر مفاسد نہ ہوں تو جائز ہے اور اگر مفاسد ہوں تو جائز نہیں۔اب صرف یہ امر باقی رہ گیا کہ آیا اس وقت مفاسد غالب ہیں، یا نہیں؟ سو یہ امر متعلق ہے مشاہدہ کے اور بنظر انصاف مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ مفاسد غالب ہیں، مثلاً اگر تراویح کے بعد یہ عمل ہو تو نفل کی جماعت مجمع کثیر کے ساتھ ہونا جو کہ مکروہ ہے اور اگر تراویح میں ہو تو امام کو جو تخفیف صلوٰۃ کا حکم ہے، اس کی مخالفت لازم آنا اور قرأت کا ترتیل وتجوید کو جلدی کی وجہ سے ترک کرنا اور اکثر فخر ونمود کا قصد ہونا اور کہیں عوض مالی کی امید ہونا اور سامعین کا اکثر استماع قرآن کے آداب کو ضائع کرنا ومثل ذلک ممایطول ذکرہ اور قاعدہ فقہیہ ہے کہ جس امر جائز؛ بلکہ مندوب میں جو کہ شرعاً اہتمام کے ساتھ مطلوب نہ ہو، مفاسد کا غلبہ ہو، اس کو ترک کردیا جاتا ہے، خواہ وہ مفاسد فاعلین کے اعتبار سے ہوں، یا دوسرے عوام ناظرین کے اعتبار سے ہوں؛ اس لیے اس زمانہ میں اس عمل کا ترک کرنا مناسب ہے؛ بلکہ کہیں کہیں واجب ہے۔روایات ذیل اس تقریر کی مؤید ہیں:

---

(۱) فی ردالمحتار: ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أی یکره ذلک لوعلیٰ سبیل التداعی بأن یقتدیٰ أربعة بواحد، کما فی الدرر.(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۵۰۰/۲، دارالکتب العلمیة، انیس)

واعلم أن النفل بالجماعة علیٰ سبیل التداعی مکروه علیٰ ما تقدم ماعدا التراویح، إلخ)

(وفی الدرالمختار: ۵۷۷/۱، ۵۸۷: (ولایصح اقتداء رجل بامراة) وخنثیٰ وصبی مطلقًا) ولوفی جنازة ونفل علیٰ الأصح.(الدرالمختار کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۸٤/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

وفی الشامیة تحته: والمختار أنه لایجوز فی الصلوات کلها، إلخ.(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب الواجب کفایة هل یسقط بفعل الصبی وحده: ۳۲۲/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

فی الدر المختار،مکروهات الصلاة:أی قلب الحصی للنهی ... ترکها أولٰی.(۱)
فی ردالمحتار:لأنه إذا تردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترک السنة راجحًا علٰی فعل البدعة.(۲)
الأفضل فی زما ننا قد ر مالا یثقل علیهم.

وفیه:(أی یکره ذلک (أی التنفل بالجماعة)لوعلٰی سبیل التداعی بأن یقتدی أربعة بواحد (إلٰی قوله)فی الأشباه عن البزازیة: یکره الاقتداء فی صلاة رغائب وبراء ة وقدر ... ولا ینبغی أن یتکلف کل هٰذا التکلف لأمرمکروه.

وفی ردالمحتار تحت هٰذا القول:فلوترک أمثال هٰذه الصلوات تارک لیعلم الناس أنه لیس من الشعارفحسن،آه، وظاهره أنه بالنذر لم یخرج عن کونه أداء النفل بالجماعة.(۳)

وفی بحث الشکر:لأن الجهلة یعتقدونها سنة أو واجبة وکل مباح یؤدی الیه فمکروه، آه.(۴)

فی هٰذا کفایة إن شاء اللّٰه تعالیٰ لمن کان له قلب أوالقی السمع وهوشهید واللّٰه تعالیٰ أعلم بحقائق الأمور.فقط

۱/رمضان ۱۳۲۵ھ(امداد:۱/۹۱)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۴۸۵-۴۸۷)

سوال: کیافرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کلام مجید شب بھر میں ختم کرنا جس کو عرف میں شبینہ کہتے ہیں، خواہ ایک حافظ صرف ختم کرے، خواہ چند حفاظ مجمع کر کے پورا کریں جائز ہے، یانہیں؟ حسب الشرع موافق مذہب حنفیہ بیان فرمائیں مع سند عبارت فقہاء وغیرہم؟ بینواتوجروا۔

الجواب

ظاہر حدیث سے ممانعت معلوم ہوتی ہے کہ تین روز سے کم میں قرآن ختم کیا جاوے۔

فی المشکٰوة:عن عبد اللّٰه بن عمر وأن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال:لم یفقه من قرأ القرآن فی أقل من ثلٰث.{رواه الترمذی وأبوداؤود والدارمی}(مشکاة)(۵)

---

(۱) الدرالمختار، کتاب الصلاة،باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها: ۱/۹۱،مکتبة زکریا دیوبند،انیس

(۲) ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها،مطلب إذا تردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترک السنة أولٰی:۲/۴۰۹،دارالکتب العلمیة،انیس

(۳) ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل،مبحث صلاة التراویح،مطلب فی کراهة الاقتداء فی النفل علٰی سبیل التداعی وفی صلاة الرغائب:۲/۴۹۷، دارالکتب العلمیة،انیس

(۴) الدرالمختار:۲/۱۲۹،دارالفکر ببیروت،انیس

(۵) مشکاة المصابیح،باب آداب التلاوة ودروس القرآن،الفصل الثانی،رقم الحدیث:۲۲۰۱،انیس

اسی بنا پر بعض علما نے اس شبنیہ کو مکروہ فرمایا ہے؛ لیکن عادت سلف کی ختم قرآن میں مختلف منقول ہوئی ہے، حتی کہ بعض بزرگوں نے ایک شب وروز میں تین ختم کیے اور بعض نے آٹھ ختم کیے؛ اس لیے مطلقاً تین روز سے کم میں ختم کرنے کو مکروہ کہنا مناسب ہے؛ بلکہ اقرب الی التحقق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر شبینہ میں قرآن صاف صاف پڑھا جاوے اور حفاظ کو ریا مقصود نہ ہو کہ فلاں نے اس قدر پڑھا اور فلاں نے اس قدر اور جماعت کسل مند نہ ہو اور حاجت سے زیادہ روشنی میں تکلف نہ کریں اور تراویح میں پڑھیں اور قصد حصول ثواب کا ہو جائز ہے، (۱) اور حدیث مذکور کے معارض نہیں؛ کیوں کہ علت منع عدم تفقہ ہے اور جب ایسا صاف پڑھا جائے کہ تفقہ وتدبر ممکن ہو تو ممنوع نہیں، چناں چہ عادت بعض سلف کی تحریر ہو چکی، یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ ان کے فعل کو مکروہ کہیں، چناں چہ حدیث مذکورہ کے حاشیہ پر مرقوم ہے۔

ظاهره المنع من ختم القرآن فى أقل من هٰذه المدة ولكنهم قالوا قد اختلف عادات السلف فى مدة الختم فمنهم من كان يختم فى كل شهرين ختمة، وآخرون فى كل شهر وفى كل عشر وفى أسبوع إلٰى أربع، وكثيرون فى ثلٰث، وكثير ون فى يوم وليلة، وجماعة ثلٰث ختمات فى يوم وليلة وختم بعض ثمانى ختمات فى يوم وليلة، والمختار أنه يكره التاخير فى الختمة أكثر من أربعين يومًا وكذا التعجيل من ثلثة أيام والأولٰى أن يختم فى الأسبوع والحق أن تختلف باختلاف الاشخاص. وطالما مختصرًا. (۲)

اور اگر اتنی جلد پڑھیں کہ حرف تک سمجھ میں نہ آوے، نہ زیر کی خبر، نہ زبر کی غلطی کا خیال، نہ متشابہ کا اور فقط ریا کاری مقصود ہو اور جماعت بھی ادھر ادھر گری پڑی ہو، یا حاجت سے زیادہ روشنی ہو، یا تراویح پڑھ کر جماعت نوافل میں پڑھیں، یہ بے شک مکروہ ہے۔ لقوله تعالٰى: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ (۳) ولقوله: ﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى يُرَائُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (۴) ولقوله: ﴿وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (۵) ولقول الفقهاء: إن جماعة النوافل مكروهة. (۶) والله أعلم

۲۲ر رجب، روز جمعہ ۱۳۰۲ھ (امداد: ۱۰۳/۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۸۵/۱-۴۸۸)

---

(۱) یہ حکم ہے فعل کا فی نفسہ؛ لیکن ہمارے زمانے میں مفاسد عادۃً مثل لازم کے ہو گئے ہیں، لہٰذا منع ہی کرنا احوط ہے۔ (منہ)

(۲) روى الطحاوى بسنده عن عبد الله بن زبير أنه قرأ القرآن فى ركعة وعن سعيد بن جبير أنه قرأ القرآن فى ركعة فى البيت، انتهٰى. (منه)

(۳) سورة المزمل: ٤، انيس

(۴) سورة النساء: ١٤٢، انيس

(۵) سورة الأعراف: ٣١، انيس

(۶) (ولا يصلى الوتر و) لا (التطوع بجماعة خارج رمضان) أى يكره ذلك علٰى سبيل التداعى، بأن يقتدى أربعة بواحد كما فى الدر. (الدر المختار علٰى هامش رد المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ٥٠٠/٢، انيس) ==

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد، یا علاوہ جامع مسجد کے اور کوئی مسجد، یا علاوہ مسجد کے اور کسی جگہ شبینہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

چند شرائط سے درست ہے، مگر عادۃ یہ شرائط کم پائے جاتے ہیں:

(۱) ترتیل نہ چھوٹے۔(۱)

(۲) تراویح میں پڑھیں۔

(۳) جماعت کے وقت تخلف نہ کریں۔

۵؍شوال ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۶۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۸۸-۴۸۹)

☆ ☆ ☆

== قال فی الحاوی القدسی: ولا یصلی التطوع بجماعة غیر التراویح. (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۵٦، دار المعرفة بیروت، انیس)

(۱) ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ (سورة المزمل: ٤، انیس)

ویکره الإسراع فی القراءة وفی أداء الأرکان. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱/۱۱۸، انیس)

تراویح میں تکبیر وتکرار سورہ کے مسائل

کیا تراویح میں سورۂ والضحی کے بعد ہر سورہ کے ختم پر اللّٰہ أکبر کہنا سنت ہے:

سوال: چوں ختم کلام اللہ شریف در تراویح کردہ شود، بعض حفاظ بعد سورۂ والضحی تا آخر قرآن بر اختتام ہر سورہ "اللّٰہ أکبر" می خوانند کہ علاوہ از تکبیر رکوع می باشد وگمان می کنند کہ سنت است؟(۱)

الجواب

فقہاء رحمہم اللہ ایں قسم اذکار وادعیہ را بر خارج صلوٰۃ یا بر صلوٰۃ نافلہ کہ منفرداً ادا کردہ شود محمول فرمودہ اند، در فرائض وہمچنیں در نوافل وسنن کہ با جماعت ادا کردہ شود مکروہ فرمودہ اند، پس قول مانعین دریں بارہ صواب است وقول مجوزین خطا۔(۲)

قال في الدر المختار: بل يستمع وينصت، إلخ، وإن قرأ الإمام آية ترغيب وترهيب وكذا الإمام لايشتغل بغير القرآن، وما ورد حمل على النفل منفردًا، كما مر.(۲)

(قوله: حمل على النفل منفردًا) أفاد أن كلاً من الإمام والمقتدى فى الفرض أوالنفل سواء قال فى الحلية: أما الإمام فى الفرائض فلما ذكرنا منه أنه صلى الله عليه وسلم لم يفعله فيها وكذا الأئمة من بعده إلى يومنا هٰذا فكان من المحدثات ولأنه تثقيل على القوم فيكره وأما فى التطوع فإن كان فى التراويح فكذلك، إلخ. (ردالمحتار: ۱/۳٦٦)(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۵۰)

تراویح کی پہلی رکعت میں کوئی سورہ ہو اور دوسری میں صرف سورۂ اخلاص:

سوال: تراویح کی نماز اس طرح پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟ مثلاً: اول رکعت میں سورۂ تکاثر، دوسری میں سورۂ اخلاص، یا پہلی میں سورۂ العصر، دوسری میں سورۂ اخلاص؟

(۱) ترجمہ سوال: تراویح میں جب قرآن شریف ختم کیا جاتا ہے تو بعض حفاظ سورۂ ضحیٰ کے بعد سے ختم قرآن تک ہر سورہ کے ختم پر "اللّٰہ أکبر" پڑھتے ہیں، جو رکوع کی تکبیر کے علاوہ ہوتا ہے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ سنت ہے تو یہ کیسا ہے؟

(۲) ترجمہ جواب: فقہاء رحمہم اللہ نے اس قسم کے اذکار وادعیہ کو خارج نماز، یا ان نفل نمازوں پر محمول کیا ہے، جو کہ تنہا پڑھی جاتی ہیں، فرائض میں اور اسی طرح ان سنن ونوافل میں جو جماعت سے پڑھی جاتی ہیں، مکروہ فرمایا ہے، لہٰذا اس بارے میں مانعین کا قول درست ہے، مجوزین کا غلط۔

(۳) الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل ويجهر الإمام: ۷۹/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۴) رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب: السنة تكون سنة عين وسنة كفاية: ۲٦۷/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

تراویح کی نماز اس طرح بھی ہو جاتی ہے؛ مگر اس کو لازم نہ سمجھا جاوے اور پابندی اس کی نہ کی جاوے، بالترتیب اگر ہر ایک رکعت میں سورہ پڑھ دی جاوے تو یہ اچھا ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۵۱/۴)

تراویح کی ہر دوسری رکعت میں ﴿قل هو الله﴾ پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب تراویح اس طرح پڑھاتے ہیں کہ پہلی رکعتوں میں سورہ عادیات سے ہمزہ تک پڑھتے ہیں اور ہر دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھتے ہیں، یہ دس رکعتیں ہوئیں۔ باقی دس رکعتیں ﴿الم تر كيف﴾ سے سورۂ ناس تک پڑھتے ہیں، اس طرح پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نماز تراویح درست ہوئی۔(۲) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۷۵/۱۰/۳۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۱۷/۲)

سورۂ اخلاص تراویح کی ہر رکعت میں پڑھنا درست ہے، یا نہیں:

سوال: بعض لوگ تراویح میں یہ مقرر کر لیتے ہیں کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ مع سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں۔ یہ کراہت سے خالی ہے، یا نہ؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

شامی نے لکھا ہے:

"واختار بعضهم سورة الإخلاص فى كل ركعة" إلخ. (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۵۶/۴)

تراویح میں تین بار ﴿قل هو الله﴾ پڑھنا کیسا ہے:

سوال: در تراویح سہ بار ﴿قل هو الله﴾ خواندن جائز است، یا مکروہ؟

(۱-۲) ثم بعضهم اختار قل هو الله أحد فى كل ركعة وبعضهم اختار قراءة سورة الفيل إلىٰ آخر القرآن وهٰذا أحسن القولين؛ لأنه لايشتبه عليه عدد الركعات ولايشتغل قلبه بحفظها، كذا فى التجنيس. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراويح: ۱۱۸/۱، انيس)

(۳) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل: مبحث صلاة التراويح: ۴۹۸/۲، انيس

الجواب

در تراویح سہ بار ﴿قل هو الله﴾ خواندن مکروہ نیست، (۱) البتہ لازم پنداشتن آں مکروہ خواہد شد، پس التزام آں نباشد۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۹۰/۴-۲۹۱) ☆

تراویح میں سورۂ اخلاص کی تکرار:

سوال: ختم قرآن کے وقت تراویح میں ﴿قل هو الله﴾ کو تین مرتبہ پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کا تکرار ختم قرآن کے وقت جائز ہے اور نوافل وتراویح میں بعض علما نے مستحسن کہا ہے؛ مگر دوسرے اکابر وفقہا اس کو غیر مستحسن کہتے ہیں اور مختار یہ ہے کہ فرائض میں تکرار سورت کا مکروہ ہے، خواہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ہو، یا کوئی دوسری سورت اور نوافل وتراویح میں گنجائش ہے؛ مگر ترک تکرار اولیٰ ہے۔

قال فی شرح المنية: قرأ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ثلث مرات عند ختم القرآن لم يستحسنها بعض المشائخ وقال الفقيه أبو الليث هٰذا شيء استحسنه أهل القرآن وأهل الأمصار فلابأس به إلا أن يكون الختم فی المكتوبة فلا يزيده علٰی مرة، انتهٰی.

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے:

ويكره تكرار قرأة السورة فی الفرض ولا يكره تكرار السورة فی التطوع؛ لأن باب التطوع أوسع، انتهٰی.

۱۵/ ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ھ (امداد المفتین: ۳۱۲/۲)

---

(۱) ولا يكره تكرار السورة فی ركعة أو ركعتين فی التطوع؛ لأن باب النفل واسع (إلٰی قوله) فدل علٰی جواز التكرار فی التطوع. (غنية المستملی، ص: ۳۴۳)

وقراءة ﴿قل هو الله أحد﴾ ثلٰث مرات عند ختم القرآن لم يستحسنها بعض المشائخ، وقال الفقيه أبو الليث: هٰذا شيء استحسنه أهل القرآن وأئمة الأمصار فلابأس به إلا أن يكون الختم فی المكتوبة فلا يزيد علٰی مرة". (غنية المستملی، ص: ۴۶۴، ظفير)

(۲) تراویح میں تین بار "قل هو الله" پڑھنا مکروہ نہیں ہے، ہاں البتہ اس کو لازم سمجھنا مکروہ ہوگا، پس اس کا اہتمام نہ کیا جائے۔

☆ **ملفوظ:**

تراویح میں سورۂ اخلاص کو مکرر کرتے ہیں، اس واسطے کہ ایک بار میں قرآن کی سورۃ ہونا نیت کرتے ہیں اور دوبارہ اس کو اس خیال سے پڑھتے ہیں کہ جو کچھ کی غلطی قرآن میں واقع ہوئی، اس کا جبر نقصان ہو جاوے کہ یہ ثلث قرآن وصف رحمٰن تعالیٰ شانہ ہے۔ بعض کتب فقہ میں بھی یہ لکھا ہے، پس مضائقہ نہیں اور مکرر پڑھنا کسی سورت کا حرج نہیں؛ مگر اس کو سنت نہ جانے اور مکرر پڑھنا کسی آیت کا تو حدیث سے بھی ثابت ہے۔ کسی وجہ سے؛ مگر اس وجہ خاص سے سراجیہ کتب فقہ میں لکھا ہے اور کوئی ضروری امر نہیں چاہے نہ پڑھے، البتہ ضروری اور سنت جان کر پڑھنا بدعت ہو جائے گا۔ (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۶)

تراویح میں تکرار ﴿قل ھو اللّٰہ﴾:

سوال: تراویح میں ایک رکعت میں تین مرتبہ سورہ ”قل ھو اللّٰہ أحد مع بسم اللّٰہ“ ختم قرآن شریف پر پڑھنا جائز ہے، یا ناجائز؟

الجواب

تکرار ﴿قل ھو اللّٰہ﴾ ختم کے وقت فی نفسہ تو مباح ہے؛ مگر جہاں اس کو لازم سمجھتے ہوں کہ اس کے بغیر ختم کو ناقص سمجھتے، وہاں نہ کرنا چاہیے۔

۲۸ رمضان ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۲۷۹/۲) ☆

☆ **تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر تکرار قل ہو اللہ کیسا ہے:**

سوال: تراویح میں ختم قرآن میں تین بار قل ہو اللہ کا پڑھنا کیسا ہے، پورے قرآن کو ایک مرتبہ اور قل ہو اللہ کو تین بار پڑھنا اس امر کی بین دلیل ہے کہ قاری اس سورت کو دوسرے قرآن پر فضیلت دیتا ہے؟

الجواب

قال في شرح المنية: وقراءة قل هو اللّٰه أحد ثلٰث مرات عند ختم القرآن لم يستحسنها بعض المشايخ وقال الفقيه أبو الليث: هٰذا شيء استحسنه أهل القرآن وأئمة الأمصار فلا بأس به إلا أن يكون الختم في المكتوبة فلا يزيد على مرة، آه. (ص: ٤٦٤)

لیکن اگر تکرار کا التزام ایسا ہو گیا ہے کہ اس کے ترک پر ملامت ہوتی ہے تو اس کا ترک کرنا ضروری ہے۔ كما هو مقتضى التزام المباح والمستحب.

۱۳ شوال ۱۳۴۶ھ۔ (امداد الاحکام: ۱۹۴/۲)

ختم قرآن کے وقت سورۂ اخلاص تین بار پڑھنا:

سوال: تراویح میں ختم قرآن کے وقت سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھنا مستحب ہے، یا نہیں؟

الجواب

مستحب ہے۔ شرح منیۃ میں ہے:

قراءة قل هو الله أحد ثلث مرات عند ختم القرآن لم يستحسنها بعض المشائخ و قال الفقيه أبو الليث: هذا شيء استحسنه أهل القرآن وأئمة الأمصار فلابأس به إلاأن يكون الختم في المكتوبة فلايزيده على مرة، إنتهىٰ.

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے:

يكره تكرار قرأة السورة في الفرض ولا يكره تكرار السورة في التطوع لأن باب النفل أوسع، انتهىٰ ملخصاً. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبد الحئی اردو: ۲۴۱)

تراویح میں سورۂ اخلاص تین بار پڑھنے کا حکم:

سوال: تراویح میں سورۂ اخلاص کا ایک بار پڑھنا کیسا ہے؟ جب کہ شروع سے ہمارے یہاں حفاظ کرام تین بار سورۂ اخلاص پڑھتے چلے آئے ہیں؛ لیکن اس سال حافظ صاحب نے ایک ہی بار پڑھا۔ ==

تراویح کی ایک رکعت میں ﴿قل هو الله أحد﴾ کو مکرر کرنے کی تحقیق:

سوال: جناب! کتابے کہ از تالیف حضور فیض گنجور است مسمّی بہ گوہر بہشتی وحصہ یاز دہم کہ زیور بہشتی است دراں مکتوب است کہ خواندن قل ہواللہ درنماز ختم تراویح بہ سہ مرتبہ مکروہ است، چناں کہ حافظان ایں زمانہ بروزے کہ ختم آخری شود قل ہواللہ را بہ سہ مرتبہ درنماز خوانند ایں قسم خواندن مکروہ است، یانہ؟ اگر باشد بچہ وجہ؟ آیا بوجہ تکرار سورہ، یا بوجہ رواج گردانیدن واگر مکروہ باشد، کدام مکروہ؟ جناب ایں قسم خواندن درملک بنگالہ رواج کثیر شدہ اگر کسے منع کند عالم وجاہل ہمگنان اور انفرت می کنند وگویند کہ ایں قسم خواندن از زمانہ جناب مولانا حافظ احمد صاحب جاری شدہ اگر منع بودے ونیز منع کردے آں منع نہ کردن دلیل است بر جواز وبسے مولوی انکار نمودہ وچند مولوی اقرار نمودہ، اکنون فساد برپا شد ودر تحقیق آں مشغول شدہ بعد چندروز شخصے از کتاب مفید القاری کہ از تالیفات مولوی عبدالمنان است آوردہ کہ نزد فقیہ ابواللیث خواندن قل ہواللہ سہ بار جائز است وبعض مستحسن فہمید وبعضے غیر مستحسن وبعدازاں نوشتہ کہ در شرح منیہ نوشتہ ”ويكره تكرار السورة فى المكتوبة دون النوافل“. پس باقی ماند کہ درنماز تراویح نفل است، یا سنت؟

==

الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

تراویح میں ﴿قل هو الله أحد﴾ تین مرتبہ پڑھنا جائز ہے، ضروری نہیں، لہذا اگر ایک ہی دفعہ پڑھا گیا تو کوئی حرج نہیں؛ بلکہ اس کو ضروری جان لینا صحیح نہیں ہے۔ (غنیۃ المستملی، ص:۲۶۴) (وقراءة قل هو الله أحد ثلث مرات عند ختم القرآن لم يستحسنها بعض المشائخ وقال أبو الليث: هذا شيء استحسنه أهل القرآن وأئمة الأمصار فلا بأس به إلا أن تكون الختم فى المكتوبة فلا يزيد فى المكتوبة فلا يزيد على مرة. (غنية المستملى، ص: ٤٩٦)

فقیہ ابواللیث کہتے ہیں کہ ختم قرآن کے وقت سورۂ اخلاص تین بار پڑھنے کو قراء وائمہ امصار نے پسند کیا ہے، لہذا اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ فرض نمازوں میں ایک سے زائد بار نہیں پڑھے۔ [مجاہد] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۱۴۰۰/۱۲/۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۶۳/۲)

تین بار سورۂ اخلاص کی نماز تراویح میں تلاوت:

سوال: بعض حفاظ کرام تراویح کی کسی رکعت میں تین بار سورۂ اخلاص کی تلاوت کرتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟
(ظہیر انور، ٹولی چوکی)

الجوابـــــــــــــــــــ

نفل نمازوں میں ایک ہی سورت کو تکرار کے ساتھ پڑھنے کی گنجائش ہے؛ لیکن سلف صالحین کے دور سے تراویح میں اس طرح کا معمول ثابت نہیں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نماز میں اس سورت کو تین بار پڑھا ہے، حافظوں کی تراویح میں اس طرح سورۂ اخلاص کو تین بار پڑھنے کی وجہ سے لوگوں کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ اس طرح پڑھنا مسنون ومطلوب ہے، جو ظاہر ہے کہ درست نہیں؛ اس لیے راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس سے احتراز کرنا چاہیے، دین میں جس چیز کو جو اہمیت حاصل نہ ہو، اس کو اس اہمیت کے ساتھ ادا کرنا، یا اس کا التزام کرنا درست نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۹۲/۲-۳۹۳)

اگر نفل است، جائز است باتفاق واگر سنت باشد جائز شود، یانہ؟ واوشاں کتاب جناب دیدند وگفتہ اند کہ از کدام کتاب نقل کردہ؟ آیا کہ معتبر است، یا غیر معتبر؟ هل يجوز تكرار السورة فى السنة والواجب، اگر معتبر باشد وعلمائے متین دستخط کنند درگرفتن آں شکے نماند فلہٰذا امید نزد جناب ایں کہ از روئے شفقت ولرضاء اللہ دو قلم تحریر فرمودہ مکروہ است، یانہ؟ ثابت کردہ ہم از کتاب است عبارتش نوشتہ از چند علمائے فحول مسجل کنانیدہ ایں فساد رادر کنند وثواب درایں حاصل کنند۔﴿إن الله لايضيع أجر المحسنين﴾(۱)

الجواب

بہشتی گوہر ملخص است از علم الفقہ کہ از تالیفات مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی است ندانم کہ از کجا نقل فرمودند وقت تلخیص بہ سبب وثوق بریشاں تفتیش ماخذ نہ نمودہ شد اگر دل خواہد از وشاں تحقیق نماید نشان اوشان لکھنو چوک مدرسہ مولانا عین القضاۃ صاحب کافی است؛ لیکن تبرعاً برائے تحقیق دلیل ہم بہ کتب رجوع کردہ روایت ذیل در عالمگیریہ از گزشت:

ويكره تكرار السورة فى ركعة واحدة فى الفرائض ولابأس بذلك فى التطوع، كذا فى فتاوىٰ قاضى خان وإذا كرر آية واحدة مراراً فإن كان فى التطوع الذى يصلى وحده فذلك غير مكروه وإن كان فى الصلاة المفروضة فهومكروه، إلخ. (۲)

پس ظاہر است کہ تکرار سورت وتکرار آیت متساوی الحکم ہستند ودر عدم کراہت تکرار آیت فی التطوع قید الذی یصلی وحدہ اضافہ فرمودہ پس واضح شد کہ مراد از تطوع در تکرار سورت نیز ہماں تطوع است کہ تنہا گزاردہ می شود وتراویح کہ مثل فرائض بجماعت ادا کردہ می شود دریں حکم مثل فرائض است، پس مثل فرائض دراں ہم تکرار سورت مکروہ باشد وعلاوہ بریں ایں چنیں التزام واصرار کہ مردمان اختیار کردہ اند ہم دلیل مستقل است بر کراہۃ ومقتضائے دلیل اول کراہۃ تنزیہیہ است ومقتضائے دلیل ثانی تحریمیہ۔ واللہ اعلم

۲۵ر شوال ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۱۷۸) (امداد الفتاویٰ: ۱/۴۹۱-۴۹۳)

(۱)　خلاصہ سوال: بہشتی گوہر صفحہ ۳۶ میں ہے "مسئلہ صحیح یہ ہے کہ قل ہو اللہ کا تراویح میں تین مرتبہ پڑھنا، جیسا کہ آج کل دستور ہے، مکروہ ہے" کراہت کی کیا وجہ ہے؟ یعنی تکرار سورت کی وجہ سے کراہت ہے، یا رواج کی وجہ سے؟ اور کراہت کونسی ہے؟

(۲)　الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الثانى فيما يكره فى الصلاة وما لا يكره فيها: ۱/۱۰۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳)　ترجمہ جواب: بہشتی گوہر علم الفقہ (مؤلفہ مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی) سے ملخص کی گئی ہے، معلوم نہیں انہوں نے یہ مسئلہ کہاں سے نقل کیا ہے، تلخیص کے وقت ان پر اعتماد کی وجہ سے حوالہ کی تفتیش نہیں کی گئی، اگر دل چاہے تو ان سے تحقیق کر لیں، ان کا پتہ "لکھنؤ چوک مدرسہ مولانا عین القضاۃ صاحب" ہے؛ لیکن تبرعاً بغرض تحقیق بندہ نے بھی کتابوں کی مراجعت کی، عالمگیری میں مندرجہ ذیل روایت نظر سے گزری: ==

سوال: عرصہ چند ماہ کا ہوا کہ اس جگہ کچھ جھگڑا ہوا ہے، درباره مسئلہ قرأت سورۂ اخلاص شریف تراوح میں تین مرتبہ مجوزین فرماتے ہیں کہ کوئی وجہ منع کی نہیں؛ بلکہ یہ موجب ثواب ہے، چوں کہ تین مرتبہ سورۂ مذکور کو پڑھنا برابر ثواب میں کل قرآن شریف کے ہے اور مانعین فرماتے ہیں کہ تکرار نماز میں نہیں ہے اور چناں چہ حضور والا کے بہشتی زیور کے گیارہویں حصہ بہشتی گوہر میں مرقوم ہے، اصح یہ ہے کہ مکروہ ہے، جیسا کہ آج کل رواج ہے۔ پس وہ سوال کرتے ہیں کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ آج کل کا رواج کس طور پر ہے؟ پس جناب والا تکلیف فرما کر جواب باصواب تحریر فرمائیں مع حوالہ کتب۔ فقط

الجواب

اس وقت خاص اس کا جزئیہ تو جلدی میں ملا نہیں؛ لیکن درمختار کے اس قول پر کہ **"لابأس أن يقرأ سورة ويعيدها في الثانية"** علامہ شامی کا یہ قول ملا: **"أفاد أنه يكره تنزيهًا وعليه يحمل حزم القنية بالكراهة ويحمل فعله عليه الصلاة والسلام لذٰلک علٰی بيان الجواز"**. (۵۷۰/۱)(۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک سورت کا دو رکعت میں اعادہ کرنا مکروہ ہے تو ایک رکعت میں اس کا اعادہ وتکرار تو بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا اور اگر شبہ ہو کہ اس کے بعد درمختار میں ہے: **"ولايكره في النفل شئی من ذلک"**. اس کا جواب یہ ہے کہ ردالمحتار میں فتح سے اس پر نقل کیا ہے: **"وعندی فی هٰذه الكلية نظر، إلخ"**. پھر ردالمحتار ہی میں حلبی سے نقل کیا ہے: **"أنهم نصوا بأن القراءة، إلخ"**. (۵۷۱/۱) اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے اور بوجہ قوت دلیل کے ترجیح کراہت کو معلوم ہوتی ہے، یہی حاصل ہے بہشتی گوہر کے مسئلہ کا، چناں چہ یہ قول کہ صحیح یہ ہے، الخ دال ہے اختلاف پر بھی اور بہشتی گوہر میں جو لکھا ہے کہ جیسا کہ آج کل دستور ہے، اس کے معنی ظاہر ہیں؛ کیوں کہ آج کل ایسا کرتے ہیں، پھر بعد تحریر اس جواب کا جزئیہ بھی مل گیا، جس سے جواب مذکور کی تائید ہوتی ہے اور

== "ويكره تكرار السورة"، الخ، ظاہر ہے کہ تکرار سورت اور تکرار آیت متساوی الحکم ہیں اور نوافل میں آیت کے تکرار عدم کراہت کو الذی يصلي وحده سے مقید کیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ نوافل میں سورت کی تکرار کی عدم کراہت سے مراد بھی وہی نوافل ہیں، جو تنہا پڑھی جائیں اور تراویح جو فرائض کی طرح جماعت سے پڑھی جاتی ہے، بحکم فرائض ہے، لہٰذا فرائض کی طرح تراویح میں بھی سورت کی تکرار مکروہ ہوگا۔

علاوہ بریں یہ التزام واصرار جو لوگوں نے اختیار کرلیا ہے، یہ بھی کراہت کی مستقل دلیل ہے۔ دلیل اول کا مقتضی کراہت تنزیہی ہے اور دلیل ثانی کا مقتضاء کراہت تحریمی ہے۔ واللہ اعلم

اضافہ: بہشتی گوہر کے حاشیہ میں ہے "وجہ کراہت یہ ہے کہ آج کل عوام نے اس کو لوازم ختم سے سمجھ لیا ہے، جیسا کہ ان کے طرز عمل سے ظاہر ہے، لہٰذا مکروہ ہے، نہ یہ کہ اعادہ سورۃ فی نفسہ مکروہ ہے، جیسا کہ مولانا رحمہ اللہ نے تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ ص: ۱۱۸، میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔ (جو یہاں ص: ۳۲۱ پر درج ہے۔ سعید) پس اعادہ سورۃ خواہ فی نفسہ جائز ہو، یا مکروہ۔ رسم ہذا قابل ترک ہے۔ (تصحیح الاغلاط، سعید احمد)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، فروع آخر صلاة قبل باب إمامة

وہ جزئیہ یہ ہے، درشرح منیہ می آرد:

"قراءة قل هو الله أحد ثلث مرات عند ختم القرآن لم يستحسنها بعض المشائخ، وقال الفقيه أبو الليث: هذا شيء استحسنه أهل القرآن وأئمة الأمصار فلا بأس به إلا أن يكون الختم في المكتوبة فلايزيد على مرة، انتهى. (۱)

ودرہماں کتاب بجائے دیگر است:

"ويكره تكرار قراءة السورة في الفرض ولايكره تكرار السورة في التطوع؛ لأن باب التطوع أوسع" ملخصًا. (فتاویٰ مولانا عبدالحی جلد سوم، ص:۵۹)

۱۳/ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص:۱۱۸) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۴۹۳-۴۹۵)

۲۳ویں رات میں سورۂ عنکبوت اور سورۂ روم پڑھنا:

سوال: ہمارے دیار میں رمضان کی تیئیسویں رات کو تراویح کے بعد سورۂ عنکبوت اور سورۂ روم نمبر: ۲۰، ۲۱ پڑھنے کا رواج ہے۔ کیا ان سور کے پڑھنے کا ثبوت ہے، یا نہیں؟

الجواب

ہمارے علم میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، نہ اس کی پابندی کی کوئی شرعی بنیاد ہے۔ واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عنہ، ۱۲/۱۰/۱۳۹۷ھ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۱/۵۰۷)

ختم قرآن پر ﴿الٓمٓ﴾ سے ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھنا مستحب ہے:

سوال: مولانا عبدالحیؒ نے تراویح میں ﴿هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ تک ختم کرنے کو جائز لکھا ہے؛ یعنی جب قرآن شریف ختم کرے تو اخیر رکعت میں "الف لام میم" سے ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھے اور فتاویٰ عالمگیری میں بھی ترتیب ختم کی ﴿هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ تک لکھی ہے۔ صحیح اس بارے میں کیا ہے؟ اور ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف منتقل ہونے کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگوں نے ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھنے کو مکروہ کہا ہے۔

الجواب

جو کچھ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اس بارے میں لکھا ہے، وہی صحیح ہے۔ فقہاء حنفیہ نے بھی ختم قرآن میں صرف اسی کو مستحب لکھا ہے کہ سورۂ بقرہ کی شروع کی آیات پر ختم کرے کہ یہ حدیث سے ثابت ہے، اس کے سوا متفرق جگہ آیتوں کو پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے۔

---

(۱) كبيرى شرح المنية، ص: ٤٤٢، سعيد

کما سیجئ عن شرح المنیة؛لأن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال:خیر الناس الحال المرتحل: أی الخاتم المفتتح،انتھٰی.(شرح المنیة کبیری)(۱)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۵۹/۴۔۲۶۰)

ختم تراویح کے دن الٓمٓ مفلحون کے بعد بعض دوسری آیتوں کا پڑھنا ثابت نہیں ہے:

سوال: اکثر حافظ بروز ختم قرآن شریف درصلوٰۃ تراویح بعدھم المفلحون کے مختلف آیات مثل ﴿ انا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون﴾،﴿وأن رحمة اللّٰہ قریب من المحسنین﴾وغیرہ پڑھتے ہیں،اس کا شرعاً ثبوت ہے،یانہیں؟

الجواب

فقہا نے صرف اس قدر لکھا ہے:

''إلا إذا ختم فیقرأ من البقرة''،إلخ.(الدرالمختار)

وفی الشامی:قال فی شرح المنیة:وفی الولوالجیة:من یختم القرآن فی الصلاة إذا فرغ من المعوذتین فی الرکعة الأولٰی یرکع ثم یقرأ فی الثانیة بالفاتحة وشئ من سورة البقرة؛لأن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال:خیر الناس الحال المرتحل أی الخاتم المفتتح،آہ.(۲)

پس ماسوا اس کے ثابت نہیں ہے،لہٰذا اصرار کرنا بدعت ومکروہ ہے۔فقط(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۷۳/۴)

ختم قرآن پر دوسری آیتوں کا پڑھنا کیسا ہے:

سوال: رمضان شریف میں ختم قرآن میں حافظ صاحب انیس رکعتوں میں قرآن پاک ختم کرتے ہیں اور بیسویں رکعت میں الٓمٓ سے مفلحون تک پڑھ کر اسی رکعت میں یہ آیات پڑھتے ہیں:﴿ اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ،دَعْوٰيهُمْ فِيْهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلَامٌ الخ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ تک پڑھ کر رکوع کرتے ہیں۔یہ جائز ہے،یا بدعت؟

الجواب

یہ تو بعض روایات میں آیا ہے کہ ختم قرآن کے بعد الٓمٓ سے شروع کر کے چند آیات مثل مفلحون تک پڑھ دیا جاوے اور فقہا نے بھی اس کی اجازت دی ہے اور یہ مستحب ہے۔(۳)اس کے سوا دیگر آیات کا اس وقت پڑھنا منقول نہیں ہے،لہٰذا ترک کر دینا مناسب ہے۔فقط(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۶۵/۴)

(۱۔۲) دیکھئے:رد المحتار،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فی القراءة،مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایة:۲۶۹/۲،مکتبة زکریا دیوبند،انیس

(۳) ویکرہ الفصل بسورة قصیرة وأن یقرأ منکوساً إلا إذا ختم فیقرأ من البقرة.(الدرالمختار،کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة،فصل یجهر الإمام:۸۱/۱،مکتبة زکریا دیوبند،انیس) ==

ختم قرآن کے موقعہ پر آیات متفرقہ بلاترتیب پڑھنا:

سوال: ایک حافظ صاحب تراویح میں ختم قرآن پر ﴿مفلحون﴾ تک پڑھتے ہیں، پھر اس رکعت میں آیات متفرقات (بلاترتیب) ادعیہ وغیرہ پڑھتے ہیں اور بھی بعض حفاظ کا معمول ہے کہ ختم کلام پاک پر آخری رکعت میں مختلف آیات بلاترتیب تلاوت کرتے ہیں۔ اس پر بعض حضرات کو اعتراض ہے کہ طحطاوی وعالمگیری میں اس کو مکروہ لکھا ہے؛ بلکہ خارج نماز مکروہ ہے، چہ جائے کہ داخل نماز، اس میں بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا، قاضی ابوبکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اجماعاً ناجائز ہونا نقل کیا ہے۔ ان تمام روایتوں کو جو اس کے خلاف وارد ہیں، مدنظر رکھتے ہوئے تحریر فرمائیں کہ کون سا عمل صحیح ہے؟ کیا یہ بدعات حسنہ میں سے ہے بقول علامہ نووی؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

قرآن پاک کو ترتیب سے ہی پڑھا جائے، خلاف ترتیب پڑھنا مکروہ ہے، بعض علما نے نوافل کو مستثنیٰ کیا ہے، حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ کے متعلق بھی یہی سنا کہ وہ ختم قرآن پر متفرق آیات ودعا پڑھتے تھے، ان میں ترتیب کی رعایت بھی غالباً نہیں ہوتی تھی، شاید وہ اسی قول کو اختیار فرماتے ہوں گے، البتہ قرآن پاک جس رکعت میں ختم کیا جائے، اس کے بعد والی رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ بقرہ کا کچھ حصہ پڑھنا خلاف ترتیب ہونے کے باوجود مستحسن ہے۔

"ويكره قرأة سورة فوق التي قرأها، قال ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه: "من قرأ القرآن منكوسًا فهومنكوس"... "ولوختم القرآن فى الأولىٰ يقرأ من البقرة فى الثانية لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: خيرالناس الحال المرتحل"، يعنى الخاتم المفتتح"... ويكره الانتقال لآية من سورتها ولوفصل بآية، والجمع بين سورتين بينهما سورأوسورة، فى الخلاصة: لايكره هٰذا فى النفل، آه". (مراقى الفلاح)(۱)

(قوله: ويكره قرأة سورة) وكذا الآية فوق الآية مطلقًا، سواء كان فى ركعتين أوركعة، و استثنىٰ فى الأشباه النافلة، فلا يكره فيها ذلك، وأقره عليه الغزى والحموى، نقله عن أبى اليسر وجزم به

== قال فى شرح المنية: وفى الولوالجية: من يختم القرآن فى الصلٰوة إذا فرغ من المعوذتين فى الركعة الأولىٰ يركع ثم يقرأ فى الثانية بالفاتحة وشئ من سورة البقرة؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم قال: خيرالناس الحال المرتحل: أى الخاتم المفتتح، آه. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فى القراءة، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية: ۲۶۹/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۱) كتاب الصلاة، باب الإمامة، فصل فى المكروهات، ص: ۳۵۲، قديمى، انيس

فی البحر والدرر وغیرهما،قال بعض الفضلاء:وفیه تأمل؛لأن النکس إذا کره خارج الصلاة کما یرشد إلیه لکون الترتیب من واجبات التلاوة،ففی النافلة اولیٰ ،وکون باب النفل واسعًا لایستلزم العموم،بل فی بعض الأحکام،آه،(قوله:لایکره هٰذا فی النفل) یعنی القراء ة منکوساً،والفصل والجمع کما هومفاد عبارة الخلاصة حیث قال بعد ما ذکرالمسائل الثلاث: وهٰذا کله فی الفرائض،أما فی النوافل لایکره،آه.(طحطاوی،ص:۲۱۲)(۱)

اگر وہاں کے حفاظ اور قراءنہ مانیں اور اپنی بات پر قائم رہیں تو ان سے نزاع اور جدال کی ضرورت نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۹/۹/۱۳۸۷ھ (فتاویٰ محمودیہ:۳۱۶/۷-۳۱۷)

تراویح میں ختم قرآن کے دن سورۂ لہب سے مفلحون تک پڑھنے کا حکم:

سوال: ختم تراویح کے دن حافظ صاحب نے بیسویں رکعت میں پہلے سورۂ فاتحہ اس کے بعد لہب، اخلاص، فلق، ناس اور پھر سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ مفلحون تک پڑھ کر تراویح ختم کی، ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

یہ طریقہ ٹھیک ہے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۶/۱۲/۱۴۰۰ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۴۶/۲)

ختم قرآن سورۃ الناس پر ہو، یا سورۃ البقرۃ کی آیتوں پر:

سوال: بعض حفاظ ختم قرآن سورہ ناس پر کرتے ہیں اور زیادہ حفاظ ﴿هم المفلحون﴾ تک پڑھتے ہیں۔کون سا طریقہ صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

دونوں صحیح ہیں، دوسرا افضل ہے۔(کذا فی الدر المختار:۵۷۰/۱)(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۱۳۶۱ھ۔الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۱۳۶۱ھ۔صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ذی قعدہ/۱۳۶۱ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۳۱۷/۷-۳۱۸)

(۱) حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح،کتاب الصلاة،باب الإمامة،فصل فی المکروهات:۳۵۲،قدیمی،انیس

(۲) البتہ بہتر یہ ہے کہ انیسویں رکعات میں معوذتین پڑھ کر رکوع کیا جائے اور بیسوں رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھ کر سورۂ بقرہ شروع سے مفلحون تک پڑھا جائے۔[مجاہد] من یختم القرآن فی الصلاة إذافرغ من المعوذتین فی الرکعة یرکع ثم إذا قام إلی الثانیة یقرأ بفاتحة الکتاب و شيء من البقرة،کذا فی الخلاصة.(الفتاوی الهندیة،الفصل الرابع فی القراء ة:۷۹/۱،مکتبة زکریا دیوبند،انیس)

(۳) (ویکره الفصل بسورة قصیرة)...(وأن یقرأ منکوساً)إلا إذا ختم فیقرأ من البقرة" (الدرالمختار) ==

پہلی رکعت میں ''سورۃ الناس'' دوسری میں ''سورۃ البقرۃ'' کا کچھ حصہ:

سوال: آج کل اکثر حافظوں کا معمول ہے کہ ختم قرآن کے بالکل آخری ترویحہ کی رکعت ثانی میں کسی قدر سورۂ بقرہ پڑھتے ہیں اور رکعت اولیٰ میں سوۂ ناس تو کیا اس صورت میں کوئی قباحت نہیں ہے؟ چوں کہ ترتیب کے اعتبار سے تقدیم تاخیر ہوتی ہے، اگر خرابی نہیں تو کیا جواب ہے؟

(۲) نیز بعض حافظوں کی یہ عادت ہے کہ آخری ترویحہ کی رکعت اُخریٰ میں فاتحہ کے بعد سورۂ ناس پڑھ کر الحمد للہ اور سورۂ بقرہ سے کسی قدر ایک رکوع پڑھتے ہیں، اب تکرار فاتحہ کی وجہ سے کیا کچھ خرابی نہیں ہے؟

ہر سورۃ کے شروع میں ''بسم اللہ'':

(۳) دیگر اینکہ اگر ایک ہی رکعت میں کوئی شخص کئی سورت پڑھیں تو ہر ایک سورت کے اول میں بسم اللہ پڑھنی چاہیے، یا نہیں؟ پڑھیں تو کس طرح؟ (احقر عبد الباری چاٹگامی)

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

(۱) اس میں کوئی قباحت نہیں؛ بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے:

ولو ختم القرآن في الأولىٰ، يقرأ البقرة في الثانية لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "خير الناس الحال المرتحل": يعني الخاتم المفتتح، آه. (مراقی الفلاح، ص: ۲۰۲)(۱)

(۲) اس میں کوئی خرابی نہیں، تکرار فاتحہ اگر متوالیاً ہو تو اس سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے، اگر سورت کا فصل درمیان میں آجائے تو اس سے سجدہ سہو لازم نہیں آتا۔

ولو كررها (الفاتحة) في الأوليين يجب عليه سجود السهو؛ لأنه أخر واجبًا وهو السورة، بخلاف ما لو أعادها بعد السورة أو كررها في الأخريين، آه. (زیلعی، ص: ۱۹۳)(۲)

تاہم اس کو معمول نہیں بنانا چاہیے۔

== (قوله: إلا إذا ختم، إلخ)... وفي الولوالجية: من يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ من المعوذتين في الركعة الأولىٰ يركع، ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة وشئ من سورة البقرة؛ لأن النبي صلىٰ الله عليه و سلم قال: خير الناس الحال المرتحل": أي الخاتم المفتتح". (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل في القراء ة، مطلب الإستماع للقرآن فرض كفاية: ۲۶۹/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۱) مراقي الفلاح علىٰ نور الإيضاح، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۲، قديمي/وكذا في ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل في القراء ة، مطلب الإستماع للقرآن فرض كفاية: ۲۶۹/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۴۷۳/۱، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۳)　اس میں چند اقوال ہیں، پڑھنا بہتر ہے۔ (کذافی ردالمحتار: ۵۱۱/۱)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم رذی قعدہ ۱۳۵۵ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۳/۷-۳۰۴)

تراویح میں ختم قرآن پر سورہ بقرہ کی چند آیات پڑھنا:

سوال:　ماہ رمضان میں تراویح میں قرآن کریم سنانے والے اکثر حفاظ کا دستور ہے کہ انیسویں رکعت میں الحمد للہ شریف کے بعد باقی ماندہ سورتیں مثلاً معوذتین وغیرہ پڑھ کر رکوع کر دیتے ہیں اور بیسویں رکعت میں الحمد شریف پڑھ کر سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر رکوع کرتے ہیں۔ بعض حفاظ اس کے بجائے انیسویں رکعت میں الحمد شریف کے بعد قل ہو اللہ پڑھ کر ختم کر کے ہی رکوع میں چلے جاتے ہیں اور پھر بیسویں رکعت میں الحمد شریف کے بعد معوذتین، پھر الحمد شریف پھر سورۂ بقر کی ابتدائی آیات پڑھتے ہیں، پھر رکوع کرتے ہیں۔ مذکورہ دونوں طریقوں میں سے کون سا طریقہ زیادہ صحیح ہے؟　(حافظ محمد سعید)

الجواب ـــــــــــــــــــ

ختم قرآن مجید کے بعد سورۂ بقر کی ابتدائی آیتیں پڑھنا مسنون ہے، (۲) خواہ بیسویں رکعت میں سورۂ ناس کے بعد پڑھ لے، یا انیسویں رکعت میں ناس تک پڑھ کر بیسویں الٓمٓ سے پڑھ لے، بیسویں رکعت میں الحمد اور معوذتین پڑھ کر پھر فاتحہ پڑھنا اور الٓمٓ کی آیتیں پڑھنا نہیں چاہیے؛ یعنی الحمد کی تکرار کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۹۲/۳-۳۹۳)

اخیر تراویح میں سورۂ بقرہ کا کچھ حصہ پڑھنا:

سوال:　حفاظ رمضان شریف میں آج کل عموماً یوں ختم قرآن کرتے ہیں کہ انیسویں رکعت میں قرآن ختم کرتے

---

(۱)　(قوله: لا تكره اتفاقاً) ولهذا صرح في الذخيرة والمجتبیٰ بأنه إن سمّیٰ بين الفاتحة والسورة المقروءة سرًا أو جهرًا، كان حسنًا عند أبي حنيفة، ورجحه المحقق ابن الهمام. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب: قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن: ۱۹۲/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲)　و أن يقرأ منكوساً إلا إذا ختم فيقرأ من البقرة. (الدر المختار)

قال في شرح المنية: "وفي الولوالجية" من يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ من المعوذتين في الركعة الأولیٰ يركع ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة وشيئ من البقرة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خير الناس الحال المرتحل أي الخاتم المفتتح، إلخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، مطلب الإستماع للقرآن فرض كفاية: ۲۶۹/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

ہیں اور بیسویں رکعت میں ﴿ألم﴾ سے ﴿مفلحون﴾ تک پڑھتے ہیں۔ شامی نے بھی اس کو بغیر کراہت جائز لکھا ہے،(۱) اور مولوی عبدالحیٔ فرنگی محل رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو مستحسن، یا مستحب لکھا ہے۔(۲) بہار شریعت میں مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی اس کو مستحب لکھا ہے؛ مگر بعض صاحبان یہ کہتے ہیں کہ اگر اٹھارویں رکعت میں قرآن ختم کیا جائے اور انیسویں اور بیسویں میں ''الم'' سے حسب منشا پڑھ کر ختم قرآن کریں تو زیادہ بہتر ہے؛ تاکہ ترتیب میں بھی فرق نہ ہو اور حدیث میں ہے کہ ختم کے بعد پھر شروع کریں، اس کے مطابق بھی ہوجائے؛ کیوں کہ شامی وغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر انیسویں رکعت میں ختم کیا تو بجائے اخیر سورت کے تکرار کرنے سے ''الم'' سے پڑھنا بہتر ہے؛ مگر یہ معنی نہیں ہیں کہ ہمیشہ اسی طرح بالالتزام انیسویں رکعت میں ختم کرکے بیسویں میں ''الم'' پڑھے۔ اب بتائے ان دونوں طریقوں میں کون سا طریقہ بہتر وافضل ہے کون سا صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

اصل مقصود حدیث ''الحال المرتحل'' پر عمل کرنا ہے، وہ دونوں صورتوں میں حاصل ہے؛ لیکن انیسویں میں ختم کرکے بیسویں میں شروع کرنے سے خلاف ترتیب لازم آتا ہے، جوکہ مکروہ ہے۔ شامی میں اس صورت کو کراہت سے مستثنیٰ کیا ہے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۳۱۹/۷-۳۲۰)

تراویح میں ختم قرآن کا صحیح طریقہ کیا ہے:

سوال: تراویح میں جب قرآن پاک ختم کیا جاتا ہے تو بعض حفاظ کرام آخری دوگانہ میں تین مرتبہ سورۂ اخلاص، ایک مرتبہ سورۂ فلق، سورۃ الناس اور دوسری رکعت میں البقرہ کا پہلا رکوع پڑھتے ہیں اور بعض حفاظ سورۂ اخلاص کو صرف ایک مرتبہ پڑھتے ہیں اور آخری دو رکعتوں میں البقرہ کا پہلا رکوع اور دوسری رکعت میں سورۂ الصافات کی

(۱) (قوله:إلا إذا ختم،الخ)قال فی شرح المنية:وفی الوالوالجية:من يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ من المعوذتين فی الركعة الأولٰى يركع،ثم يقرأ فی الثانية بالفاتحة وشئ من سورة البقرة؛لأن النبی صلى الله عليه وسلم قال:خير الناس الحال المرتحل: أی الخاتم المفتتح.(ردالمحتار،باب الصلاة،فصل فی القراءة،مطلب الإستماع للقرآن فرض كفاية: ۲۶۹/۲،مكتبة زكريا ديوبند)(سنن الترمذی،باب،رقم الحديث:۲۹۴۸/المستدرک للحاكم،ذكر فضائل سور،رقم الحديث:۲۰۸۸،انيس)

(۲) السعاية فی كشف ما فی شرح الوقاية، كتاب الصلاة، فی القراءة: ۳۰۹/۲، سهيل اكيدمی لاهور

(۳) ([فرع] فی آخر الكنز: ينبغی لحافظ القرآن فی كل أربعين يومًا أن يختم مرة،والله أعلم".(الدر المختار، كتاب الخنثٰى،مسائل شتٰى: ۳۵۱/۲،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

تنبیہ: لیکن بیسویں میں ''الم'' سے شروع کرکے ''مفلحون'' تک پڑھ کر رکھ دینا اور پھر آئندہ سال رمضان شریف کی پہلی شب کو ''الم'' سے شروع کرنا اور درمیانی گیارہ ماہ تک بند اور ملتوی رکھنا مناسب نہیں؛ بلکہ حفاظ کو تمام سال اپنی نوافل میں یہ سلسلہ ختم جاری رکھنا چاہیے۔(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فی القراءة: ۵۴۷/۱،سعيد)

آخری آیات پڑھتے ہیں، ختم قرآن تراویح کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب ——————

ویسے تو قرآن شریف سورۂ والناس پر ختم ہوجاتا ہے، لہٰذا اگر کوئی حافظ سورۃ الناس آخری رکعت میں پڑھیں اور سورۃ البقرہ شروع نہ کریں تو یہ درست ہے؛ لیکن جو حفاظ کرام سوۃ الناس کے بعد بیسویں رکعت میں سورۃ البقرۃ شروع کردیتے ہیں، یا انیسویں رکعت میں سورۃ البقرہ اور بیسویں رکعت میں سورۂ والصافات کی آخری دعائیہ آیات پڑھتے ہیں تو اگر اس طریقہ کو وہ لازمی نہیں سمجھتے ہیں تو اس طرح سے ختم قرآن کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ سورۃ الناس کے بعد سورۃ البقرہ شروع کرنے میں اس بات کی طرف لطیف سا اشارہ ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن میں تسلسل ہونا چاہیے اور حدیث شریف میں اس کی تعریف آتی ہے کہ آدمی قرآن کریم ختم کرکے دوبارہ شروع کردے؛ اس لیے یہ بہتر ہے کہ ایک قرآن ختم کرکے فورا دوسرا قرآن شروع کردیا جائے، البتہ اس طریقہ کو اگر لازمی سمجھا جائے تو درست نہیں۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۹۲/۴)

تراویح میں ختم قرآن کا طریقہ:

سوال: تراویح میں ختم قرآن کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ اگر کوئی شخص ختم قرآن میں آخری دو رکعتوں میں پہلی میں ''الم'' یا آیۃ الکرسی'' یا امن الرسول'' سے ختم سورت تک پڑھ کر ایک رکعت کرے اور دوسری میں قرآن کریم کی تمام آیتیں دعاؤں والی پڑھے جن کی وجہ سے پہلی رکعت چھوٹی اور دوسری رکعت طویل ہوجائے اور لوگ سن کر بہت زور سے رونے لگیں، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب —————— حامدًا ومصليًا

اگر ہر رکعت میں دس آیت پڑھے تو بہت اعتدال کے ساتھ قرآن پاک تراویح میں ختم ہوجائے۔ مقتدیوں میں ہمت ورغبت ہو تو دو ختم اور تین ختم کرلینا اعلیٰ وافضل ہے۔(۲) ختم والی شب اگر انیسویں رکعت میں ﴿والناس﴾ تک

---

(۱) وفی الولوالجية: من يختم القرآن فی الصلاة إذا فرغ من المعوذتين فی الركعة الأولیٰ يركع ثم يقرأ فی الثانية بالفاتحة وشئ من سورة البقرة؛ لأن النبی صلی الله عليه وسلم قال: خير الناس الحال المرتحل أی الخاتم المفتتح. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة، مطلب الإستماع للقرآن فرض كفاية: ۲۶۹/۲، مكتبة زكرياديوبند، انيس)

(۲) عن الحسن قال: من أم الناس فی رمضان فليأخذ بهم اليسر، فإن كان بطئ القراءة فليختم القرآن ختمه وإن كان قراءة بين ذلک فختمه ونصف وإن كان سريع القراءة فمرتين. (مصنف ابن أبی شيبة، باب فی صلاة رمضان: ۴۲۸/۱۵، انيس)

(قوله: والختم مرة) والمجهور علیٰ أن السنة الختم مرة، فلا يترک لكسل القوم، ويختم فی الليلة السابع و العشرين لكثرة الأخبار أنها ليلة القدر، ومرتين فضيلة، وثلاث مرات فی كل عشر مرة أفضل ... وفی مختارات النوازل: أنه يقرأ فی كل ركعة عشر آيات، وهو الصحيح؛ لأن السنة فيها الختم؛ لأن جميع عدد الركعات فی جميع الشهر ستمائة ركعة، وجميع آيات القرآن ستة آلاف، ونص فی الخانية علیٰ أنه الصحيح. (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۱۲۰/۲-۱۲۱، رشيدية)

پڑھ کر بیسویں رکعت میں سورۂ بقرہ کی آیات ﴿المفلحون﴾ تک پڑھے تو یہ بھی مستحسن ہے۔(۱) دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے طویل کرنا یہ مستحسن نہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳۹۳/۸/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳۹۳/۸/۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۱۳/۷-۳۱۴)

ختم تراویح کے وقت مٹھائی کی تقسیم:

سوال: ختم تراویح پر کچھ تقسیم کرنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

ختم تراویح میں کچھ تقسیم کرنا روایات میں نظر سے نہیں گزرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کہ سورۂ بقرہ کو یاد کرلیا تو خوشی میں احباب کے کھانے کی دعوت کی، (۳) اس روایت سے اور اس ہی قسم کی دوسری روایات سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اگر ختم قرآن جیسی نعمت حاصل ہونے پر احباب وغیرہ کو کچھ پیش کیا جائے تو خلاف شرع نہ ہوگا اور امید ہے کہ ذریعہ خوشنودی باری عزّ اسمہ ہو؛ مگر جو طریقہ آج کل رائج ہو رہا ہے کہ مساجد میں اہل و نا اہل سب جمع ہوکر نمازیوں کو مشوش کر تے اور شور وشغب عمل میں لاتے ہیں، تقسیم میں مار پیٹ، گالی غلوچ وغیرہ رونما ہوتی ہے، بانٹنے کی چیزیں فرش مسجد پر گرتی ہیں اور فرش گندہ ہوکر نمازیوں کو تکلیف دیتا ہے اور اس قسم کی بہت سی خرابیاں رونما ہوتی ہیں، چندہ جبری طریقہ سے وصول کیا جاتا ہے، غیر مستطیع (نادار) کو طعنے دیئے جاتے ہیں، التزام مالا یلزم ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ امور ایسے ہیں، جن کی بنا پر یا تو اس کو بالکل بند کرا دینا چاہیے، یا اس کی اصلاح اس طرح کرنی چاہیے کہ اصحاب استطاعت (مالدار) حضرات اپنی خوشی سے جو کچھ میسر ہو، لائیں اور مسجد سے باہر تقسیم کیا جائے، مسجد میں کسی کو کچھ نہ دیا جائے، جو لوگ آئیں، ان کو تاکید کی جائے کہ ختم تک بالکل ساکت وصامت (خاموش) رہیں، دعا میں اخلاص کے ساتھ شرکت کریں، بچوں اور شور شغب کرنے والوں کو مسجد سے باہر ہی بٹھایا جائے۔

(مکتوبات: ۱۹۵/۱-۱۹۶) (فتاویٰ شیخ الاسلام، ص: ۵۵)

---

(۱) (قوله: إلا إذا ختم، إلخ) وفي الولوالجية: من يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ من المعوذتين في الركعة الأولىٰ يركع، ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة و شئ من سورة البقرة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خير الناس الحال المرتحل: أي الخاتم المفتتح". (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، مطلب الإستماع للقرآن فرض كفاية: ۲۶۹/۲، انيس)

(۲) (قوله: مطلقًا) قال في شرح المنية: والأصح كراهة إطالة الثانية على الأولىٰ في النفل أيضًا الحاقا له بالفرض فيما لم يرد به تخصيص من التوسعة كجوازه قاعدًا بلاعذر ونحوه، وأما إطالة الثالثة على الثانية والأولىٰ، فلا تكره، لما أنه شفع أخر. (رد المحتار، مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية: ۲۶۵/۲، ديوبند، انيس) (في مراقي الفلاح، فصل في المكروهات ۳۵۱، قديمي)

(۳) عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: تعلم عمر بن الخطاب رضي الله عنه البقرة في إثنى عشرة سنة فلما أتمها نحر جزورًا. (شعب الإيمان للبيهقي، فصل في تعاليم القرآن: ۳۳۱/۲، رقم الحديث: ۱۹۵۷، بيروت، انيس)

تراویح میں ختم قرآن کے وقت شیرینی کی تقسیم:

سوال: تراویح میں ختم قرآن کے وقت آپس میں لوگ بخوشی چندہ کرکے شیرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں، شریعت میں اس کا کہیں سے ثبوت ہے، یا نہیں؟ اگر ہے تو فبہا اور اگر نہیں تو تقسیم کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

جب کہ بخوشی بلا جبر واکراہ چندہ دیتے ہیں تو شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا درست ہے؛ لیکن اس کو ضروری، واجب، یا سنت نہیں سمجھنا چاہیے، اس کا اہتمام بھی نہیں کرنا چاہیے اور ترک کرنے پر ملامت بھی نہیں کرنا چاہیے اور مسجد کی بے حرمتی اور شور وشغب سے بھی بچنا چاہیے۔ (کمافی مجموعہ جلد ثانی، صفحہ:۲۹۷، لمولانا عبدالحیٔ لکنویؒ وغیرہ) (فتاویٰ احیاء العلوم: ۱/۳۳۱) ☆

ختم تراویح پر مٹھائی وغیرہ کے لیے چندہ دینا:

سوال: ختم شریف کی خوشی میں اللہ کے نام کا پیسہ اکٹھا کرکے مٹھائی چالیس کلو بنوانا اور اس میں روشنی کرنا، سجانا، خاص کر غیر مسلم کو دعوت دینا، کیا یہ سب ہمارے مذہب میں جائز ہے، یا صرف مٹھائی بانٹنا جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

ختم قرآن شریف پر مٹھائی کے لیے چندہ کرنے میں عامۃً حدود کی رعایت نہیں کی جاتی، اس کو لازم سمجھا جاتا ہے، چندہ لینے میں زور ڈالا جاتا ہے، عار دلائی جاتی ہے کہ فلاں نے کم کردیا، تفاخر کیا جاتا ہے، بعض آدمی مجبوراً قرض لے کر دیتے ہیں، ان خرابیوں کی وجہ سے اس کو منع کیا جاتا ہے۔ روشنی اور سجاوٹ اسراف تک کی جاتی ہے، اس کی اجازت نہیں۔(۱) ختم قران کو خاندانی شادی کی تقریب قرار دے کر اس میں مدعو کرنا خاص کر غیر مسلم کو ہرگز نہیں چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۹/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۴۱-۳۴۲)

ختم تراویح میں چراغاں اور امام صاحب کی خدمت کے لیے چندہ دینا:

سوال: رمضان میں ختم کے سلسلہ میں جولوگ چندہ دیتے ہیں حافظ کو دینے کے لیے، شیرینی و چراغاں کرنے

☆ **ملفوظ:**

جس صورت میں لوگوں کے جمع ہونے سے مسجد کی بے تعظیمی ہوتی ہے، ایسی صورت میں چپکے سے ختم کر دینا اور کسی کو خبر نہ کرنا بہت بہتر اور مناسب ہے اور جس شخص نے بیس تراویح پڑھ لی ہوں، پھر کسی دوسری مسجد میں تراویح ہوتی دیکھے تو شریک ہوجاوے، کچھ حرج نہیں؛ بلکہ ثواب ہے۔ (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۲۶)

(۳) عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. {رواه البيهقي في شعب الإيمان، والدارقطني في المجتبیٰ} (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب و العارية، الفصل الثاني، ص:٢٥٥، قديمي) ==

کے لیے، آیا وہ لوگ ثواب کے مستحق ہیں، یا نہیں؟ یا اپنے گناہوں میں چندہ دیکر اضافہ گناہوں کا کرتے ہیں، جیسا کہ حافظ کو اجرت دینا حرام ہے، روشنی زیادہ بدعت ہے؟

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصليًا

بدعت اور ناجائز کام کے لیے چندہ دینا ناجائز ہے، لقوله تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (الآية)(۲)
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۱۳۶۱ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۲/۷)

ختم قرآن کے موقع پر پانی وغیرہ دم کرانا:

سوال: رمضان میں ختم قرآن کے موقع پر امام صاحب سے پانی، سونپ، نمک، سرمہ، تیل وغیرہ پر نمازی دم کراتے ہیں اور تبرک سمجھ کر اس کو استعمال کرتے ہیں، اس وقت خاص برکت ہوتی ہے یا ہمیشہ ختم کرا کے دم کرائے؟ اس رسم کو جاری رکھنے میں حرج ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصليًا

قرآن کریم کی برکت ہمیشہ ہوتی ہے، رمضان شریف کی برکت رمضان کے ساتھ خاص ہے، ختم کی برکت ختم کے ساتھ خاص ہے، تراویح کی برکت تراویح کے ساتھ؛ اس لیے اس وقت دم کرانے میں مضائقہ نہیں؛ مگر اس کو رسم بنانا اور التزام کرنا نہیں چاہیے۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۱۳۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۰/۷-۳۴۱)

== قال الله تعالىٰ: (ولا تسرفوا إنه لا يحب المسرفين) (الأعراف: ۳۱) وقال الله تعالىٰ: (لاتبذر تبذيرًا) لما أمر بالانفاق، نهى عن الإسراف فيه ... (إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين): أى أشباههم في ذلک، قال ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه: التبذير الإنفاق في غير الحق ... وقال قتادة: التبذير النفقة فى معصية الله تعالىٰ، وفى غير الحق و الفساد" (تفسير ابن كثير، سورة الإسراء: ۵۳/۳، مكتبة دار السلام الرياض، انيس)

(۲) وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم. (تفسير ابن كثير، سورة المائدة: ۱۰/۲۲، مكتبه دار السلم رياض، انيس)

نهى عن معاونة غيرنا على معاصى الله تعالىٰ. (أحكام القرآن للجصاص، الجزء السادس سورة المائدة: ۴۲۹/۲، قديمى)

(۳) ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسمآء الله تعالىٰ ... قالوا ... وأما ما كان من القرآن أو شئ من الدعوات، فلا بأس به". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى اللبس: ۳۶۳/۶، سعيد)

تراویح میں تعوذ وتسمیہ کے مسائل

تراویح میں ثنا اور تعوذ:

سوال: تراویح میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ حفاظ کرام تکبیر تحریمہ کے بعد فوراً قرآن مجید کی قرأت شروع کر دیتے ہیں۔ شاید ثنا وغیرہ نہیں پڑھتے تو کیا تراویح کے لیے ثنا وغیرہ سے متعلق احکام مختلف ہیں؟ اور چوں کہ طویل نماز ہوتی ہے؛ اس لیے قرأت پر اکتفا کر لینا درست ہے؟ (عبدالمغنی، دبیر پورہ)

الجواب

تراویح کی نماز میں بھی ہر دو رکعت کے شروع میں ثنا، تعوذ اور بسم اللہ پڑھنے کا وہی حکم ہے، جو دوسری نمازوں میں ہے؛ اس لیے عجلت کی وجہ سے ان کا چھوڑ دینا، اسی طرح رکوع اور سجدے اور دونوں سجدوں کے درمیان کے وقفہ کو اتنی جلدی ادا کرنا کہ طمانینت کے ساتھ یہ ادا نہ ہو پائیں، درست نہیں ہے۔ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے ان سب کو نماز تراویح کے منکرات میں شمار کیا ہے۔

"مع اشتمالها علىٰ ترک الثناء والتعوذ والبسملة فی أول کل شفع". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۳۹۰-۳۹۱)

تسمیہ سورۂ نمل کے علاوہ بسم اللہ پڑھنا:

سوال: اگر کوئی حافظ تراویح میں پورے قرآن میں سورۂ نمل کی بسم اللہ کے علاوہ جو کہ جزو قرآن ہے، کسی جگہ بھی بسم اللہ نہ پڑھے تو ختم قرآن کامل ہوگا، یا ناقص؟

الجواب

کامل نہیں ہوگا، کیوں کہ بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے اور سورتوں میں فصل کرنے کی غرض سے اس کو قرآن میں مکرر لایا گیا ہے، لہٰذا تراویح میں ختمِ قرآن کے وقت کسی ایک سورت کے شروع میں اس کو پڑھنا ضروری ہے اور چھوڑنے کی صورت میں ختمِ قرآن ناقص رہے گا۔

تنویر المنار میں ہے:

(۱) البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة التراويح: ٤/٣١٩، دار الكتاب الإسلامي، انيس

حنفیہ برآنند کہ بسم اللہ آیت واحدہ است مکرر شدہ برائے فصل میانِ سور، پس قرآن عبارات است از مائۃ وچاردہ سور و یک آیت، پس در ختم قرآن یک بار بسم اللہ ضروری ست برسر ہر سورہ کہ خواہد ونیست جز و ہر سورہ، چناں چہ مذہب امام شافعی است کہ بسم اللہ مائۃ وسیزدہ آیت ست ودر قرآن بر ہر سورہ سوائے برأت واگر در یک جا ترک کرد ترک کرد ختم را۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۱۹)

سورۂ نمل کے علاوہ کسی اور سورت میں جہراً بسم اللہ پڑھنا:

سوال: کیا کسی سورت کے اول میں ایک مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بآواز بلند تراویح میں پڑھنا مسنون، یا واجب ہے؟ یعنی علاوہ سورہ نمل کے ﴿وأنه بسم الله الرحمن الرحيم﴾؟

الجواب

ہاں ختم قرآن تراویح میں کسی ایک سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا جہر کرنا چاہیے، ورنہ ختم ناقص رہے گا۔

قال فی نور الأنوار: والأصح أنها أی التسمیة من القران،إلخ،قال المحشی:فالقران عبارة عن مأ ة وأر بعة عشرة سورة وآية وهی التسمية فلا بد فی ختم القراٰن من قراء ة التسمية مرة (أی جهرًا)علٰى صدر آية سورة كانت وهٰذا كله عند نا على المختاروعند الإمام الشافعی هی جزء من كل سورة سوٰى سورة البراءة فهی مائة وثلاثون عشر آية فلوتركت فی صد رسورة ما حصل الختم ثم هٰذا الاختلاف فی غير البسملة التی فی سورة النمل وأما ما فی النمل فهی بعض آية اتفاقًا،آه. (ص:۹)وإنما قيدنا قراء تها بالجهر؛لأن الإمام لو قرأها سرًا تم ختمه دون ختم السامعين. (۱) واللہ اعلم

۱۳؍شوال ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام:۲/)

تراویح میں ہر سورت پر بسم اللہ پڑھنے، یا نہ پڑھنے میں امام ابوحنیفہ:

سوال: نماز تراویح میں بسم اللہ شریف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سراً، یا جہراً ہر سورت کے شروع میں پڑھنا جائز ہے، یا ناجائز؟ یا تمام قرآن شریف میں امام موصوف کے نزدیک صرف ایک ہی مرتبہ پڑھنا سراً، یا جہراً کافی ہے؟ پھر ان میں کون سا عمل امام موصوف کے نزدیک اولیٰ ہے اور نماز تراویح میں قاری کو کس امام، یا راوی کی تقلید ضروری ہے اور اگر نماز تراویح میں قرآن کے اندر قاری امام ابوحنیفہ صاحبؒ کی تقلید کرے تو شبہ یہ ہوتا ہے کہ قرآن تو پڑھا جاتا ہے راوی حفصؒ کی روایت میں، پھر امام موصوف کی تقلید کس طرح کرے گا؟ اور کیوں کہ امام صاحبؒ کی تقلید کے موافق یعنی ہر سورت کے شروع میں بسم للہ شریف نہ پڑھی جائے تو حفصؒ کی روایت کے مطابق قرآن مجید پورا نہیں ہوتا،

(۱) نور الأنوار فی شرح المنار،مبحث الكتاب،ص:۹،مكتبة بلال،انيس

کیوں کہ بسم اللہ شریف کو آپ نے ہر سورت کا جز فرمایا ہے، لہذا نماز تراویح میں قاری کو ان میں سے کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیے اور کس کی تقلید ضروری ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

امام عاصم، یا حفص رحمہما اللہ کی تقلید صرف قرآن کی تلاوت اور وجوہِ قرأت میں کی جاتی ہے، باقی احکامِ صلوٰۃ میں ان کی تقلید نہ ہوگی؛ بلکہ اس میں فقہا کی تقلید ہوگی۔ سو ابوحنیفہؒ کے نزدیک بسم اللہ صرف ایک مرتبہ پڑھنا ختمِ قرآن کے لیے ضروری ہے، اگر ایک دفعہ کسی سورت پر بسم اللہ پڑھ دی گئی تو قرآن پورا ہوگیا اور بہتر یہ ہے کہ ایک دفعہ تراویح میں اس آیت کو جہراً پڑھا جائے، جیسا کہ تراویح میں قرآن جہر سے پڑھا جاتا ہے۔ اگر امام کسی جگہ بھی بسم اللہ کو جہر سے نہ پڑھے؛ بلکہ کسی ایک جگہ پڑھ لے تو امام کا ختم تو پورا ہوجائے گا؛ لیکن سامعین کے ختم میں ایک آیت کی کمی رہے گی، باقی سب سورتوں کے اول میں بسم اللہ جہر سے پڑھنا امام صاحبؒ کے نزدیک مکروہ ہے اور ہر سورت کے اول میں سراً پڑھنا جائز ہے؛ بلکہ اگر مقتدیوں پر تطویل کا خوف نہ ہو تو مستحب ہے۔ واللہ اعلم

۲ر جمادی الاولی ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۴۳-۲۴۴)

تراویح میں ہر سورت پر ''بسم اللہ'':

سوال: عبداللہ نے تراویح میں قرآن کریم اس طرح پر سنایا کہ ہر سورت شریف سے پہلے ''بسم اللہ'' بالجہر پڑھی اور جب ''سورۃ الضحیٰ'' کو پہنچا تو ہر سورت شریف کے بعد ''والناس'' تک تکبیرات پڑھیں۔ دریافت کرنے پر اس نے کہا: اگرچہ میں حنفی المذہب؛ لیکن میں قرأت میں جس امام کی قرأت پڑھتا ہوں، ان کا پیروں ہوں، ان کا طریقہ یہی ہے، جس کو ائمہ قرأت نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے، میں ان کا اتباع کرتے ہوئے ''بسم اللہ بین السورتین'' اور ''تکبیرات دراواخر السورۃ از ''الضحیٰ'' تا ''والناس'' پڑھیں، چوں کہ مذہب کی کسی مستند کتاب میں اس کی ممانعت میری نظر سے نہیں گزری ہے؛ اس لیے میں اپنے طریقہ پر اچھی طرح ثابت ہوں۔ اب دریافت طلب امر یہ تین امر ہیں:

(۱) ''بسم اللہ بالجهر بين السور'' قرآن مجید سنانے والے کو نماز میں پڑھنا چاہیے، یا نہیں؟

(۲) تکبیرات کا پڑھنا قرآن مجید سنانے والے کو نماز میں اور پھر خاص کر نوافل میں ائمہ مذاہب کے نزدیک جائز ہے، یا نہیں؟

(۳) ائمہ قرأت سے معتبر کتابوں میں جو کچھ منقول ہے، اس پر عمل کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ جواب مدلل بحوالہ کتاب ہو؟ فقط

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

(۱) جو شخص تمام کلام اللہ تراویح میں سنائے، اس کو کسی ایک سورت کے شروع میں بسم اللہ شریف کو بالجہر

پڑھنی چاہیے، ورنہ ختم قرآن شریف کی سنت ادا نہیں ہوگی۔ اگر آہستہ پڑھے تو مقتدیوں کا قرآن شریف پورا نہیں ہوگا؛ بلکہ ایک آیت کی کمی رہ جائے گی۔

”لوقرأ تمام القرآن فی التراویح،ولم یقرأ البسملة فی ابتداء سورة من السورسوا ما فی النملة،لم یخرج عند عهدة السنیة،ولو قرأها سراً خرج عن العهدة؛لکن لم یخرج المقتدون عن العهدة،آه“.(أحکام القنطرة،ص:۲۷۳)(۱)

ہرسورت کے شروع میں بسم اللہ شریف کو بالجہر پڑھنا؛حتیٰ کہ اگر ایک رکعت میں متعدد سورتیں بالجہر پڑھے تو ان کے درمیان بالجہر پڑھنا خلاف سنت ہے اور ایسی صورت میں آہستہ بھی نہ پڑھے،البتہ اگر قرأت بالسر پڑھے تو ہرسورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا احسن ہے،بسم اللہ شریف حنفیہ کے نزدیک نہ سورۂ فاتحہ کا جزو ہے،نہ ہرسورت کا؛ بلکہ کلام اللہ شریف کی ایک آیت ہے،جو سورتوں کے درمیان فصل کے لیے نازل ہوئی ہے۔

”وتسن (التسمية أول كل ركعة) قبل الفاتحة لأنه صلى الله عليه وسلم كان يفتتح صلاته ببسم الله الرحمٰن الرحيم،آه“.(مراقی الفلاح)

”وهی آیة واحدة من القرآن ... وأنزلت للفصل بین السور ... ولیست من الفاتحة ،ولا من کل سورة،آه“.(الطحطاوی،ص:۱٤۱)(۲)

قال الجصاص:”واختلفوا فی تکرارها فی کل رکعة،وعند افتتاح السورة،فروی أبویوسف عن أبی حنیفة أنه یقرأها فی کل رکعة مرة واحدة عند إبتداء قراء ة فاتحة الکتاب،ولا یعیدها مع السورة عند أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ وأبی یوسف رحمه الله تعالیٰ وقال محمد والحسن بن زیاد عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ: إذا قرأها فی أول رکعة عند ابتداء القراء ة،لم یکن علیه إن یقرأها فی تلک الصلاة حتیٰ یسلم،وإن قرأها مع کل سورة فحسن...وروی هشام عن أبی یوسف رحمه الله قال:سألت أبا حنیفة رحمه الله تعالیٰ عن قراء ة ”بسم الله الرحمٰن الرحیم“ قبل فاتحة الکتاب وتجدیدها قبل السورة التی بعد فاتحة الکتاب؟ فقال أبوحنیفة رحمه الله تعالیٰ: یجزیه قراء تها قبل الحمد.وقال أبویوسف رحمه الله تعالیٰ: یقرأها ما فی کل رکعة قبل القراء ة مرة واحدة ویعیدها فی الأخریٰ أیضاً قبل فاتحة الکتاب وبعدها إذا أراد أن یقرأسورة،قال محمد: فإن قرأ سوراً کثیرة وکانت قراء ته تخفیفها، قرأهاعند افتتاح کل سورة، وإن کان یجهر بها لم یقرأها؛ لأنه فی الجهریفصل بین السورتین بسکتة، آه “.(أحکام القرآن: ۱/۱۳)(۳)

---

(۱) مجموعة رسائل اللکنوی،أحکام القنطرة فی أحکام البسملة: ۱/۱۷،إدارة القران کراتشی

(۲) حاشیة الطحطاوی مع مراقی الفلاح،کتاب الصلاة،باب الأذان،فصل فی بیان سننها: ۲٦۰،قدیمی،انیس

(۳) أحکام القرآن للجصاص،باب القول فی بسم الله الرحمن الرحیم،فصل:قراء ة البسملة فی الصلاة: ۱/۱۳،دارالکتب العلمیة،انیس

(۲)　عامۂ شوافع کے نزدیک سنت ہر قرأت میں ہے، بعض نے انکار بھی کیا ہے۔ قراء حنابلہ کے نزدیک مستحب نہیں، سوائے ابن کثیر کے۔ حنفیہ اور مالکیہ کتب فقہ میں یہ مسئلہ صراحۃ نہیں ملا۔

قال ابن الحجر المکی بعد الکلام علی الروایۃ: "فثبت بما ذکرناہ عن الشافعی رضی اللّٰہ عنہ وبعض مشایخہ وغیرھم أنہ سنۃ فی الصلاۃ ... ووقع لبعض الشافعیۃ من المتأخرین الإنکار علی من کبر فی الصلاۃ، فرد ذلک علیہ غیر واحد، وشنعوا علیہ فی ھذا الانکار. قال ابن الجوزی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: ولم أرَ للحنفیۃ ولا للمالکیۃ نقلاً بعد التتبع، وأما الحنابلۃ ففی فروعھم لابن مفلح: وھل یکبر لختمہ من الضحی أو ألم نشرح لک آخر کل سورۃ؟ فیہ روایتان، ولم یستحبہ الحنابلۃ القراء غیر ابن کثیر، آہ". (الفتاویٰ الحدیثیۃ مختصراً، ص: ۱۵۲)(۱)

ملا علی قاریؒ نے شرح شاطبی میں لکھا ہے:

"والتکبیر المذکور سنۃ عند الشافعی فی کل قراءۃ، ورأیتہ سواء کان بمکۃ أو غیرھا، وعند الحنفیۃ فمخمصۃ بقراءۃ ابن کثیر ولو کانت القراءۃ بمکۃ، آہ".

ظاہر یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نماز میں یہ تکبیر مسنون نہیں؛ اس لیے مسنونات نماز، یا تراویح میں اس کو تحریر نہیں کیا۔ نیز اس میں جزء قرآن ہونے کا شبہ ہوتا ہے؛ اس لیے بھی نماز میں اس سے احتراز مناسب ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے اتقان میں مانعین کی طرف سے اس کو نقل کیا ہے۔(۲)

(۳)　ائمہ قرأت سے جو قواعد فن تجوید کی معتبر کتابوں میں منقول ہے، وہ معتبر ومعمول بہا ہیں۔ اگر نماز میں کوئی مسئلہ قرأت مسئلہ فقہ سے مقابل ہوگا تو اس صورت میں فقہ کی معتبر کتابوں پر عمل کیا جائے گا، جیسا کہ "بسم اللہ الرحمٰن بین السور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱۲/۱۳۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۰۰-۳۰۳)

بسم اللہ کا تراویح میں جہراً پڑھنا کیسا ہے:

سوال:　اضلاع پشاور وغیرہ میں بوقت ختم تراویح کسی سورہ کے اول میں بھی بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم کو

---

(۱)　الفتاویٰ الحدیثیۃ، باب الأحکام المتعلقۃ بالقرآن من التفسیر والراءات، مطلب: التکبیر من الضحی إلی سورۃ الناس فی الصلاۃ وغیرھا: ۱/۲۹۷ - ۲۹۸، قدیمی، انیس

(۲)　قال سلیم الرازی من أصحابنا فی تفسیرہ: یکبر بین کل سورتین تکبیرۃ، ولا یصل آخر السورۃ بالتکبیر، بل یفصل بینھما بسکتۃ، قال: ومن لا یکبر من القراء حجتھم أن فی ذلک ذریعۃ إلی الزیادۃ فی القرآن بأن یداوم علیہ، ویتوھم أنہ منہ. (الإتقان فی علوم القرآن، النوع الخامس و الثلاثون فی آداب تلاوتہ وتألیفہ: ۱/۲۲۴، دار ذی القربیٰ)

جہراً نہیں پڑھتے اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے جہر ثابت نہیں اور جزو قرآن ہونا جہر کو مستلزم نہیں، حالاں کہ علمائے ہندوستان ایک دفعہ جہر کرتے ہیں اور فتاویٰ مولانا عبدالحئی صاحب میں ایک بار جہراً پڑھنا مسنون لکھا ہے۔اس کے جہر کی کیا وجہ ہے؟

الجواب

جہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایک جگہ اس لیے ہے کہ وہ تمام قرآن کا جزو ہے اور ایک جگہ بھی جہر نہ ہونے میں سامعین کا قرآن سننا پورا نہ ہوگا۔ پس یہ بنا جہر کی معلوم ہوتی ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ جزو قرآن شریف ہونا جہر کو مستلزم نہیں ؛ مگر چوں کہ تمام قرآن شریف کا ختم تراویح میں مسنون ہے؛ اس لیے جہر بالتسمیہ کو بھی سنت کہا گیا ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۲۶۲/۴-۲۶۳)

بسم اللہ کا جہر سے پڑھنا کیسا ہے:

سوال: کیا کوئی روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کے ساتھ نازل ہوئی ہے، احتیاطاً تراویح میں جہر کے ساتھ ہر سورۃ پڑھی جاوے، علاوہ بسم اللہ کے، اگر جہر سے پڑھا تو گنہگار ہوگا؟

الجواب

اکثر روایات میں یہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأت الحمد سے شروع فرماتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ کا جہر نہ فرماتے تھے۔یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا، پس ہر ایک سورت کے ساتھ جہر نہ کرنا چاہیے۔صرف تمام قرآن شریف میں ایک دفعہ کسی سورت میں جہر سے پڑھ دیوے۔(والتفصیل فی کتب الفقہ)(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۲۶۷/۴-۲۶۸)

کیا تراویح میں ہر سورہ کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنا چاہیے:

سوال: ایک مولوی حافظ قرآن بھی ہیں اور قاری بھی ہیں، وہ نماز تراویح میں ہر سورہ پر بعد از فاتحہ بسم اللہ جہر سے پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں نہ کوئی قباحت ہے، نہ کراہت۔ بالجہر پڑھنے کے ثبوت میں یوں فرماتے ہیں

---

(۱) وهی (أی البسملة) آیة واحدة من القرآن کله.(الدر المختار علی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ الفارسية أو التوراة والإنجيل: ۷۵/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) وكما تعوذ سمّٰى ، الخ، سرًّا.(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية والتوراة والإنجيل: ۷۵/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

قال فی الكفاية عن المجتبىٰ: والثالث أنه لايجهر بها فی الصلوٰة عندنا، إلخ.(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، مطلب فی بيان المتواتر بالشاذ: ۱۹۲/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

کہ تراویح میں جیسا کہ تکمیل قرآن قرأت مقصود اور سنت مؤکدہ ہے، ویسا ہی تکمیل قرآن سماعۃً بھی مقتدیوں کے حق میں مقصود ہے۔ لہٰذا تراویح میں جب تک بسم اللہ جہر سے ہر سورہ میں نہ پڑھی جاوے گی، اختلاف مقتدیوں کے حق میں رفع نہ ہوگا اور اختلاف بھی مجتہدین ہی کا نہیں؛ بلکہ ائمہ قرأت کا بھی ہے۔ آیا ہر سورہ پر بعد از فاتحہ تراویح میں بسم اللہ جہر سے پڑھنا کیسا ہے اور تسمیہ میں قاری حنفی کو اپنے ائمہ مجتہدین کا اتباع کر کے بالسر پڑھنا چاہیے، یا ائمہ قرأت کے اتباع سے بالجہر پڑھنا چاہیے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

درمختار میں ہے:

وکما تعوذ سمیٰ، إلخ سرًّا، إلخ. (قوله سرًّا، إلخ): قال فی الکفایة عن المجتبٰی: والثالث أنه لایجهر بها فی الصلاة عندنا خلافاً للشافعی وفی خارج الصلاة اختلاف الروایات والمشایخ فی التعوذ والتسمیة قیل یخفی التعوذ دون التسمیة و الصحیح أنه یتخیّر فیهما ولکن یتبع إمامه من القراء وهم یجهرون بهما إلا حمزة فإنه یخفیهما، اهـ. (ردالمحتار: ۱/ ۳۲۹)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے اندر حنفیہ کے نزدیک باتفاق بسم اللہ کو سرًّا پڑھنا چاہیے، اس میں حنفیہ میں سے کسی کا خلاف نہیں ہے اور اطلاق صلوٰۃ شامل ہے نماز فرض اور نفل وتراویح وغیرہ کو اور یہ بھی اس عبارت سے واضح ہوا کہ اتباع امام من القرأت خارج صلوٰۃ میں ہے، نہ صلوٰۃ میں اور اس پر ہم نے اپنے اساتذۂ علماء احناف کو پایا ہے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۲۶۴-۲۶۵) ☆

---

(۱) رد المحتار، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، مطلب فی بیان المتواتر بالشاذ ۲/ ۱۹۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

☆ **تراویح میں ہر سورہ کے شروع میں بسم اللہ جہر سے پڑھنا کیسا ہے:**

سوال: زید صلوٰۃ تراویح میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہر سے پڑھتا ہے، شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

حنفیہ کے نزدیک نماز میں بسم اللہ کا جہر نہیں ہے، اخفا سنت ہے، تراویح ہو، یا غیر تراویح، البتہ خارج عن الصلوٰۃ جہر واخفا میں اتباع اپنے امام کا قراء میں سے کرے۔ شامی میں ہے:

"والثالث أنه لایجهر بها فی الصلاة عندنا خلافاً للشافعی وفی خارج الصلاة اختلاف الروایات والمشایخ فی التعوذ والتسمیة قیل یخفی التعوذ دون التسمیة و الصحیح أنه یتخیّر فیهما ولکن یتبع إمامه من القراء وهم یجهرون بهما إلا حمزة فإنه یخفیهما، إلخ. (شامی) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، مطلب فی بیان المتواتر بالشاذ: ۲/ ۱۹۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

باقی اگر کوئی شخص نوافل میں باتباع اپنے امام کے قراء میں سے جہر کرلے تو اس پر طعن نہ کرنا چاہیے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۲۷۸-۲۷۹)

تراویح میں ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنا:

سوال: حضرتؒ تراویح میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی جہراً پڑھتے تھے، مسلسل چند روز تک دیکھنے کے بعد آخر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت والا ایسا کیوں کرتے ہیں؟

(مولانا نعیم احمد صاحب دیوبندی)

الجواب

فرمایا کہ میں تراویح میں حفص کی قرأت کرتا ہوں، ان کی تحقیق یہ کہ بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے؛ اس لیے میں اس کی پابندی کرتا ہوں؛ لیکن چوں کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے؛ اس لیے میں فرائض میں ایسا کرنے سے احتیاط برتتا ہوں؛ مگر نوافل میں حفص کی تحقیق پر اس لیے عمل کرتا ہوں کہ ان کے نزدیک بھی پورا قرآن ختم ہو جائے، ورنہ خواہ مخواہ ایک ایک آیت ہر سورت میں تلاوت سے رہ جایا کرے گی اور اس طرح بعض لوگوں کے نزدیک پورا قرآن ختم نہ ہو سکے گا، مجھے حیرت ہے کہ لوگ ﴿عليه اللّٰه﴾ أو ﴿بسم اللّٰه مجريها و مرسٰها﴾ میں تو حفص کی قرأت کا لحاظ کر کے عام قاعدہ کے برخلاف پڑھتے ہیں، پھر بسم اللہ کی جہراً قرأت میں اور وہ بھی نوافل میں کیوں تأمل کیا جا رہا ہے؟ میں تراویح میں پورے قرآن کے ختم کے خیال سے حفص کی تحقیق پر عمل کرتا ہوں، اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں ہوتی۔ (۱)

(شیخ الاسلامؒ واقعات وکرامات کی روشنی میں، ص: ۱۴۷) (فتاویٰ شیخ الاسلام، ص: ۵۴) ☆

(۱) اس سلسلہ میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کا یہ فتویٰ بھی لائق ملاحظہ ہے: ''ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنا حضرت گنگوہیؒ کے یہاں تو معمول نہ تھا؛ مگر حکیم حافظ مسعود احمد صاحبؒ پڑھا کرتے تھے تو حضرت نے ان کو منع بھی نہیں فرمایا اور شامی میں یہ ہے کہ!

وصرح في المجتبى إن سمى بين الفاتحة والسورة المقروة سراً أو جهراً كان حسناً عند أبي حنيفة ورجحه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبي لشبهة الخلاف في كونها آية من كل سورة، بحر. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب قراء ة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن: ۱۹۲/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

خلیل احمد عفی عنہ (فتاویٰ مظاہر علوم ۴۹/۱)

☆ **تراویح میں جہراً قرأت بسملہ کا حکم:**

نوٹ: تراویح میں ہر سورت کی ابتدا میں بسم اللہ جہراً پڑھنے کے متعلق ایک مکتوب میں کسی سائل کو یہ جواب تحریر فرمایا۔ (محمد خالد عفی عنہ)

الجواب

ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنا حضرت گنگوہی کے یہاں تو معمول نہ تھا؛ مگر حکیم حافظ مسعود احمد صاحب پڑھا کرتے تھے تو حضرت نے ان کو منع بھی نہیں فرمایا اور شامی میں یہ ہے:

وصرح في المجتبى: إن سمّى بين الفاتحة والسورة المقروء ة سرًا أو جهرًا كان حسنًا عند أبي حنيفة ورجحه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبي لشبهة الخلاف في كونها آية من كل سورة، بحر. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب قراء ة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن: ۱۹۲/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

خلیل احمد عفی عنہ (فتاویٰ مظاہر علوم: ۱۲۳/۱)

تراویح میں ایک مرتبہ جہر سے بسم اللہ پڑھنا:

سوال: بسم اللہ کا جہر تراویح میں جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے؛ بلکہ اولیٰ ہے؛ کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک ﴿بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ﴾ علاوہ سورہ نمل کے بھی ایک مستقل آیت ہے، جس کا تکرار ہر سورت کے شروع میں کیا گیا ہے تو جو شخص سارا قرآن مجید ختم کرے اور بسم اللہ ایک جگہ بھی نہ پڑھے، اس کا قرآن ختم نہ ہوگا اور جس طرح سارے قرآن کو جہراً پڑھا، ایک مرتبہ کسی سورہ کے شروع میں خواہ سورہ بقرہ ہو، یا کوئی دوسری سورت، بسم اللہ کو جہراً پڑھنا چاہیے۔ تنویر المنار میں ہے:

''حنفیہ بر آنند کہ بسم اللہ آیت واحدہ است مکرر شدہ برائے فصل میان سور پس قرآن عبارت است از مائۃ وچہاردہ سورت ویک آیت پس در ختم قرآن یک بار بسم اللہ ضرور ست''، الخ۔ (امداد المفتین: ۳۱۲/۲)

تراویح میں بسم اللہ زور سے پڑھنا:

سوال: نماز تراویح میں بسم اللہ زور سے پڑھنا درست ہے؟ عام طور پر حفاظ ختم قرآن کے دن سورۂ اخلاص سے پہلے زور سے بسم اللہ پڑھتے ہیں؟ (صبغۃ اللہ، وقار آباد)

الجواب

چونکہ بسم اللہ ایک مستقل آیت ہے، جو سورتوں کے درمیان فصل پیدا کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے، سورتوں کا جزء نہیں ہے؛ اس لیے سورتوں کے شروع میں اسے آہستہ پڑھا جائے گا۔ حدیث سے بھی ایسا ہی ثابت ہے، البتہ تراویح میں کہیں ایک جگہ زور سے پڑھ لینا چاہیے؛ تاکہ قرآن مکمل ہوجائے، ناقص نہ رہے، سورۂ اخلاص سے پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن اسی سورت کے شروع میں پڑھنا ضروری نہیں، کسی بھی سورت کے شروع میں پڑھا جاسکتا ہے۔

وعلیٰ هذا ينبغي أن يقرأها في التراويح بالجهر مرة ولا تتادى سنة الختم دونها وليست جزأ من السورة. (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۳۹۵/۲-۳۹۶)

تراویح میں سورتوں کے درمیان بسم اللہ زور سے پڑھنے کی تحقیق:

سوال: اگر مروجہ حفص کی روایت میں قرآن مجید رمضان المبارک میں تراویح میں سنایا جائے تو بین السورتین بسم اللہ بآواز بلند پڑھنی چاہیے، یا کہ خفی؟ شاطبی میں لکھا ہے کہ قراء سبعہ میں سے ساڑھے تین قراء کے نزدیک بین

---

(۱) فواتح الرحموت مع المستصفى: ۱۴/۲، انيس

السور بسم اللہ ہے اور ساڑھے تین کے نزدیک بین السورتین بسم اللہ نہیں، فقط۔ اول میں جب کہ حفص کے نزدیک بین السورتین بسم اللہ ہے تو بلند آواز سے نہ پڑھنے کی کیا وجہ؟ امام کا تو قرآن مجید پورا ہو جائے گا؛ لیکن سامعین کے قرآن مجید ختم ہونے میں ۱۱۳/آیات کی کمی رہے گی؟

الجواب

بسم اللہ بین السورتین ہونے سے اس کی جزئیت تو لازم نہیں آتی، کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بسم اللہ مطلق قرآن کا جزو ہے، کسی خاص سورت کا، یا ہر سورت کا جزو نہیں۔ پس اس کا مقتضا یہ ہے کہ ایک جگہ ضرور جہر ہو، ورنہ سامعین کا قرآن پورا نہ ہوگا، گو قاری کا تو اخفاء بسم اللہ میں بھی ہو جاوے گا؛ کیوں کہ بعض اجزا کا جہر بعض کا اخفا جائز ہے، فن قرأت سے تو اس مسئلہ کا صرف اس قدر تعلق ہے، آگے فقہ سے تعلق ہے اور اس میں بسم اللہ کا اخفا ہے۔

۶/ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ: ۳۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۹۵)

حکم جہر بسم اللہ در سورۂ اقرأ:

سوال: زید نے رمضان شریف میں نماز تراویح میں بروز ختم قرآن شریف سورہ اقرأ شروع کرتے وقت زور سے بسم اللہ الرحمٰن پڑھی تو عمرو نے اس پر اعتراض کیا کہ نہ پڑھنا چاہیے اور کیا کہتا ہے کہ قرآن شریف تسلسل کے ساتھ پڑھا جا رہا تھا، بسم اللہ کو درمیان میں کیوں حائل کیا؟ زید کہتا ہے کہ بسم اللہ جزو قرآن ہے، اگر میں بسم اللہ جہر کے ساتھ نہ پڑھتا تو ایک جزو قرآن شریف کا رہ جاتا؛ لیکن عمرو زید کی اس گفتگو پر یقین نہیں کرتا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ فعل کس حد تک صحیح ہے اور کس کی بات تسلیم کی جائے، اگر دونوں راہ حق پر نہیں ہیں تو براہ شرع شریف جو حکم ہو، اس سے آگاہی فرما کر طمانیت بخشی جائے؟

الجواب

زید کا قول صحیح ہے، تمام قرآن میں ایک جگہ کسی سورت پر بسم اللہ کا جہر لازم ہے؛ تا کہ ختم پورا ہو جائے اور سورۂ اقراء پر جہر کرنا ہمارے اکابر کا مختار ہے؛ کیوں کہ یہ سورۃ نزول میں مقدم ہے اور عمرو کا یہ کہنا کہ اس سے تسلسل قرآن جاتا رہا، بالکل غلط ہے؛ کیوں کہ بسم اللہ بھی تو قرآن ہی ہے، پس قرآن کی آیت سے تسلسل قرآن میں کیوں کمی آجائے گی۔

۲/ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۰۱)

☆ ☆ ☆

تراویح میں سورتوں کے پڑھنے کے احکام

تراویح میں پارہ عم پڑھے، یا ﴿ألم تر کیف﴾:

سوال: اگر کسی شخص کو صرف کلام اللہ کا تیسواں پارہ (پارہ عم) یاد ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تراویح میں روزانہ صرف وہی ایک پارہ جو صاحب موصوف کو یاد ہے بحیثیت امام کے پڑھیں اور سنائیں، اس طرح ہر روز ایک ہی پارہ پڑھنا بہتر ہے، یا ﴿الم تر کیف﴾ سے نماز تراویح ادا کرلی جائے؟ بواپسی ڈاک مہربانی فرما کر تحریر فرمائیں، چوں کہ رمضان المبارک میں ایک ہفتہ بھی باقی نہیں تو اس جگہ اور بھی مشہور مساجد ہیں، جہاں ختم قرآن ہوا کرتا ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

بہ نسبت ﴿الم تر کیف﴾ کے ہر روز تیسواں پورا پارہ پڑھنا افضل ہے۔ پورا قرآن شریف تراویح میں ختم کرنا مسنون ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۲/۸/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۹/۷)

تراویح میں سورۂ فیل سے سورۂ ناس تک پڑھنا:

سوال: زید نے تراویح میں سورۂ فیل سے سورۂ ناس تک متواتر دو بار پڑھ کر بیسوں رکعت نماز تراویح پوری کی، اس طرح پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ و بالله التوفيق

زید نے صحیح تراویح پڑھی ہے، سورۂ فیل سے سورۂ ناس تک دوبارہ پڑھنا جائز و درست ہے۔ تراویح کی دو، دو

(۱) قوله: الأفضل في زماننا، إلخ؛ لأن تكثير الجمع افضل من تطويل القراءة ... فالحاصل: أن المصحح فى المذهب أن الختم سنة؛ لكن لا يلزم منه عدم تركه إذا لزم منه تنفير القوم وتعطيل كثير من المساجد خصوصًا فى زماننا، فالظاهر اختيار الأخف على القوم. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۷/۲، سعيد)

وصرح فى الهداية بأن أكثر المشائخ علىٰ أن السنة فيها الختم وفى مختارات النوازل أنه يقرأ فى كل ركعة عشر آيات وهو الصحيح؛ لأن السنة فيها الختم لأن جميع عدد الركعات فى جميع الشهر ست مائة ركعة وجميع آيات القرآن ستة آلاف. (البحر الرائق: ۷۴/۲، انيس)

رکعتیں علاحدہ علاحدہ نمازیں ہیں؛ اس لیے ان میں قرآن کی سورہ، یا آیتوں کو اگر ترتیب کے ساتھ پڑھائے تو نماز درست ہوگی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۵/۳/۲/۱۳۷۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۱۸)

تراویح ﴿الم تر کیف﴾ سے:

سوال: صلوٰۃ تراویح میں کلام مجید کی آخر کی دس سورتیں ختم حکمی قرار دی جاسکتی ہیں، یا نہیں؟ اور اس ختم حکمی کی اصل بھی ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

تراویح پڑھنا مستقل سنت ہے اور اس میں کم از کم ایک مرتبہ پورا قرآن شریف پڑھنا مستقل سنت ہے۔

"التراويح سنة مؤكدة للرجال والنساء". (خانية: ۱/۲۶۹)(۲)

(والختم) مرة سنة، ومرتين فضيلة، وثلاثاً أفضل (و لايترك) الختم (لكسل القوم). (الدر المختار)

قال الشامي تحت قول الدر: (والختم مرة سنة) أى قراءة الختم فى صلاة التراويح سنة، وصححه فى الخانية وغيرها، وعزاه فى الهداية إلٰى أكثر المشايخ، وفى الكافى إلى الجمهور، وفى البرهان: وهو المروى عن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ والمنقول فى الآثار، آه. (۱/٤٧٤)(۳)

مگر جہاں کے نمازی اس قدر ضعیف ہوں اور کم ہمت ہوں کہ پورا قرآن شریف سننے کے لیے تیار نہ ہوں؛ بلکہ اس کی وجہ سے جماعت تک چھوڑ دیں تو وہاں بہتر یہ ہے کہ جس قدر بسہولت سن سکتے ہوں، اس قدر پڑھا جائے۔

وأما فى زماننا، فالأفضل أن يقرأ الإمام علىٰ حسب حال القوم من الرغبة والكسل، فيقرأ قدر مالا يوجب تنفير القوم عن الجماعة؛ لأن تكثير الجماعة أفضل من تطويل القراءة. (بدائع: ۱/۲۸۹)(۴)

لیکن اس صورت میں ختم کی سنت کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔

ولو قرأ بعض القرآن فى سائر الصلوات بأن كان القوم يملون من القراءة فى التراويح، فلا بأس به، لٰكن يكون لهم ثواب الصلاة لا ثواب الختم، وقد ذكرنا أن السنة هى الختم فى التراويح. (فتاوىٰ قاضى خان: ۱/۲۷۷)(۵)

---

(۱) ثم بعضهم اختار قل هو الله أحد فى كل ركعة وبعضهم اختار قرأة سورة الفيل إلىٰ آخر القرآن وهٰذا أحسن القولين؛ لأنه لا يشتبه عليه عدد الركعات ولا يشتغل قلبه بحفظها، كذا فى التجنيس. (الفتاوىٰ الهندية: ۱/۱۱۸، انيس)

(۲) فتاوىٰ قاضى خان علىٰ هامش الهندية، كتاب الصلاة، باب التراويح: ۱/۲۳۲، رشيدية

(۳) ردالمحتار مع الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۲/٤٩٧، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۴) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فى سننها: ۱/۲۸۹، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۵) فتاوىٰ قاضى خان علىٰ هامش الهندية، صلاة التراويح، فصل فى مقدار القراءة فى التراويح: ۱/۲۳۸، رشيدية

اس کاہلی اور سستی کی وجہ سے بعض فقہا نے اخیر کی دس سورتیں تجویز کر دیں؛ تاکہ شمار میں بھی کوئی اشتباہ نہ ہو اور یاد کرنے میں بھی کوئی دقت نہ ہو اور تدبر و تفکر سے نماز بھی پوری ہو جائے۔

"وبعضهم اختاروا قراءة سورة الفيل إلى آخر القرآن، وهٰذا حسن؛ لأنه لايشتبه عليه عدد الركعات، ولايشتغل قلبه بحفظها، فيتفرغ للتدبر والتفكر، آه". (۶۸/۲)(۱)

معلوم ہوا (کہ) اخیر کی دس سورتیں پڑھنے کی وجہ کاہلی، کم ہمتی اور قرآن شریف کی طرف سے بے رغبتی و بے توجہی ہے اور اس سے تمام قرآن کے ختم کا ثواب نہیں ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۱۳۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۶/۷-۳۰۸)

تراویح ﴿الم تر کیف﴾ سے پڑھنا کب اور کیوں ایجاد ہوا:

بعض مولوی تیسرے طریقہ سے پڑھتے ہیں کہ ہر رکعت میں دو دو سورت ساتھ ساتھ پڑھتے ہیں، سورۂ ناس تک جاتے ہیں؛ تاکہ دوبارہ سورۂ ناس سے نہ پڑھے۔ اول رکعت میں ﴿ألم تر کیف﴾ و ﴿لإیلاف﴾ اسی طرح تیسری رکعت میں ﴿أرأیت الذی﴾ و ﴿إنا أعطینا﴾ اور چوتھی میں بھی یہی سورتیں؛ یعنی ﴿أرأیت الذی﴾ اور ﴿إنا أعطینا﴾ اس طرح ہر رکعت میں دو دو سورتیں سورۂ ناس تک پڑھتے ہیں، "ألم تر کیف" کا طریقہ کب اور کس طرح اور کس نے ایجاد کیا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ سے ﴿الم تر کیف﴾ سے تراویح پڑھنا کس طرح ثابت ہے اور تین طریقوں میں سے کون سا افضل ہے اور کس طریقہ کو ترک کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

اس طرح بھی درست ہے۔ (۳) صحابہ کے زمانہ میں تو ﴿الم تر کیف﴾ سے پڑھنے کا رواج نہ تھا، متأخرین نے

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱۲۱/۲، رشيدية

(۲) وفي التجنيس ... وبعضهم اختاروا قراءة سورة الفيل إلى آخر القرآن وهٰذا حسن لأنه لا يشتبه عليه عدد الركعات ولا يشتغل قلبه بحفظها، فيتفرغ للتدبر والتفكر. (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۱۲۱/۲، رشيدية)

ثم عضهم اعتاد وقراءة "قل هو الله أحد" في كل ركعة، واختار بعضهم قراءة سورة الفيل إلى آخر القرآن وهٰذا أحسن الحالين؛ لأنه لايشتبه عليه عدد الركعات، ولايشغل قلبه بحفظها، فتفرع للتدبر والتفكر، ولاكذالك لوقرأ في كل ركعة سورة واحدة. (التجنيس والمزيد، فصل في التراويح: إدارة القرآن، كراچي: ۱۲۰/۲)

وفي التجنيس واختار بعضهم سورة الإخلاص في كل ركعة وبعضهم سورة الفيل أي البدأة منها ثم يعيدها وهٰذا أحسن لئلا يشتغل قليله بعدد الركعات، قال في الحلية: وعلىٰ هٰذا استقرعمل أئمة أكثر المساجد في ديارنا، إلا أنهم يبدؤون بقراءة سورة التكاثر في الأولىٰ والإخلاص في الثانية، وهٰكذا إلىٰ أن تكون قرائتهم في التاسعة عشرة بسورة تبت و في العشرين بالإخلاص، آه. (رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۹۸/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

جب دیکھا کہ پورا قرآن ختم کرنے کی صورت میں نمازی سستی کرتے ہیں مسجد میں نہیں آتے، مساجد ویران وغیر آباد ہوجاتی ہیں، تب ان صورتوں کو اختیار کیا۔(۱) شاید آپ شفعہ کی جگہ رکعت لکھ دیا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۵/۷-۳۰۶)

تراویح میں ﴿ألم تر کیف﴾ سے پڑھنے کی ترکیب:

سوال: بعض مسجدوں میں ﴿ألم تر کیف﴾ سے جو تراویح پڑھی جاتی ہے، وہ ﴿ألم تر کیف﴾ سے سورۂ ناس تک مسلسل نہیں پڑھتے؛ بلکہ سورۂ اِخلاص تک پڑھتے ہیں اور پھر نویں رکعت میں دوبارہ ﴿ألم تر کیف﴾ اور دسویں میں ﴿لإیلاف﴾ پڑھتے ہیں اور پھر گیارہویں میں اور بارہویں میں ''معوذتین'' پڑھتے ہیں اور تیرہویں رکعت سے ﴿أرأیت الذی﴾ سے پڑھتے ہیں، سورۂ ناس تک مسلسل پڑھتے ہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ﴿ألم تر کیف﴾ سے سورۂ ناس تک مسلسل کیوں نہیں پڑھتے؟ جیسا کہ البحر الرائق، شامی و درمختار وغیرہ میں ہے، (۲) الٹ پھیر کرنا بلاترتیب کیسا ہے اور اس سے ترتیب کو ترک کرنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

ایسا کرنے میں یہ مصلحت ہے کہ ترویحہ کی سورتیں ترتیب وار ہوجائیں، اگر نویں دسویں میں معوذتین پڑھیں اور گیارہویں بارہویں میں ﴿ألم تر کیف﴾ اور ﴿لإیلاف﴾ پڑھیں تو شفعہ اولیٰ کی سورتیں مؤخر ہوجائیں گی اور شفعہ ثانیہ کی مقدم، اس سے ترویحہ میں ترتیب نہ رہے گی۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۴/۷-۳۰۵)

---

(۱) (قوله: الأفضل فی زماننا)؛ لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة ...وفيه: إشعار بأن هٰذا مبنى علىٰ اختلاف الزمان، فقد تتغير الأحكام لاختلاف الزمان فی كثير من المسائل علىٰ حسب المصالح ... فالحاصل: ...أن الختم سنة، لكن لايلزم منه عدم تركه إذا لزم منه تنفير القوم وتعطيل كثير من المساجد. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۹۷/۲، ۴۹۸، انیس)

(۲) وفی التجنيس ... و بعضهم اختاروا قرأة سورة الفيل إلىٰ آخر القرآن، وهٰذا حسن؛ لأنه لا يشتبه عليه عدد الركعات، ولا يشتغل قلبه بحفظها، فيتفرغ للتدبر والتفكر. (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۱۲۱/۲، رشيدية)

ثم بعضهم اعتاد وقرأة "قل هو الله أحد" فی كل ركعة، واختار بعضهم قرأة سورة الفيل إلىٰ آخر القرآن وهٰذا أحسن الحالين؛ لأنه لايشتبه عليه عدد الركعات، ولايشغل قلبه بحفظها، فيتفرغ للتدبر والتفكر، ولا كذالك لو قرأ فی كل ركعة سورة واحدة" (التجنيس والمزيد، فصل فی التراويح: ۱۲۰/۲، إدارة القرآن، كراچی)

(۳) قال فی التجنيس واختار بعضهم سورة الإخلاص فی كل ركعة وبعضهم سورة الفيل أی البدأة منها ثم يعيدها وهٰذا أحسن لئلا يشتغل قلبه بعدد الركعات، قال فی الحلية: وعلىٰ هٰذا استقر عمل أئمة أكثر المساجد فی ديارنا، إلا أنهم يبدؤون بقراءة سورة التكاثر فی الأولىٰ والإخلاص فی الثانية، وهٰكذا إلىٰ أن تكون قرائتهم فی التاسعة عشرة بسورة تبت وفی العشرين بالإخلاص، آه. (رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۷/۲، سعيد)

تراویح میں سلام کے مسائل

تراویح میں دوسری رکعت پر بیٹھنے کا وجوب:

سوال: تراویح میں اگر دوسری رکعت پر نہ بیٹھے اور کھڑا ہوجاوے تو سیدھا کھڑا ہونے کے بعد بیٹھے، یانہیں؟ اور چوتھی رکعت میں سجدۂ سہو کرے، یانہیں؟ اور نماز تراویح ہوگی، یانفل؟ اور اعادہ کی ضرورت ہے، یانہیں؟

الجواب

جزئی نہیں دیکھی، کلیہ کا مقتضا یہ ہے کہ بیٹھنے کی ضرورت نہیں اخیر میں سجدۂ سہو کرے اور تراویح ہوگئی اور حاجت اعادہ نہیں۔(۱)

فی الدر المختار: والأصل أن کل شفع صلاۃ إلا بعارض اقتداء أو نذر أو ترک قعود أول، آہ.(۲) ووجوب سجدۃ السھو ظاھر. فقط

۱۱؍شعبان ۱۳۲۱ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۳۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۸۹/۱-۴۹۰)

تراویح میں دودو کی نیت کرنی چاہیے:

سوال: تراویح میں دودو کی نیت کرے، یا چار چار کی؟

الجواب

تراویح میں دو دو رکعت پر سلام پھیرنا بہتر ہے۔

کما فی الدر المختار: (وھی عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات فلو فعلھا بتسلیمۃ فإن قعد لکل شفع صحت بکراھۃ وإلاّ نابت عن شفع واحد، بہ یفتیٰ. (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۶۷/۴)

---

(۱) اس جواب میں تسامح ہوا ہے اور اس سلسلہ میں صریح جزئی موجود ہے، جو آگے سوال ۴۲۷ کے جواب میں آرہی ہے، نیز یہ مسئلہ پہلے بھی س ۳۷۵ پر مجملاً گزرا ہے، اس سلسلہ میں تفصیل س ۴۲۷ کے جواب اور اس پر حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ سعید احمد

(۲) الدر المختار علی ھامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل، فروع الاسفار بسنۃ الفجر أفضل، مبحث المسائل الستۃ عشریۃ: ۹۷/۱، مکتبۃ زکریا دیوبند، انیس

(۳) الدر المختار علی ھامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث التراویح: ۹۸/۱، مکتبۃ زکریا دیوبند، انیس

نمازِ تراویح میں دو دو رکعت افضل ہے، یا چار چار رکعت:

سوال: حضور نے بہشتی زیور کے دوسرے حصہ میں تحریر فرمایا ہے کہ تراویح کی نماز اگر دو دو رکعت یا چار چار رکعت کی نیت باندھے، دونوں طرح جائز ہے؛ لیکن کوئی عالم کہتا ہے کہ عرب سے عجم تک کوئی دیار میں نہیں دیکھا جاتا ہے، لہٰذا چار رکعت کی نیت ترک کر کے دو دو رکعت کی نیت کرنا افضل ہے اور چار رکعت کی نیت کرنا مکروہ کس کتاب میں اس کی دلیل ہے، اطلاع فرماویں؟

الجواب

فی البدائع: (۲۸۹/۱)ومنها(أی من السنن)أن یصلی کلّ رکعتین بتسلیمة علٰی حدة ولو صلّٰی ترویحة بتسلیمة واحدة وقعد فی الثانیه قدر التشهد لاشک أنه یجوز علٰی أصل أصحابنا أن صلوات کثیرة تتأدّی بتحریمة واحدة بناء علٰی أن التحریمة شرط ولیست برکن عندنا خلافًا للشافعی لٰکن اختلف المشایخ أنه هل یجوز عن تسلیمتین أو لایجوز إلا عن تسلیمة واحدة، قال بعضهم: لایجوز إلاعن تسلیمة واحدة؛لأنه خالف السنة المتوارثة بترک التسلیمة والتحریمة والثناء والتعوّذ والتسمیة فلا یجوز إلاعن تسلیمة واحدة وقال عامتهم أنه یجوز عن تسلیمتین وهو الصحیح،آه.(۱)

وفی نور الإیضاح وتنویر الأبصار:وهی عشرون رکعة بعشر تسلیمات.(۲)

وفی السراجیة: کل ترویحة أربع رکعات بتسلیمتین.(۳)

وفی الوقایة والقدوری: فی کل ترویحة تسلیمتان.(۴)

وفی البحر الرائق (۶۷/۲) مثل ما فی البدائع وفی البحر (۵٤/۲)أیضا:وفی المحیط وإنما اخترنا فی التراویح مثنٰی مثنٰی؛لأنها تؤدّی بالجماعة وإداؤها علی الناس مثنٰی مثنٰی أخف وأیسر.(۵)

وفی فتح القدیر تحت قول الهدایة (ولهما الاعتبار بالتراویح):فإن الاجماع علی الفصل فیها،وفی العنایة تحت قول الهدایة (والتراویح تؤدی بجماعة):جواب عن اعتبارهما بالتراویح

(۱) بدائع الصنائع،کتاب الصلاة،فصل فی سننها: ۲۸۹/۱،دارالکتب العلمیة،بیروت، انیس

(۲) نورالإیضاح، فصل فی التراویح، عددها وأداؤها:۶۷،دارالحکمة دمشق/ ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۴۵/۲،دارالفکر بیروت،انیس

(۳) الإختیار لتعلیل المختار،فصل التراویح سنة مؤکدة: ۶۹/۱،مطبعة الحلبی القاهرة،انیس

(۴) الجوهرة النیرة علی مختصر القدوری،باب قیام شهر رمضان: ۹۷/۱،المطبعة الخیریة،انیس

(۵) البحر الرائق،باب الوتر والنوافل:۵۸/۲،دارالمعرفة بیروت،انیس

فيراعى فيهاجهة التيسير بالقطع بالتسليم عن رأس الركعتين؛لأن ماكان ادوم تحريمة كان أشق على الناس،آه. (فتح القدير: ۳۹۲/۱)(۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ تراویح میں دو دو رکعت پڑھنا سنت ہے؛ لیکن چار چار پڑھنا بھی بنابر مذہب صحیح جائز ہے، گو خلاف متوارث ہونے کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہو، البتہ البحر الرائق وہدایہ کی تعلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم؛ یعنی دو دو کا افضل ہونا جماعت کے ساتھ خاص ہے۔ پس ممکن ہے کہ منفرد کے لیے اصل قاعدہ؛ یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک چار چار نوافل افضل ہونے کی بنا پر تراویح بھی چار چار افضل، یا کم از کم مساوی ہوں،(۲) اور بہشتی زیور کی مخاطب مستورات ہیں، جو نماز تنہا پڑھتی ہیں؛ اس لیے بہشتی زیور پر شبہ نہ کیا جاوے، و نیز بہشتی زیور کی عبارت یہ ہے: ''چاہے دو دو رکعت کی نیت باندھے، چاہے چار چار رکعت کی'' اور اس میں یہ تصریح نہیں کہ دونوں فضل میں مساوی ہیں؛ بلکہ دونوں کے جواز پر بھی یہ عبارت محمول ہوسکتی ہے، **فلا إشكال عليه بأیّ حال.** (امداد الاحکام: ۲۴۶/۲-۲۴۷)

کیا نمازِ تراویح ایک سلام سے جائز ہوگی:

سوال: رمضان میں تراویح کی نماز ایک سلام سے جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

تراویح اگر ایک سلام سے اس طریقہ پر پڑھی جائیں کہ ہر شفعہ کے بعد قعود بھی نہیں کیا تو پھر یہ تمام رکعتیں ایک شفعہ کے قائم مقام ہوں گی اور اگر ہر شفعہ پر قعود کیا ہے تو اگر چہ اس طرح تراویح ادا ہوجاتی ہیں؛ لیکن یہ فعل کراہت سے خالی نہیں۔ سنت یہی ہے کہ بیس رکعات دس تسلیمات کے ساتھ ادا کی جائیں۔

درمختار میں ہے:

وهى عشرون ركعة بعشر تسليمات فلوفعلها بتسليمةٍ فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة و إلا نابت عن شفع به يفتىٰ،الخ. (الدرالمختارمع الشامی: ۴۷۴/۱)(۳)

وفى البحر: لايخفى ما فيه لمخالفته المتوارث مع تصريحهم بكراهة الزياد علىٰ ثمان فى مطلق التطوع ليلاً فلأن يكره هنا أولىٰ،إلخ. (۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۱/۴)

---

(۱) فتح القدير مع العناية، كتاب الصلاة،باب النوافل: ۴۶۷/۱-۴۶۸، مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۲) وفيه:أن الحكم لاينتفى بانتقاء التعليل فابقاء الرواية على العموم أولىٰ للتوارث ويمكن أن يجاب بأن التوارث ثابت فى الجماعة وأما إذا صلّى مفرداً فلا دليل علىٰ توارثه فافهم (إشارة إلىٰ أن تقاتل أن يقول أن الثابت أمران أداء التراويح بالجماعة وأداء ه مثنىٰ مثنىٰ ولا يتوقف سنته أحدهما على الآخر.(انيس)

(۳) الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل،مبحث التراويح: ۶۶۰/۱،ظفير

(۴) البحرالرائق، كتاب الصلاة،باب الوتروالنوال: ۱۱۸/۲،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

پوری تراویح ایک سلام سے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں جو مرقوم ذیل ہے:

''زید کہتا ہے کہ بیس تراویح ایک تکبیر اور تسلیم واحد سے جائز ہیں اور بکر کہتا ہے کہ خلاف سنت اور مکروہ ہے اور دلیلیں دونوں کے پاس موجود ہیں۔

الجواب ________________

أقول وبالله التوفيق:

تراویح کے مسئلہ میں قول بکر کا حق ہے۔(۱) جیسا کہ درمختار میں ہے:

''فلو فعلها بتسليمةٍ فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة''. (۲)

وفي الشامي: أي صحت عن الكل وتكره إن تعمد وهٰذا هو الصحيح، إلخ. (ردالمحتار: ۱/۶۶۰)(۳)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۹۷)

کیا ایک سلام سے بیس رکعت تراویح درست ہے:

سوال: بست رکعت تراویح بیک سلام گذاردن جائز است، یا نہ؟

الجواب ________________

بست رکعت تراویح بیک سلام مکروہ تحریمی است۔(۴) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۳۰۰)

---

(۱) سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ زید بیس رکعات بیک سلام کو جائز بلا کراہت کہتا ہے؛ لیکن یہ کہنا درست نہیں ہے؛ بلکہ صحیح یہ ہے کہ جائز مع الکراہت ہے۔ جمیل الرحمٰن

(۲) الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوفل، مبحث صلاة التراويح: ۱/۹۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۹۶، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۴) فلو فعلها بتسليمةٍ فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة وإلا نابت عن شفع واحد. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۹۶، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

قوله (به يفتى) لم أر من صرح بهذا اللفظ هنا وإنما صرح به في النهر عن الزاهدي فيما لو صلى أربعا بتسليمة واحدة وقعدة واحدة وأما إذا صلى العشرين جملة كذلك فقد قاسه عليه في البحر نعم صرح في الخانية وغيرها بأنه الصحيح مع أنا قدمنا عن البدائع والخلاصة والتاترخانية أنه لو صلى التطوع ثلاثا أو ستا أو ثمانيا بقعدة واحدة فالأصح أنه يفسد استحسانا وقياسا وقدمنا وجهه فقد اختلف التصحيح في الزائد على الأربعة بتسليمة وقعدة واحدة هل يصح عن شفع واحد أو يفسد فليتنبه. (ردالمحتار، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۵، دارالفكر بيروت، انيس)

ایک سلام کے ساتھ بیس رکعت تراویح:

سوال: ایک شخص نے تراویح کی بیس رکعت نماز ایک سلام سے اس طرح پڑھی کہ ہر دو رکعت کے بعد قعدۂ اولیٰ کیا اور اخیر میں سلام پھیرا، یہ جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۹۷۸، ۱۵/ربیع الاول ۱۳۵۵ھ، مطابق ۶/جون ۱۹۳۶ء)

الجواب

نماز ہو تو گئی؛ لیکن رات کی نماز میں آٹھ رکعت سے زیادہ رکعتیں ایک سلام سے پڑھنا خلاف سنت ہے؛ اس لیے نماز میں کراہت آئی۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۳۹۷)

تراویح کی نماز ایک سلام سے چار رکعت پڑھنا کیسا ہے:

سوال: کسی مسجد کے امام صاحب سورۂ تراویح چار، چار رکعت کی نیت سے پڑھا رہے تھے، ایک شخص نے اعتراض کیا کہ میں نے آج تک چار رکعت کر کے تراویح کبھی نہیں پڑھی ہے۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ دیکھو تراویح کی جماعت سنت کفایہ ہے؛ اس لیے دو رکعت نماز کو اگر چار، چار رکعت سے پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، جن لوگوں نے چار رکعت کر کے نماز پڑھی ہے، ان کی نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق

مسنون طریقہ یہ ہے کہ تراویح دو، دو رکعت کر کے دس سلام کے ساتھ پڑھی جائے، چناں چہ درمختار میں ہے:

(وهوعشرون ركعة)...(بعشرتسليمات)(۲)

---

(۱) فی التنویروشرحه:(وهی عشرون ركعة)...(بعشرتسليمات)فلوفعلها بتسليمة فإن قعد لكل شفعة صحت بلا كراهة،إلخ.(الدرالمختار على الرد، كتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل: ۹۸/۱،مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

وفی الشامية:فإنه لا يخفى لمخالفته المتوارث مع تصريحهم بكراهة الزيادة علىٰ ثمان فی مطلق التطوع ليلاً،إلخ.(ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل،مبحث صلاة التراويح: ۴۹۶/۲،مكتبة زكرياديوبند،انيس)

(۲) تنويرالأبصارعلىٰ هامش ردالمحتار،،باب الوترو النوافل،فصل فی التراويح: ۹۸/۲،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

ومنها(أی من السنن)أن يصلی كلّ ركعتين بتسليمة علىٰ حدة ولوصلّىٰ ترويحة بتسليمة واحدة وقعد فی الثانيه قدرالتشهد لاشک أنه يجوزعلىٰ أصل أصحابنا أن صلوات كثيرة تتأدّى بتحريمة واحدة بناء علىٰ أن التحريمة شرط وليست بركن عندنا خلافًا للشافعی لكن اختلف المشايخ أنه هل يجوزعن تسليمتين أولايجوز إلا عن تسليمة واحدة، قال بعضهم: لايجوزإلاعن تسليمة واحدة؛لأنه خالف السنة المتوارثة بترک التسليمة والتحريمة ==

لہٰذا شخص مذکور نے چار رکعت تراویح پڑھ کر خلاف سنت کام کیا، اگر شخص مذکور نے چار رکعت اس طرح پڑھائی کہ ہر دو رکعت پر بیٹھ کر تشہد پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوا ہو، جیسا کہ عام طور پر چار رکعت والی نمازوں میں ہوتا ہے تو امام صاحب اور ان کے پیچھے تمام لوگوں کی تراویح ہوگئی؛ لیکن آئندہ سے امام صاحب کو احتیاط کرنا چاہیے کہ خلاف سنت کام نہ کریں۔

البحر الرائق میں ہے:

وأراد بالعشرين أن تكون بعشر تسليمات، كما هو المتوارث يسلّم علىٰ رأس كل ركعتين ... ولو قعد علىٰ رأس الركعتين فالصحيح أنه يجوز عن تسليمتين وهو قول العامة. (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبد اللہ خالد مظاہری، ۱۹/۱۰/۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۶۱)

☆ ☆ ☆

== والثناء والتعوّذ والتسمية فلا يجوز إلاعن تسليمة واحدة وقال عامتهم: إنه يجوز عن تسليمتين وهو الصحيح. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سننها: ۱/۲۸۹، دارالكتب العلمية، بيروت، انيس)

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۱۷-۱۱۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(وهى عشرون ركعة) بإجماع الصحابة رضى الله عنهم (بعشر تسليمات) كما هو المتوارث يسلم على رأس كل ركعتين فإذا وصلها وجلس على كل شفع فالأصح أنه إن تعمد ذلك كره وصحت وأجزأته عن كلها وإذا لم يجلس إلا فى آخر أربع نابت عن تسليمة فتكون بمنزلة ركعتين فى الصحيح. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، فصل فى صلاة التراويح، ص: ٤١٤، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

نمازتراویح کی امامت

تراویح کے امام کی شرائط کیا ہیں:

سوال: تراویح پڑھانے کے لیے کس قسم کا حافظ ہونا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

تراویح کی امامت کے لیے وہی شرائط ہیں، جو عام نمازوں کی امامت کے لیے ہیں؛ اس لیے حافظ کا متبع سنت ہونا ضروری ہے، داڑھی منڈانے، یا کترانے والے کو تراویح میں امام نہ بنایا جائے، اسی طرح معاوضہ لے کر تراویح پڑھانے والے کے پیچھے تراویح جائز نہیں، اس کے بجائے ﴿الم تر کیف﴾ کے ساتھ پڑھ لینا بہتر ہے۔(۱)

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۱۸۷)

کس عمر کا لڑکا تراویح پڑھا سکتا ہے:

سوال: کتنی عمر کا لڑکا قرآن شریف تراویح میں سنا سکتا ہے؟ ایک لڑکے کی عمر تقریباً سولہ سال ختم ہونے آئی، وہ کلام اللہ تراویح میں سنا سکتا ہے، یا نہیں؟ اس لڑکے کے مونچھ داڑھی وغیرہ کچھ نہیں اور ایسا لڑکا جو پندرہ سولہ برس کا ہو، وہ اگلی صف میں بڑے آدمیوں کے ساتھ کھڑا ہوکر دوسرے کا سن سکتا ہے، یا نہیں؟ اور اگر تیرہ چودہ سال کا ہو، وہ بھی اگلی صف میں کھڑا ہوکر سن سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر دوسری علامت بلوغ کی مثل احتلام وغیرہ کے لڑکے میں موجود نہ ہو، تو شرعاً پندرہ برس کی عمر پوری ہونے پر بلوغ کا حکم دیا جاتا ہے۔(۲)

---

(۱) ویکرہ إمامة عبد ... وفاسق (وفی الشامیة) وأما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بأنه لایهتم لأمر دینه، وبأن فی تقدیمه للإمامة تعظیمه وقد وجب علیهم إهانته شرعًا... إلخ. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد: ۲/۲۹۸-۲۹۹، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(۲) بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال ... إلخ، فإن لم یوجد فیهما شئ منها فحتٰی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة به یفتٰی لقصر أعمار أهل زماننا. (الدر المختار، کتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام: ۱۹۹/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

پس جس لڑکے کوسولہواں سال شروع ہوگیا ہے اس کے پیچھے تراویح اورفرض نماز سب درست ہے اگر چہ بے ریش ہواور ایسی عمر کا لڑکا اگلی صف میں بھی کھڑا ہوسکتا ہے اور تیرہ یا چودہ برس کا امام نہیں ہوسکتا؛(۱) لیکن تراویح میں بتلانے کی وجہ سے اس کو اگلی صف میں کھڑا کر سکتے ہیں۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۴۷/۴)

نابالغ کے پیچھے تراویح درست نہیں:

سوال: تراویح میں اگر نابالغ امام ہوتو بالغین ونابالغین کو اس کی اقتدا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنے میں اختلاف ہے؛ مگر اصح یہ ہے کہ جائز نہیں۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم:۲۵۲/۴)

نابالغ کی امامت تراویح میں درست نہیں:

سوال: عمر نے بعمر سیزدہ سالہ قرآن حفظ کر کے بہ صحت الفاظی مسجد میں بجماعت مقتدیان تراویح پڑھائی اور فرض ووتر اس کے استاد نے پڑھائے۔زید کہتا ہے کہ بسبب نابالغی عمر تراویح مقتدیان ناقص ہیں۔آیا اس صورت میں تراویح صحیح ہوئی، یا بقول زید ناقص رہی؟(۳)

(۱) ولایصح اقتداء رجل بامرأة وخنثٰی وصبی مطلقاً ولو فی جنازة ونفل علی الأصح. (الدرالمختار، باب الإمامة: ۸٤/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

قال فی الهداية: وفی التراویح والسنن المطلقة ... والمختار أنه لایجوز فی الصلوات کلها. (رد المحتار، باب الإمامة، مطلب الواجب کفاية هل یسقط بفعل الصبی وحده: ۳۲۲/۲، مکتبة زکریا دیوبند، ظفیر)

(۲) ولایصح اقتداء رجل بامرأة وخنثٰی وصبی مطلقاً ولوفی جنازة ونفل علی الأصح. (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۸٤/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(قوله: ونفل علی الأصح): قال فی الهداية: وفی التراویح والسنن المطلقة جوزه مشائخ بلخ ولم یجوزه مشائخنا و منهم من حقق الخلاف فی النفل المطلق بین أبی یوسف ومحمد والمختار أنه لا یجوز فی الصلوات کلها، آه. (ردالمحتار، باب الإمامة: ۵۳۹/۱-۵٤۰، ظفیر) (مطلب الواجب کفاية هل یسقط بفعل الصبی وحده: ۳۲۲/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

فی المنية: وذکر فی بعض الفتاویٰ أنه لا یجوز (أن یؤم البالغین فی التراویح) وهو المختار. (غنية المستملی، بحث التراویح، ص: ۳۹۰، ظفیر)

وَعَلَی قَوْلِ أَئِمَّةِ بَلْخٍ يَصِحُّ الِاقْتِدَاءُ بِالصِّبْيَانِ فِي التَّرَاوِيحِ وَالسُّنَنِ الْمُطْلَقَةِ كَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ الْمُخْتَارُ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا كَذَا فِي الْهِدَايَةِ وهو الْأَصَحُّ هَكَذَا فِي الْمُحِيطِ وهو قَوْلُ الْعَامَّةِ وهو ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ هَكَذَا فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ. (الفتاویٰ الهندية، الفصل الثالث فی بیان من یصلح إمام لغیره: ۸۵/۱، دارالفکر، انیس)

(۳) خلاصۂ سوال: تیرہ سالہ نابالغ حافظ عمر نے الفاظ کی درستی کے ساتھ مسجد میں لوگوں کو باجماعت تراویح کی نماز پڑھائی تو یہ تراویح مکمل ہوگئی، یا ناقص رہی؟ (انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــــ

صحیح یہ ہے کہ نابالغ سیزدہ سالہ لڑکے کے پیچھے نہ فرائض وواجب صحیح ہیں اور نہ نوافل وتراویح، پس قول زید صحیح ہے کہ مقتدیوں کی تراویح نہیں ہوئی۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۵۲/۴-۲۵۳) ☆

(۱)　والمختار أنه لايجوز فی الصلوات کلها، آه.(رد المحتار،باب الإمامة : ۵۳۹/۱-۵٤۰، ظفیر)(کتاب الصلاة، مطلب الواجب کفایة هل یسقط بفعل الصبی وحده: ۳۲۲/۲،مکتبة زکریا دیوبند، انیس

☆　تراویح میں نابالغ کی اقتدا صحیح نہیں:

سوال:　حافظ نابالغ کو تراویح پڑھانے کے لیے امام بنانا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجوابــــــــــ باسم ملهم الصواب

نابالغ کی اقتدا میں تراویح صحیح نہیں۔

قال فی العلائیة: ولا یصح اقتداء رجل بامرأة وخنثٰی وصبی مطلقًا ولوفی جنازة ونفل علی الأصح.
(الدرالمختار علی الرد، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۸٤۱/۱،مکتبة زکریا دیوبند،انیس)

وقال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ(قوله ونفل علی الأصح)قال فی الهدایة: وفی التروایح والسنن المطلقة جوزه مشایخ بلخ ولم یجوزه مشایخنا ومنهم من حقق الخلاف فی النفل المطلق بین أبی یوسف ومحمد رحمهما اللّٰه تعالیٰ والمختارأنه لایجوز فی الصلوات کلها.(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب الواجب کفایة هل یسقط بفعل الصبی وحده: ۳۲۲/۲، مکتبة زکریا دیوبند،انیس) فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

۱۰/رمضان ۱۳۹۹ھ۔(احسن الفتاویٰ:۵۲۵/۳)

نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنا:

سوال:　ایک لڑکا چودہ برس کا حافظ قرآن ہے ونیز مسائل نماز سے اچھی طرح سے واقفیت رکھتا ہے اور تمام قصبہ میں صرف اکیلا ہی حافظ ہے۔سوال یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز درست ہے، یا نہیں؟

الجوابــــــــــــــــــ

قال الشامی فی باب الإمامة: قال فی الهدایة: وفی التراویح والسنن المطلقة جوزه مشائخ بلخ ولم یجوزه مشائخنا ومنهم من حقق الخلاف فی النفل المطلق بین أبی یوسف ومحمد و المختارأنه لا یجوز فی الصلوات کلها.(ردالمحتار: ۳۸۸/۱، مجتبائی)(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب الواجب هل یسقط بفعل الصبی وحده: ۳۲۲/۲، مکتبة زکریا دیوبند،انیس)

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ نابالغ کے پیچھے تراویح بھی جائز نہیں، اگر کوئی بالغ حافظ نہ ملے تو ﴿ألم تر کیف﴾ وغیرہ سے مختلف سورتیں پڑھ کر تراویح پڑھ لی جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (امداد المفتین:۳۱۳/۲)

نابالغ تراویح پڑھا سکتا ہے، یا نہیں:

سوال:　بارہ، تیرہ برس کا نابالغ حافظ تراویح پڑھا سکتا ہے؟　==

==

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نابالغ کی امامت تراویح وسنن مطلقہ میں مختلف فیہ ہے، ایک جماعت فقہا کی اس کو جائز کہتی ہے؛ لیکن مفتیٰ بہ یہ ہے کہ تراویح نابالغ کے پیچھے ناجائز ہے۔(وأمامة الصبی العاقل فی التراویح والنوافل المطلقة تجوز عند بعضهم ولا تجوز عند عامتهم، كذا فی محيط السرخسی. (الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب التاسع فی النوافل،فصل فی التراويح: ۱/۱۱۶-۱۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۴/۷/۱۳۵۱ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۱۳)

تراویح میں نابالغ کی امامت:

(الجمعیۃ مورخہ ۹/جنوری ۱۹۳۶ء)

سوال: ایک نابالغ لڑکا حافظ ہوگیا ہے اور ایک مسجد میں تراویح پڑھا رہا ہے، سوال یہ ہے کہ نابالغ کے پیچھے تراویح ہوسکتی ہے، یا نہیں؟ شرح وقایہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ نابالغ عورت، یا مرد کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور آگے جا کر یہ تشریح کی ہے کہ نابالغ کے پیچھے نماز اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ نماز ابھی اس پر فرض نہیں ہوئی ہے، جو بجائے خود بالکل درست ہے کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز نہ ہوگی؛ لیکن اب سوال یہ ہے کہ تراویح جو نوافل میں داخل ہیں، نابالغ کے پیچھے ہوں گی، یا نہ ہوں گی؟ اس لیے کہ مؤلف مذکور نے امام نخعیؒ کے حوالے سے نماز تراویح کو نابالغ کے پیچھے پڑھنا جائز بتایا ہے؛ لیکن بعض علما کا خیال یہ ہے کہ تراویح بھی نابالغ کے پیچھے نہیں ہوتی ہیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ اس نابالغ کے سوا دوسرا کوئی حافظ موجود نہیں، اگر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی گئی تو یا مسجد سونی پڑی رہے گی، یا کسی کو معاوضہ دے کر بلانا پڑے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

صحیح اور راجح یہی ہے کہ نابالغ کے پیچھے نماز نہیں ہوتی،(ولا يصح اقتداء رجل بامرأة وخنثىٰ وصبی مطلقًا ولو فی جنازة ونفل على الأصح. (الدرالمختار)والمختار أنه لا يجوز فی الصلاوات كلها،الخ. (رد المحتار مع ردالمحتار،باب الإمامة،ص:۵۷۷-۵۷۸،ط:سعيد) اگر بالغ حافظ نہ مل سکے، یا ملے؛ مگر وہ اجرت لے کر پڑھے تو سورت تراویح پڑھ لینی بہتر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ(کفایت المفتی:۳/۴۱۱-۴۱۲)

نابالغ کے پیچھے تراویح جائز نہیں:

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰/مارچ ۱۹۳۰ء)

سوال: نماز تراویح بالغوں کی نابالغ کے پیچھے آیا صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

نابالغ امام کے پیچھے بالغوں کی اقتدا نماز تراویح میں بھی جائز نہیں۔(ولا يصح اقتداء رجل بامرأة وخنثى وصبی مطلقًا ولو فی جنازة ونفل على الأصح. (الدر المختار)والمختار أنه لا يجوز فی الصلوات كلها،الخ. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الإمامة: ۱/۴۸۴،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

محمد کفایت اللہ غفرلہ(کفایت المفتی:۳/۴۱۰)

==

نابالغ بچے کے پیچھے تراویح کا حکم اوراس سلسلہ میں ایک حدیث کا جواب:

سوال: ایک لڑکا نابالغ حافظِ قرآن تراویح میں قرآن سنادے اور پیش امام مقرر شدہ ﴿الم تر کیف﴾ سے پڑھانے والا حاضر ہے تو آیا امام مقرر شدہ کی حاضری میں لڑکے نابالغ حافظ کے پیچھے اقتدا بالغ مقتدیوں کی جائز ہے، یا نہیں؟ حالاں کہ پیش امام مقرر شدہ کی ناراضگی بھی نہ ہو اور نابالغ لڑکے کے پیچھے قرآن سنانے کی حالت میں تراویح بہتر ہے، یا کہ پیش امام مقرر شدہ کے پیچھے ﴿الم تر کیف﴾ سے بہتر ہے؟ مفصل جواب آنا چاہیے۔ بالغ حافظ نہ ہونے کی وجہ سے ضرورۃً بھی نابالغ حافظ کے پیچھے تراویح جائز ہے، یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے فتویٰ دیا ہے اور حدیث شریف کا حوالہ دیا ہے، وہ پرچہ بھی ہمراہ اس سوال کے ہیں، آیا یہ حدیث اس موقع پر ہے، یا کہ اور موقع پر؟ اس کا خلاصہ فرما کر ارسال فرماویں۔

(نقلِ فتویٰ) نابالغ لڑکے کے پیچھے تراویح ہوتی ہے، جیسے حدیث محمد بن مقاتل سے واضح ہوتا ہے: ’’**هكذا أنّ إمامة الصبى فى التراويح تجوز؛ لأن الحسن بن على رضى الله عنهما كان يؤم عائشة رضى الله عنها و كان صبيًا**‘‘ (۱) حدیث کو ترجیح ہوتی ہے فقہ پر، اگر نفل نابالغ کے پیچھے ضعیف ہوتی تو عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت

== نابالغ کے پیچھے نمازِ تراویح:

سوال: ہمارے محلّہ میں اس سال ایک لڑکے نے حفظ مکمل کیا ہے؛ لیکن ابھی اس کی عمر پندرہ سال سے کم ہے اور وہ نابالغ ہے، تراویح چوں کہ نفل نماز ہے تو کیا اس کے پیچھے تراویح ادا کی جا سکتی ہے؟ (محمد شمشاد قاسمی، ناندیڑ)

الجواب

راجح اور درست قول یہی ہے کہ تراویح میں بھی نابالغ، بالغ نمازیوں کی امامت نہیں کرسکتا، فقہا نے اس کی صراحت کی ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے۔ ’’الإمام ضامن‘‘ (کنز العمال، حدیث نمبر: ۲۰۳۹۱، بحوالہ ترمذی، ابوداؤد، مسند احمد) اور کوئی چیز اپنے سے کمتر کو شامل ہوسکتی ہے، نہ کہ اپنے سے برتر کو اور صورتِ حال یہ ہے کہ نابالغ کی نماز نفل ہونے کے باوجود کم درجہ کی ہے اور بالغوں کی نماز شروع کرنے کے بعد واجب ہوجاتی ہے۔ اس کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے فتاوی سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بریدہ کو اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تم کو چھوٹے بچوں کو امام نہیں بنانا چاہیے تھا۔ آپ کا مکتوب یہ ہے:

ما كان نَولُکَ أي: ما كان ينبغي لک أن تقدم للناس غلاما لم تجب عليه الحدود. (مصنف عبد الرزاق: ۳۹۸/۲)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب تک بالغ نہ ہوجائے، امامت نہیں کرسکتا۔

وعن ابن عباس قال: لا يؤم الغلام حتى يحتلم. (دیکھئے: نیل الأوطار، شرح منتقی الأخبار، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی إمامۃ الصبی: ۲۷۸/۳، انیس) (کتاب الفتاویٰ: ۳۸۷/۲-۳۸۸)

(۱) الجوهرة النيرة، باب قيام شهر رمضان: ۹۹/۱، المطبعة الخيرية، انيس

حسن بن علیؓ کے پیچھے کیوں تراویح پڑھتیں؟ باقی غایۃ الاوطار والے کو حدیث مذکور نہیں ملی، اگر ملتی تو اختلاف بیان نہ کرتا، قاعدہ بنائے قوی علی الضعیف یہاں پر معتبر نہیں، دیکھو تراویح میں اگر پیش امام باوجود قدرت کھڑے ہونے کے بیٹھا ہو اور مقتدی کھڑے ہوں تو ثوابِ تراویح میں کچھ فرق نہیں آتا، حالاں کہ بناءِ قوی علی الضعیف پائی جاتی ہے، قاعد کا ثواب نصف ہے قائم سے۔

الجواب

نابالغ کی اقتدا نہ فرض میں جائز ہے، نہ نفل میں، نہ تراویح میں۔ پس مقتدیوں کو لازم ہے کہ جب بالغ حافظ نہ ہو تو ﴿الم تر کیف﴾ ہی سے تراویح کسی ناظرہ خواں بالغ کے پیچھے پڑھ لیں، نابالغ حافظ کے پیچھے نہ پڑھیں، هذا هو الصحيح المفتى به وماجوزه مشايخ بلخ ضعيف لايلتفت إليه. (والله أعلم) اور ایک جواب جو دوسرے پرچہ پر لکھا ہوا ہے، جس میں حدیث محمد بن قاتل سے نابالغ کی امامت کو جائز کیا گیا ہے تو اس کے متعلق یہ سوال ہے کہ یہ حدیث محمد بن مقاتل کس کتاب میں ہے اور اس کی سند کیسی ہے، جب تک سند حدیث معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک یہ قابلِ احتجاج نہیں اور امامت نابالغ کی ممانعت نصوصِ صریحہ سے ثابت ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال صلى الله عليه وسلم: "الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن". (أخرجه البزار ورجاله كلهم موثقون وأخرجه الطبراني: "الإمام ضامن فماصنع فاصنعوا" وإسناده حسن) (۱)

وظاهر أن الضامن لابد أن يكون أقوى من المضمون له وقال صلى الله عليه وسلم: "وليؤمكما أكبركما". (أخرجه الشبخان) وعن ابن مسعود: قال: "لايؤم الغلام حتى تجب عليه الحدود". وعن ابن عباس قال: "لايؤم الغلام حتى يحتلم". (رواهما الإثرم في سننه، كذا في النيل: ۴۳/۳) (۲)

والاثران ليسا بأنزل من الحسن وإلا لما سكت عنهما الشوكاني والله أعلم

پس ان نصوص کے ہوتے ہوئے نابالغ کی امامت جائز نہیں ہوسکتی۔

۱۹/ رمضان ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام: ۲/ ۲۴۲-۲۴۳)

چودہ برس کے لڑکے کے پیچھے تراویح درست ہے، یا نہیں:

سوال: چودہ برس کے لڑکے کے پیچھے تراویح پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

چودہ برس عمر کے لڑکے کے پیچھے فرائض اور تراویح کچھ درست نہیں ہے۔ صحیح یہی ہے کہ جب تک لڑکا پورے پندرہ

(۱) إعلاء السنن، باب المواقيت، باب صفات المؤذن: ۱۴۳/۲-۱۴۴، إرادة القرآن پاکستان، انیس

(۲) نيل الأوطار شرح ملتقى الأخبار، كتاب الصلاة، باب ماجاء في إمامة الصبي: ۲۷۸/۳، انیس

برس کا نہ ہو جاوے، اس کے پیچھے تراویح نہ پڑھیں، ہدایہ وشامی وغیرہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔(۱)

(البتہ اگر چودہ برس کی عمر میں بلوغیت کے آثار پیدا ہو چکے ہوں اور وہ کہے کہ میں بالغ ہو چکا تو اس کے پیچھے درست ہوگی۔ظفیر) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۹۵/۴) ☆

پندرہ سال والے لڑکے کے پیچھے تراویح کا حکم:

سوال: پندرہ سال سے کم اور بارہ سال سے زیادہ عمر والے بچے کے پیچھے نماز تراویح پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۳۴۱، حافظ محمد اسماعیل صاحب (آگرہ) ۲۶/ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ، ۲۶/جون ۱۹۳۸ء)

الجواب

پندرہ سال سے کم عمر کا لڑکا اگر بالغ ہو جائے (مثلا اسے احتلام ہونے لگے) تو اس کے پیچھے تراویح جائز ہے اور اگر کوئی علامت بلوغ ظاہر نہ ہو تو پندرہ سال کی عمر پوری ہونا ضروری ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۴۰۷/۳)

---

(۱) ولایجوز للرجال أن یقتدوا بامرأۃ أوصبی ... وفی التراویح والسنن المطلقۃ جوزہ مشائخ بلخ ولم یجوزہ مشائخنا ... والمختارأنه لایجوز فی الصلوات کلها؛لأن نفل الصبی دون نفل البالغ ،إلخ.(الهدایة،باب الإمامة: ۱۱۱/۱،ظفیر) (کتاب الصلاۃ: ۱۰۳/۱،مکتبة رشیدیة،انیس)

☆ **ایک ماہ کم پندرہ سال لڑکے کی امامت تراویح میں درست ہے، یا نہیں:**

سوال: جس لڑکے کی عمر یکم رمضان ۱۳۳۸ھ کو چودہ سال گیارہ ماہ کی ہوگی، اس کو امامت تراویح جائز ہے، یا نہیں؟ نیز وتر میں امامت جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

مسئلہ یہ ہے کہ اگر لڑکے میں اور کوئی علامت بلوغ کی مثل احتلام وانزال کے نہ پائی جاوے تو پورے پندرہ برس کی عمر ہونے پر شرعاً وہ بالغ سمجھا جاتا ہے، پس جس لڑکے کی عمر یکم رمضان شریف کو چودہ سال گیارہ ماہ کی ہو، اس کو امامت تراویح اور وتر میں درست نہیں ہے، کیونکہ صحیح مذہب حنفیہ کا یہی ہے کہ نابالغ کی امامت فرائض ونوافل اور واجب میں درست نہیں ہے۔(کذا فی الدر المختار والشامی)(ولایصح اقتداء رجل بامرأۃ وخنثٰی وصبی مطلقاً ولو فی جنازۃ ونفل علی الأصح(الدر المختار، کتاب الصلاۃ،باب الإمامة: ۸٤/۱،مکتبة زکریا دیوبند،انیس)

والمختار أنه لایجوز فی الصلوات کلها.(ردالمحتار،باب الإمامة: ۵۳۹/۱، ظفیر)(کتاب الصلاۃ،مطلب الواجب کفایة هل یسقط بفعل الصبی وحده: ۳۲۲/۲،مکتبة زکریا دیوبند،انیس)(البتہ اگر کوئی علامت بلوغ کی پائی جاتی ہو تو درست ہوگی۔ظفیر) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۶۶/۴)

(۲) بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال ... فإن لم یوجد فیهما شیء منها فحتٰی یتم لکلم منهما خمس عشرۃ سنه،به یفتٰی.(الدر المختار، کتاب الحجر،فصل بلوغ الغلام بالاحتلام: ۱۵۳/٦،ط:سعید)

پندرہ سال سے زیادہ عمر ہے؛ مگر علامت بلوغ ظاہر نہیں تو امامت کا کیا حکم ہے:

سوال: زید کی عمر قمری مہینوں کے اعتبار سے ۱۵/سال، ۱۴/ماہ کی ہے اور کوئی علامت بلوغ کی بظاہر نہیں ہے تو زید کے پیچھے نماز تراویح وغیرہ درست ہے، یا نہ؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

شریعت میں جب کہ کوئی علامت بلوغ کی ظاہر نہ ہو تو قمری حساب سے پورے پندرہ برس کی عمر ہونے پر حکم بالغ ہونے کا کر دیا جاتا ہے۔ (درمختار)(۱)

لہٰذا زید کے پیچھے نماز فرائض و نماز تراویح پڑھنا درست ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۸۳/۴)

نابالغ کی پڑھائی ہوئی تراویح کا حکم:

سوال: نابالغ نے تراویح میں ایک منزل سنائی، پھر بالغ نے باقی چھ منزل سنائی، کیا پورے ختم کا ثواب مقتدیوں کو ملے گا، یا نہیں؟ یا گنہگار رہوں گے اور عبادت رائگاں گئی؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

حنفیہ کے نزدیک نابالغ کی امامت تراویح میں بھی جائز نہیں ہے اور فتویٰ اسی پر ہے، اس لئے جتنی تراویح نابالغ کے پیچھے پڑھی گئی ہے وہ ادا نہ ہوئی، (۲) اور جتنی بالغ کے پیچھے پڑھی گئی، وہ صحیح و درست ہوئی۔ درست نماز کا ثواب ملے گا اور جو غلط طریقہ پر پڑھی گئی، اس کا ثواب نہیں ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۸/۱۱/۱۳۵۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۱۲/۲-۲۱۳)

تیس سال کی عمر والے کے پیچھے تراویح بلا کراہت درست ہے:

سوال: ایک حافظ کے ڈاڑھی مونچھ نہیں ہے اور ان کی عمر ۳۰/سال کی ہے، ان کے پیچھے نماز تراویح وغیرہ جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) والسن الذی یحکم ببلوغ الغلام والجاریة إذا انتهیا إلیٰ خمس عشرة سنة عند أبی یوسف ومحمد رحمهما اللّٰه وهو روایة عن أبی حنیفة وعلیه الفتویٰ. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الحجر، الباب الثانی، الفصل الثانی فی معرفة حد البلوغ: ۶۱/۵، مکتبة زکریا دیوبند، ظفیر)

(۲) وإمامة الصبی العاقل فی التراویح والنوافل المطلقة تجوز عند بعضهم ولا تجوز عند عامتهم، کذا فی محیط السرخسی. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱۶/۱-۱۱۷، انیس)

الجواب

ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں کچھ کراہت نہیں ہے، نماز بلا کراہت ان کے پیچھے صحیح ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۶۸-۲۶۹)

نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنے والا گناہگار ہے، یا نہیں:

سوال: نابالغ حافظ کے پیچھے تراویح ہو جاتی ہے، یا نہیں؟ اگر کوئی باصرار پڑھے تو اس کو کچھ گناہ ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

صحیح مذہب کے موافق نابالغ کے پیچھے نماز تراویح وغیرہ صحیح نہیں ہے اور نماز نہیں ہوتی، جو ایسا کرے گا، اس کی نماز تراویح وغیرہ نہ ہوگی۔(هكذا في الدر المختار والشامي وغيرهما)(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۹۴)

تبلیغی جماعت کے حافظ کے پیچھے تراویح:

سوال: تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے حافظ صاحب کے پیچھے تراویح کی نماز پڑھی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ بعض لوگ ان کے پیچھے تراویح پڑھنے کو درست نہیں سمجھتے؟ (اراکین شوریٰ ومعتمد تنظیم المساجد، سدی پیٹ)

الجواب

تبلیغی جماعت کے لوگ ایمان اور عمل صالح کی طرف دعوت دیتے ہیں، کسی بری بات کی طرف نہیں بلاتے؛ اس لیے ان کے پیچھے نماز کیوں درست نہیں ہوگی؟ تبلیغی جماعت سے منسلک حفاظ کے پیچھے نمازِ تراویح پڑھنا بلاشبہ درست ہے۔

(کتاب الفتاویٰ: ۲/۳۹۷)

عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے والے کی تراویح کی امامت:

سوال: زید ایک گاؤں میں امامت کرتا ہے، صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے، اس سال بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھے؛ مگر امامت کرتا رہا اور تراویح بھی پڑھاتا رہا۔ کسی نے کہا کہ امام صاحب تراویح پڑھا نہیں سکتے؛ کیوں کہ روزہ نہیں رکھ رہے ہیں۔ اب اس گاؤں، یا اطراف وجوانب میں اس لائق آدمی نہیں، جو امامت کرے تو اس صورت میں زید کا

---

(۱) سئل العلامة ...عن شخص بلغ من السن عشرين سنة وتجاوز حد الإنبات ولم ينبت عذر،آه،فهل يخرج بذلك عن حد الأمردية،إلخ، فأجاب بالجواز من غير كراهة وناهيك به قدوة.(رد المحتار،باب الإمامة: ۵۲۵/۱،ظفير)(كتاب الصلاة،مطلب في إمامة الأمرد: ۳۰۱/۲-۳۰۲،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۲) ولايصح اقتداء رجل بامرأة وخنثى وصبي مطلقاً ولوفي جنازة ونفل على الأصح.(الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار: ۵۴۱/۱،ظفير)(كتاب الصلاة،باب الإمامة: ۱/۸۴،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

امامت کرنا جائز ہوگا، یا اگر دوسرا کوئی امامت کے لائق ہے؟ مگر امام نہیں، یہی امام مقرر ہے، اس صورت میں .... کہ زید روزہ سے نہیں ہے، امامت کرسکیں گے؟

الجواب ——————— حامدًا ومصلیاً

جو شخص مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے۔ اللہ پاک نے اس کو مہلت دی ہے کہ پھر بعد میں رکھے، اس کو مجرم قرار نہیں دیا کہ اس کی امامت کو ناجائز قرار دیا جائے۔

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ (الآية) (سورة البقرة: ١٨٤) (۱)

لہٰذا زید مذکور کی امامت فرض وتر وتراویح سب میں درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاوی محمودیہ: ۷/۲۷۴-۲۷۵)

فصل کی کٹائی کی وجہ سے روزہ افطار کرنے والے کی اقتدا کا حکم:

سوال: فصل کٹائی، یا کسی ایسے ہی سخت مشقت والے کام کے لیے روزہ کا افطار جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ———————

اگر فصل کاٹنے میں تاخیر کرنے سے زراعت کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو، تب تو کاشتکار کو لازم ہے کہ فصل کو بعد رمضان کے کاٹے اور اگر تاخیر سے زراعت کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو؛ اس لیے رمضان ہی میں کاٹنا پڑے اور کٹائی کی حالت میں روزہ دشوار ہو تو کاشتکار کو اس حالت میں افطار جائز اور درست ہے، بعد رمضان کے ان ایام کی قضا کرے، کفارہ نہ ہوگا۔

قال في الفتاوى الكاملية: سئلت عن حصاد لم يقدر علىٰ حصاد زرعه مع الصوم وإذا أخره يهلك هل يجوز له الافطار حينئذ؟

فالجواب: نعم، يجوز له ذلك حينئذ، فقد نقل المحقق ابن عابدين رحمه الله في حواشيه على الدر من الخير الرملي مانصه:

وعلىٰ هٰذا الحصاد وإذا لم يقدر عليه مع الصوم ويهلك الزرع بالتاخير لاشك في جواز الفطر والقضاء، آه. والله أعلم (ص: ١٦-١٧)

۲۱/ رمضان ۱۳۴۱ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۳۵)

---

(۱) ﴿فمن كان منكم مريضاً أو علىٰ سفرٍ، فعدة من أيام أخر﴾ الآية: أي المريض والمسافر لايصومان في حال المرض والسفر، لما في ذلك مشقة عليهما، بل يفطران ويقضيان بعدة بعد ذلك من أيام اخر". (تفسير ابن كثير، سورة البقرة: ١/٢٩٠، مكتبة دار السلام رياض)

داڑھی کٹانے والے کے پیچھے تراویح جائز نہیں:

سوال: زید امام مسجد ہے، وہ اپنی ڈاڑھی کو کبھی مشین سے خشخشی کراتا ہے اور کبھی قینچی سے کتراتا ہے، یعنی اس کی داڑھی ایک مشت سے کم ہے، اگر کوئی اس سے پوچھے کہ آپ ایک مشت، یا اس سے زیادہ کیوں نہیں رکھتے تو جواب دیتا ہے کہ داڑھی کا صرف منہ پر نظر آنا ضروری ہے، ایک مشت، یا اس سے زائد داڑھی رکھنا ضروری نہیں ہے۔ مسمی زید کے اس جواب کی شرعی نوعیت کیا ہے؟ اور ایسے امام مسجد کے پیچھے نماز جائز ہے، یا نہیں؟

بکر حافظ قرآن اور خوش الحان ہے اور وہ بھی اپنی داڑھی کتراتا ہے، اس کی داڑھی زید کی طرح ہے۔ صورت وسیرت میں متبع شریعت حفاظ بآسانی مل سکتے ہیں۔ اگر کسی مسجد کی انتظامیہ کے کچھ ارکان بکر کو تراویح میں قرآن سنانے کے لیے مقرر کردیں تو حافظ مذکور کے پیچھے نماز درست ہے، یا نہیں؟ جو مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے صدر، یا ممبر ہونے کی وجہ سے پابند شریعت حفاظ کی جگہ بکر جیسے حافظ کا تقرر کریں، جب کہ ان کو مسئلہ بھی بتادیا جائے، ایسے ارکان کے لیے کیا حکم ہے؟ ایسے حفاظ، یا ائمہ جو داڑھی کترا کر مشت سے کم رکھ کر تراویح، یا پنجگانہ نماز کے امام بن جاتے ہیں، ان کے لیے شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ مسجد، یا مدارس عربیہ کی انتظامیہ کمیٹی کا صدر، یا متولی، یا مہتمم کا صورت وسیرت میں حتی الوسع متبع شریعت ہونا ضرور ہے، یا نہیں؟ ﴿وما كانوا أوليآئه، إن أوليائه إلا المتقون﴾ (پ:۹، سورۂ انفال) کا مفہوم کیا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

داڑھی ایک مشت سے کم کرنا بالاتفاق حرام ہے؛ بلکہ شریعت کی علانیہ بغاوت ہونے کی وجہ سے دوسرے کبائر سے بھی شدید گناہ ہے۔

قال في شرح التنوير: وأما الأخذ منها وهي دون ذلك (القبضة) كما يفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم يبحه أحد. (۱)

لہٰذا زید فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، متبع شریعت حافظ نہ بھی ملے تو بھی فاسق کو تراویح کا امام بنانا جائز نہیں۔ فرائض میں صالح امام میسر نہ ہو تو جماعت نہ چھوڑے؛ بلکہ اس کے پیچھے فرض نماز پڑھ لے، مگر تراویح میں فاسق کی اقتدا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ صالح حافظ نہ ملنے کی صورت میں تراویح چھوٹی سورتوں سے پڑھی جائیں۔ اگر داڑھی کٹانے والے کو مسجد کی منتظمہ متعین کردے تو بھی اس کی اقتدا میں تراویح پڑھنا جائز نہیں۔ ایسے ارکان جو مسئلہ کا علم ہونے کے بعد بھی فاسق کو امام متعین کرنے پر بضد ہوں خود فاسق ہیں۔ اہل محلّہ پر فرض ہے کہ

(۱) رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما يكره: ۳۹۸/۳، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

ایسے بے دین ارکان کو مسجد کی مجلس منتظمہ سے فورا برطرف کر دیں، یہ لوگ اس منصب کے اہل نہیں، اگر اہل محلّہ کو اس پر قدرت نہیں تو حکومت پر فرض ہے کہ ان کو اس مقدس منصب سے برطرف کرے اور ان کو مناسب سزا دے۔

مساجد اور مدارس عربیہ کے کارکنوں کا ظاہرا و باطنا متبع شریعت ہونا ضروری ہے، اگر کوئی رکن متبع شریعت نہیں تو وہ واجب العزل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ رشوال ۱۳۸۷ھ (احسن الفتاویٰ: ۳/۵۱۷-۵۱۹)

فاسق امام کے پیچھے نمازِ تراویح پڑھانے کا حکم اور اس کی تفصیل:

سوال: بعض بعض حفاظِ قرآن مجید بعد گذر جانے ماہِ رمضان المبارک کے تارک الصلوٰۃ ہو جاتے ہیں اور بعض پنجوقتہ نماز میں سے ایک دو وقت کی نماز گاہے بگاہے ادا کرتے ہیں، یا ڈاڑھی بالکل مُنڈواتے ہیں، یا نہایت مبالغہ کے ساتھ کترواتے ہیں کہ ایک انگشت کے برابر بھی نہیں چھوڑتے، جب ماہِ مبارک آتا ہے تو ایسے حافظ نماز تراویح میں امام بن کر کلام پاک سناتے ہیں تو ایسے حافظ کے پیچھے نماز، یا تراویح پڑھنا مکروہ ہے، یا نہیں؟ اور اگر مکروہ ہے تو تنزیہی ہے، یا تحریمی؟ اور مکروہ تحریمی کی کسی آیتِ قرآنی، یا حدیث صحیح سے تشریح فرما دیجئے؟ اور نیز مکرر یہ ہے کہ مرتکب مکروہ تحریمی کا گنہگار ہوتا ہے، یا نہیں؟ اور نماز بکراہت تحریمی ادا کی ہوئی واجب الاعادہ ہوتی ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر یہ لوگ رمضان میں گذشتہ گناہوں سے توبہ کر لیں اور نماز پنجوقتہ کی پابندی شروع کر دیں اور ڈاڑھی منڈانا، یا کتروانا چھوڑ دیں، تب تو ان کے پیچھے تراویح مکروہ نہیں اور اگر رمضان میں بھی وہ اپنے افعال فسقیہ پر باقی ہوں تو ان کے پیچھے نماز مکروہ ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ کراہتِ تنزیہی ہے، یا تحریمی؟ شرنبلالی اور زیلعی نے کراہتِ تحریمیہ کو ترجیح دی ہے اور طحطاوی بھی اسی طرف مائل ہیں، باقی علماء نے تنزیہی کہا ہے؛ مگر یہ کراہت اس وقت تک ہے، جب کہ کوئی امام نیک دستیاب ہو سکے اور اگر بجز فاسق کے کوئی حافظ نہیں ملتا تو اہلِ محلّہ کو چاہئے کہ اس صورت میں ختمِ قرآن کی طمع نہ کریں، کسی ناظرہ خواں نیک آدمی کو امام بنا کر ﴿الم تر کیف﴾ سے تراویح ادا کر لیں، اگر اہل محلّہ ایسا نہ کریں اور حافظ فاسق ہی کو امام بناویں تو پھر جو کچھ گناہ ہوگا، اول امام بنانے والوں کو ہوگا، دوسرے لوگوں کو بلا کراہت اس کے پیچھے تراویح پڑھنا جائز ہے؛ مگر اپنے افعال واقوال سے اس امام کی عظمت وتعظیم نہ کریں اور اگر محلّہ میں کوئی دوسری مسجد ایسی ہو، جہاں نیک امام تراویح پڑھاتا ہو تو وہاں جا کر تراویح پڑھنا چاہیے، فاسق کے پیچھے نہ پڑھنا چاہیے اور اگر نیک امام کوئی نہیں ملتا، نہ حافظ، نہ ناظرہ خواں تو پھر فاسق کی اقتدا بلا کراہت جائز ہے۔

قال فی نورالإیضاح: وکره إمامة العبد إلٰی قوله ولذا کره إمامة الفاسق،آه. قال الطحطاوی: وأفاد الحموی أن کراهة الاقتداء بالعبد وما عطف علیه تنزیهیة إن وجد غیرهم وإلا فلا،آه. وسیأتی ما یفید أن إمامة الفاسق مکروهة تحریمًا،آه. (ص: ۱۷۵)(۱)

قال فی نورالایضاح: ولذا کره إمامة (الفاسق) العالم (قلت: فإمامة الفاسق الجاهل بالأولٰی لوجود السببین للمنع فیه) لعدم اهتمامه بالدین فتجب إهانته شرعاً فلایعظم بتقدیمه للإمامة.

قال الطحطاوی: (قوله فتجب، إلخ): تبع فیه الزیلعی ومفاده کون الکراهة فی الفاسق تحریمیة،آه. وإذا تعذر منعه ینتقل عنه إلٰی غیر مسجده للجمعة وغیرها وإن لم یقم الجمعة ألا هو تصلی معه. آه.

قال الطحطاوی: وفی السراج هل الأفضل أن یصلّی خلف هؤلاء أم الانفراد قیل أما فی الفاسق فالصلاة خلفه أولٰی وهٰذا إنما یظهر علٰی أنّ إمامته مکروهة تنزیهًا أما علی القول بکراهة التحریم فلا وأما الآخرون فیمکن أن یقال الانفراد أولٰی لجهلهم بشروط الصلاة ویمکن اجراء علٰی قیاس الصلاة خلف الفاسق وجزم فی البحر بأن الاقتداء بهم أفضل من الانفراد،آه. (ص: ۱۷۶)(۲)

قلت: بشرط أن لا یکون الإمام لحانا یفسد الصلاة بلحنه وإلا فالانفراد أولٰی بل هو المتعین إذا لم یجد إماماً غیره. واللّٰه أعلم

تنبیہ: چوں کہ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہونے میں دو قول ہیں۔ایک قول میں کراہت، تنزیہی ہے، دوسرے تحریمی ہے؛ اس لیے اس میں شروفساد نہ بڑھانا چاہیے، اگر سہولت کے ساتھ ایسے امام سے علاحدگی ممکن ہو تو خیر، ورنہ اگر فتنہ، یا عداوت کا اندیشہ ہو تو اسی کے پیچھے نماز پڑھتے رہیں۔دوسرے امام کی طرف منتقل ہونے کی سعی نہ کریں، البتہ اگر امام فاسق ہونے کے ساتھ جاہل بھی ہو اور قرآن بھی غلط سلط پڑھتا ہو، جس سے فسادِ نماز کا احتمال قوی ہو تو پھر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہیے۔ واللہ اعلم

۱۶؍رمضان ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۴۰-۲۴۲)

بیٹھ کر تراویح پڑھانے والے کے پیچھے تراویح پڑھنا:

سوال: ایک حافظ صاحب بسبب کمزوری کے کھڑے ہوکر نماز تراویح میں قرآن شریف نہیں سنا سکتے اور ان کا دل چاہتا ہے کہ قرآن شریف سناؤں اور اکثر نمازی بھی ان کے پیچھے قرآن شریف سننا چاہتے ہیں۔ایسی صورت میں

---

(۱) حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، فصل فی بیان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲، انیس

(۲) حاشیة الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح، باب الإمامة، فصل فی بیان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲-۳۰۳

یہ صاحب بیٹھ کر تراویح، یا فرض نماز پڑھا سکتے ہیں، یا نہیں؟ جب کہ پیچھے مقتدی کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہیں؟ فقط

الجواب ــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر وہ امام صاحب کھڑے ہوکر پڑھانے پر قادر نہیں ہیں تو ان کو بیٹھ کر ہی نماز پڑھانا شرعاً درست ہے اور ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ اگر ان سے بہتر امامت کے لائق، یا کم از کم ان کے ہم رتبہ کوئی دوسرا شخص موجود ہو جو کہ نماز کھڑے ہوکر پڑھادیا کرے اور فرض وہ پڑھادے اور تراویح یہ حافظ جی پڑھادیا کریں۔

وصح اقتداء متوضی ... بمتیمم بماسح ... وغاسل بمار (وقائم بقاعد)،آه". (تنویر الأبصار)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہٰذا۔ صحیح: عبد اللطیف، یکم/رجب/۱۳۶۰ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۶۷)

فرض منفرداً پڑھنے والا تراویح کی امامت نہ کرے:

سوال: حافظ صاحب کے دیر سے پہنچنے کی وجہ سے فرض کی جماعت ہوگئی، اس کے بعد حافظ صاحب بھی آگئے، انہوں نے اکیلے فرض پڑھ کر تراویح کی جماعت کرائی تو اس میں کوئی حرج تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

جزئیہ ذیل سے اس صورت میں کراہت معلوم ہوتی ہے۔

أما لو صليت بجماعة الفرض وكان رجل قد صلى الفرض وحده فله أن يصليها مع ذلك الإمام؛ لأن جماعتهم مشروعة فله الدخول فيها معهم لعدم المحذور. (۲)

اس سے ثابت ہوا کہ مقتدی نے فرض منفرداً پڑھے ہوں تو وہ تروایح کی جماعت میں اس لیے شریک ہوسکتا ہے کہ وہ تابع ہے، امام چوں کہ جماعت میں اصل ہے؛ اس لیے اس کے لیے مکروہ ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والوں کی جماعت کو علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے، اگرچہ مقتدی چار سے زیادہ ہوں۔ ابن عابدین کی اس تحقیق میں اگرچہ بندہ کو اشکال (وجہ اشکال حکم شبینہ کے تحت ملاحظہ ہو) ہے؛ مگر اس سے اتنا ضرور ثابت ہوا کہ امام کی حالت زیادہ قابل لحاظ ہے، البتہ یہ کراہت صرف امام پر ہوگی مقتدیوں پر نہیں۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ (قوله: وفي التاترخانية، إلخ): عبارتها نقلاً عن المحيط وذكر

(۱) تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۲/۳۳۶، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۲) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراویح: ۲/۴۹۹، دار الکتب العمیة، انیس

القاضی الإمام أبوعلی النسفی فیمن صلی العشاء والتراویح والوترفی منزله ثم أم قومًا أخرین فی التراویح ونوٰی الإمامة کره له ذلک ولایکره للمأمومین ولولم ینو الإمامة وشرع فی الصلوٰة فاقتدٰی الناس به لم یکره لوأحد منهما، آه.(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵/ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۲۴-۵۲۵)

باجماعت فرض نہ پڑھنے والا تراویح میں امام بن سکتا ہے اور بعد میں آنے والا وتر میں شریک ہوسکتا ہے:

سوال: جس حافظ نے عشا کے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں، وہ ان لوگوں کو تراویح پڑھا سکتا ہے، یانہیں، جوعشا کے فرض جماعت سے پڑھ چکے ہوں؟

ایک شخص نے عشا کے فرض جماعت سے پڑھے، پھر کسی حاجت، یا کسی کام سے باہر چلا گیا، جب وہ شخص کام سے فارغ ہوکر مسجد میں آیا تو وتروں کی جماعت ہونے والی تھی، اس نے وتر جماعت سے پڑھ لیے اور تراویح پھر علاحدہ اس نے اپنی پڑھی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کو وتر جماعت سے پڑھنے چاہیے تھے، یانہیں؟ اور وتر لوٹانے کی ضرورت ہے، یانہیں؟

الجواب

جس حافظ نے عشا کی فرض باجماعت نہیں پڑھے، وہ تراویح میں امامت کرسکتا ہے؛ یعنی اس کے پیچھے تراویح پڑھنی جائز ہے۔(۲)

جس نے تراویح کی نماز جماعت سے نہیں پڑھی، اسے وتر کی جماعت میں شریک نہ ہونا چاہیے؛ لیکن اگر شریک ہوگیا تو اس کے وتر ہوگئے، لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی:۳/۳۹۲-۳۹۳)

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب فی کراهة الاقتداء فی النفل علیٰ سبیل التداعی وفی صلاة الرغائب: ۲/۵۰۱، دار الکتب العمیة، انیس

(۲) أما لوصلیت بجماعة الفرض وکان رجل قد صلی الفرض وحده فله أن یصلیها مع ذلک الإمام؛ لأن جماعتهم مشروعة فله الدخول فیها معهم لعدم المحذور. (رد المحتار، مبحث التراویح: ۲/۴۸، ط: سعید) (کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراویح: ۲/۴۹۹، دار الکتب العمیة، انیس)

(۳) قال فی التنویر وشرحه: (ووقتها بعد صلاة العشاء) إلی الفجر (قبل الوتر وبعده) فی الأصح، فلو فاته بعضها وقام الإمام إلی الوتر، أوتر معه، ثم صلّٰی ما فاته. (تنویر الأبصار وشرحه الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۴، ط: سعید)

نماز تراویح میں مرد، عورتوں کی امامت کرسکتا ہے، یا نہیں:

سوال: کچھ عورتوں کی خواہش ہے کہ نماز تراویح جماعت سے پڑھیں، مقتدی صرف عورتیں ہی ہوں گی اور حافظ صاحب جو امام ہوں گے، وہ عورتوں کے لیے غیر محرم ہیں۔ یہ صورت جائز ہوگی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر اس جماعت میں حافظ کی کچھ محرم عورتیں بھی رہیں تو نماز درست ہوگی اور اگر کوئی محرم نہ ہو تو نماز نہیں ہوگی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۳۱/۸/۱۷ھ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۱۳)

جس حافظ کو قرآن صحیح یاد نہ ہو، اس کی امامت تراویح:

سوال: ایک حافظ صاحب گاؤں میں قرآن شریف سنا رہے تھے، ایک رکعت میں کم از کم پانچ دفع غلطی کرتے تھے، کچھ لوگوں نے دوسرے حافظ صاحب کا تعین کر دیا، آیا ان کا یہ فعل صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

جس کو قرآن یاد نہیں ہے، اس کو تراویح کے لیے امام نہ بنایا جاوے، جس کو یاد ہے اس کو امام بنایا جاوے، اتفاقاً کہیں غلطی ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۷/۳۲۶)

امام تراویح میں غلط پڑھے اور سامع نہ ہو تو کیا کیا جائے:

سوال: نماز تراویح اگر ایک ہی حافظ پڑھائے اور سامع کوئی نہ ہو اور حافظ کوئی غلطی کر جائے تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟

(۱) ایسی صورت میں قرآن شریف تراویح میں سنے، یا ﴿الم تر كيف﴾ سے؟

---

(۱) نماز دونوں صورتوں میں صحیح و درست ہوگی، البتہ اگر کوئی دوسرا مرد یا کوئی محرم عورت نہ ہو تو امامت مکروہ ہوگی، جو عورتیں غیر محرم ہوں، ان کے لیے پردۂ شرعی کا مکمل نظم ضروری ہوگا۔ [مجاہد]

"(كما تكره إمامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه) كأخته (أو زوجته أو أمته، أما إذا كان معهن واحد ممن ذكر أو أمّهن في المسجد لا) يكره". (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۸۳، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) قال الإمام: إذا كان إمامه لحانا، لابأس بأن يترك مسجده ويطوف. (الفتاوىٰ الهندية: الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۶، رشيدية)

(۲)　اگر مقتدیوں کو شبہ ہو جائے تو ایسی حالت میں مقتدی کیا کرے؟

(۳)　اگر قرآن شریف کی وجہ سے مقتدی تراویح کم پڑھتے ہوں تو کیا مقتدیوں کا لحاظ کرتے ہوئے ﴿الم تر کیف﴾ سے پڑھے؟

(۴)　اگر حافظ کو اطمینان ہو اور مقتدیوں کو نہ ہو تو ایسی صورت میں کیا کرے؟

(۵)　بعض مقتدیوں کا خیال ہے کہ اگر حافظ صاحب کو یوں اطمینان ہوتا تو قرآن شریف کو بار بار کھولنے کا کیا مطلب ہے؟ اگر کوئی آیت چھوٹ جائے، یا تغیر وتبدل پیدا ہو کہ جس کا علم نہ حافظ صاحب کو ہے، نہ مقتدیوں کو تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

(۱)　اگر پختہ حافظ ہو کہ اس کو خوب یاد ہو، بغیر تراویح بھی پڑھنے اور سنانے کی وجہ سے بار بار تجربہ ہو چکا ہے تو اس کے لیے مضائقہ نہیں،(۱) بلا وجہ غلطی کا اس پر وہم نہ کیا جائے۔ اگر حافظ ایسا نہ ہو تو اس کے پیچھے کوئی حافظ رہنا چاہیے؛ تا کہ بھول پر بتا سکے اور غلط نہ پڑھنے دے، ورنہ ﴿الم تر کیف﴾ سے پڑھ لی جائے۔(۲)

(۲)　پختہ حافظ کے پیچھے تراویح پڑھ کر ختم قرآن کی فضیلت حاصل کرے، جو کچا حافظ ہو اور اٹکتا ہو، غلط پڑھتا ہو اور کوئی بتانے والا نہ ہو تو اس کو امام نہ بنایا جائے۔ اگر ﴿ألم تر کیف﴾ سے پڑھائے تو اس کے پیچھے پڑھ لے، ورنہ کسی دوسری جگہ پڑھے؛ تا کہ غلطی سے حفاظت رہے، اگر چہ ختم کی فضیلت حاصل نہ ہو سکے۔(۳) مقتدی کو جو شبہ ہو، امام سے دریافت کرے اور بلا تحقیق عین نماز میں نہ کچھ بتائے، نہ کچھ پوچھے؛ بلکہ سلام کے بعد شبہ دور کرے۔

(۳)　اگر مقتدی پورا قرآن نہ سنیں؛ بلکہ اس کی وجہ سے جماعت میں آنا بھی بند کردیں تو پھر مجبوراً ختم نہ کیا جائے؛ بلکہ اتنا پڑھا دے کہ مقتدی سن لیں اور مسجد کو نہ چھوڑیں؛ لیکن ایسی حالت میں سنت ختم سے سب محروم رہیں گے۔(۴) لہٰذا ہمت کر کے ختم کا اہتمام کیا جائے۔

---

(۱)　ولاینبغی للقوم أن یقدموا فی التراویح الخوشخوان، ولکن یقدمون الدرستخوان. (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصلام، فصل فی مقدار القرأة فی التراویح: ۲۳۸/۱، رشیدیة)

(۲)　والمتأخرون کانوا یفتون فی زماننا بثلاث آیات قصار أو آیة طویلة حتی لایمل القوم، ولایلزم تعطیل المساجد، وهذا أحسن، کذا فی الزاهدی. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل فصل فی التراویح: ۱۱۸/۱، رشیدیة)

(۳)　لو کان الإمام لحاناً لابأس بأن یترک مسجده. (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصلام، فصل فی مقدار القراءة فی التراویح: ۲۳۹/۱، رشیدیة)

(۴)　(قوله: الأفضل فی زماننا إلخ)؛ لأن تکثیر الجمع أفضل من تطویل القراءة ... فالحاصل أن المصحّح فی المذهب أن الختم سنة، لکن لایلزم منه عدم ترکه إذا لزم منه تنفیر القوم وتعطیل کثیر من المساجد خصوصاً فی زماننا، فالظاهر اختیار الأخف علی القوم. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراویح: ۴۷/۲، سعید)

(۴) امام نے تو پڑھا، یاد کیا، سنایا اس کو تو اس لیے اطمینان ہے، مقتدی کو اطمینان کیوں نہیں؟ اگر مقتدی کے نزدیک امام غلط پڑھتا ہے اور صحیح کرنے کی کوئی صورت نہیں تو وہ ایسے امام کے پیچھے نہ پڑھے۔(۱)

(۵) اتفاقاً اگر ایسا ہو جائے کہ امام کو متشابہ لگ گیا، پھر اس نے قرآن شریف کھول کر دیکھ لیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تمام قرآن ہی غلط پڑھتا ہے، جس سے معنی بگڑ جاتے ہیں اور نماز فاسد ہو جاتی ہے؛ تاہم اگر واقعہ ایسا ہی ہو تو ایسے شخص کو ایسی حالت میں امام نہ بنایا جائے۔(۲) اگر دوسرا کوئی شخص امامت کا اہل نہ ہو تو امام کو چاہیے کہ دن میں خوب یاد کرے، کسی کو سنایا کرے، ورنہ ﴿الم تر کیف﴾ سے، یا جہاں سے پختہ ہو، وہاں سے ہی تراویح میں پڑھ دیا کرے، غلط سلط پڑھ کر نماز خراب نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم شعبان/۷ ۱۳۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۲۳-۳۲۵)

☆ ☆ ☆

(۱) وکذا لو کان الإمام لحاناً، لابأس بأن یترک مسجده. (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصلاة، فصل فی مقدار القرأة فی التراویح: ۱/۲۳۸، رشیدیة)

(۲) وکذا لو کان الإمام لحاناً، لابأس بأن یترک مسجده. (فتاوی قاضی خان، کتاب الصلاة، فصل فی مقدار القراء ة فی التراویح: ۱/۲۳۸، رشیدیة)

دو چند جگہیں نماز تراویح کی امامت

ایک حافظ کا دو مسجدوں میں تراویح پڑھانا:

سوال: بعض حافظ ایسا کرتے ہیں کہ مسجد میں تراویح پڑھا کر آتے ہیں، پھر اسی وقت دوسری مسجد میں بھی پڑھا دیتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

اس کو مکروہ لکھا ہے، اگر چہ تراویح ہو جاتی ہیں۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۹/۴)

دو جگہ ایک شخص تراویح پڑھا سکتا ہے، یا نہیں:

سوال (۱) امام اگر دو جگہ تراویح پڑھا دے تو ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

(۲) ۲۷/ رمضان شریف کو قرآن شریف ختم کر کے غزل الوداع مسجد میں پڑھی جاتی ہے۔ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱) دو جگہ تراویح ہو جاتی ہیں۔(۲) فقط

(اگر دونوں جگہ پوری پوری تراویح پڑھاوے تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق دوسری مسجد والے کی تراویح درست نہ ہوگی۔ عالمگیری میں صراحت ہے، حاشیہ پر حوالہ دیکھیں۔ ظفیر)

(۲) یہ درست نہیں۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۸/۴)

---

(۱) عالمگیری میں سوال مذکور کا جواب ناجائز لکھا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

إمام يصلي التراويح في مسجدين في كل مسجد على الكمال لايجوز، كذا في محيط السرخسي، والفتوىٰ علىٰ ذلک، كذا في المضمرات. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ١١٦/١، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

(۲) ولو أم في التراويح مرتين في مسجد واحد كره (إلىٰ قوله) وإن صلىٰ في المسجدين اختلف المشائخ فيه حكي عن أبي بكر الإسكاف أنه لايجوز يعني لايجوز تراويح أهل المسجد الثاني واختاره أبو الليث، وقال أبو نصر: يجوز لأهل المسجدين جميعاً الخ. (غنية المستملي، ص: ٣٨٩) ==

ایک امام کا دو جگہ تراویح پڑھانا:

سوال: زید نے ایک مسجد میں قرآن کا ایک پارہ سنایا، پھر دوسری مسجد میں یہی ایک پارہ سنایا تو کیا ایک حافظ دو مسجدوں میں اس طرح قرآن مجید سنا سکتا ہے اور اس طرح سنت ادا ہوگی، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اگر امام دونوں مسجدوں میں تراویح پڑھے، مثلاً: ایک مسجد میں دس رکعت تراویح میں ایک پارہ پڑھا اور پھر دوسری مسجد میں دس رکعتوں میں یہی پارہ پڑھایا، ایک روز ایک مسجد میں اور دوسرے روز دوسری مسجد میں پڑھا تو اس میں کوئی قباحت نہیں، ختم قرآن کی سنت بھی ادا ہو جائے گی اور اگر ایک مسجد میں تراویح بیس رکعت پوری کر کے اسی رات دوسری مسجد میں بھی تراویح کی امامت کی تو امام کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں؛ مگر مقتدیوں کی تراویح صحیح ہیں؛ اس لیے کہ تراویح میں متنفل کی اقتدا جائز ہے۔

نقل ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ عن الخلاصة إمام يصلي التراويح في مسجدين كل مسجد علىٰ وجه الكمال لايجوز؛ لأنه لا يتكرر. (البحر الرائق: ۶۸/۲)(۱)

وفي إمامة الشامية تحت(قوله: في الصحيح، خانية): يصح الاقتداء في الترويح وغيرها بمفترض وغيره ومثلها سائر السنن الرواتب كما تفيده عبارة الخانية، تأمل. (۲)

وفي التراويح منها(قوله وفي التاترخانية) إلخ عبارتها نقلا عن المحيط وذكر القاضي الإمام أبو علي النسفي فيمن صلى العشاء والتراويح والوتر في منزله ثم أم قومًا آخرين في التراويح ونوى الإمامة كره له ذلك ولا يكره للمأمومين ولو لم ينوا لإمامة وشرع في الصلاة فاقتدىٰ الناس به لم يكره لو أحد منهما، آه. (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷/رمضان ۱۳۹۲ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۵۲۳/۳) ☆

== إمام يصلي التراويح في مسجدين في كل مسجد على الكمال لايجوز، كذا في محيط السرخسي، والفتوىٰ علىٰ ذلك، كذا في المضمرات. (الفتاویٰ الهندية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱۱۶/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۳) عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد. {متفق عليه}(مشكوٰة، ظفير)(كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، انيس)

حاشية صفحه هذا:

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱۲۰/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۳۳۱/٤، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في كراهة الاقتداء في النفل علىٰ سبيل التداعي: ۵۰۱/۲، دار الكتب العلمية، انيس ==

دو مسجدوں میں جماعت تراویح کرانے کا حکم:

سوال: قصبہ ہذا کئی مسجدوں پر بوجہ عدم موجودگی حفاظ کئی سال سے ختم قرآن مجید نہیں ہوتا تھا اور وہاں کے مصلیاں اس کے ثواب سے محروم رہتے تھے۔امسال ایک حافظ صاحب نے قبل رمضان شریف یہاں کی یہ حالت سن کر یہ نیت کیا تھا کہ اگر میں یہاں رمضان شریف میں رہا تو جو مسجدیں خالی رہیں گی، اگر وہاں کے مصلی سنیں گے تو بلا معاوضہ ختم سناؤں گا، چناں چہ چاندرات ہی سے دو مسجدوں پر وہاں کے مصلیان کی خواہش سے تراویح بکمالہ (یعنی بست رکعت ہر دو مسجد) پڑھانا شروع کردیا۔بعض لوگوں نے حافظ صاحب کہ اس طرز عمل پر اعتراض کیا، حافظ صاحب نے اپنے عمل کے ثبوت جواز میں فتاوی مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کی اس تحریر کو پیش کیا اور خود کو نا ذر قرار دیا، والتحریر ھذا:

جواز التراويح بنية مطلقة ونية النفل كماحققه ابن الهمام وفى الثانى هوأداء التراويح من المقتدى خلف من يصلى التطوع إلا أنه لايخلو عن كراهة لمخالفة السلف والملخص فى هٰذا أن يندر الإمام الذى صلى التراويح ويوجب علىٰ نفسه قد رما يريد أن يؤديه مع الجماعة الثانية فيكون ذلک عليه واجباً ويخرج عن شبهته،إلخ. (۲۵۲/۱،مطبوعة يوسفى،طبع سنة: ۱۳۲۱/الهجرى)

(ثبوت:۲)

وقال قاضى خان: وقال أبوبكر: سمعت أبا نصر أنه قال: يجوز لأهل المسجدين جميعاً، الخ. (۱۱۲/۱، باب التراويح)(۱)

(ثبوت:۳،حدیث مشکوٰۃ)

عن جابر قال: كان معاذبن جبل يصلى مع النبى صلى الله عليه وسلم ثم يأتى قومه فيصلى بهم. {متفق عليه} **وعنه قال: كان معا ذ يصلى مع النبى صلى الله عليه وسلم العشاء ثم يرجع إلىٰ قومه فيصلى بهم العشاء وهى له نافلة.** {رواه البيقهى والبخارى،ص:۱۰۳،باب من صلىٰ صلاة مرتين}(۲)

== ☆ دو مسجدوں میں جماعت تراویح کرانے کا حکم:

سوال: زید ایک مسجد میں بیس رکعت تراویح پڑھانے کے بعد دوسری مسجد میں بھی بیس رکعت پڑھاتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس دوسری مسجد میں مقتدیوں کی نماز درست ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کوئی صورت جواز کی ہوسکتی ہے؟

الجواب

ہمارے نزدیک دوسری مسجد کے مقتدیوں کی تراویح درست نہیں ہوتی اور صورت جواز نکالنے کی ضرورت کیا ہے۔

۱۲ رمضان ۱۳۴۷ھ۔(امداد الاحکام:۲/۲۷۰)

(۱) فتاویٰ قاضى خان علىٰ الهندية، كتاب الصلاة، باب التراويح: ۲۳۳/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۲) مشكوٰة المصابيح، كتاب الصلاة،الفصل الأول،ص:۱۰۳،انيس

(۱) اب سوال یہ ہے کہ ان مقتدیوں کی اقتدا امام ناذر مذکورہ صحیح ہوئی، یا نہیں؟ اور تراویح دوسری مسجد والے مصلیوں کی ادا ہوئی اور سورۂ تراویح سے یہ صورت ان کے لیے افضل ہے، یا نہیں؟

(۲) جناب نے استفتاء سابق میں مولانا عبدالحی صاحب کے فتوی محولہ کو تسلیم کرتے ہوئے عندالضرورۃ کی قید لگائی ہے، یہ قید ان کی کس عبارت سے مفہوم ہوتی ہے۔ براہ کرم نقل فرماویں اور لفظ ''ضرورت'' سے جناب کی کس قسم کی ضرورت مراد ہے، کیا حالات موجودہ مذکورہ بالا ضرورت کے لیے کافی ہو سکتے ہیں؟ بینوا توجروا برھنوا علی أقوالکم.

الجواب

جن معترضوں نے حافظ صاحب موصوف کے طرز عمل پر اعتراض کیا ہے، ان کا اعتراض غلط نہیں؛ کیوں کہ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اس کے متعلق قاضی خان کا قول نقل فرمایا ہے: ''الأصح أنه لایجوز'' اور صدر شہیدؒ سے نقل کیا ہے: '' إمام یصلی التراویح فی مسجد ین علی الکمال لایجوز'' اور امام قاسم بن قطلو بغا محدث وفقیہ الحنفیہ کا قول نقل فرمایا ہے: ''الأصح أنه لایصح وھو مکروہ'' اور نصاب الفقہ سے نقل کیا ہے: ''لایجوز لہ أن یفعل؛ لأن التراویح سنة والسنن لایتکرر فی الوقت والواحد فإذا فعل ذلک لا یکون سنة و الفتوی علی ذلک، آہ'' اور یہ الفاظ وہ ہیں، جو لفظ فتویٰ اور اصح سے مؤید ہیں۔ ان کے خلاف جو قول ہوگا، وہ ضعیف ہے، جیسا کہ لفظ ''قیل، وقال بعضھم وینبغی أن یقول'' کے عنوانات اس کے ضعف پر دال ہیں اور ضعیف روایت پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا؛ مگر سخت ضرورت کے وقت، مثلاً: صورت مسئولہ میں کوئی حاکم مسلم اس حافظ کو یہ حکم کرتا کہ دو تین مسجدوں میں علی الکمال تراویح پڑھاؤ اور مقتدیوں کو سننے کا امر کرتا اور تخلف میں خطرہ ہوتا تو ہم اس وقت ضعیف روایت کو اخذ کر کے فتویٰ جواز کا دیتے؛ کیوں کہ جب تک شریعت میں کچھ بھی وسعت ہو تو مسلمانوں کو خطرہ میں ڈالنا مناسب نہیں۔ ہاں وسعت نہ ہو تو گنجائش نہ دی جائے گی؛ بلکہ اس وقت حاکم کو دبایا جائے گا، ونحو ذلک من الضرورات التی یعرفھا العلماء اور ایسے ہی ضرورت کے وقت اس مخلص سے کام لیا جائے گا، جو مولانا عبدالحی صاحبؒ نے ''والمخلص فی ھذا أن ینذر الإمام'' میں بیان کیا ہے اور گو مولانا عبدالحیؒ نے اس کو ضرورت سے مقید نہیں کیا؛ مگر ہم نے ان کے کلام کو صحیح کرنے کے لیے یہ محمل بیان کر دیا اور نہ بظاہر ان کا قول صحیح نہیں؛ کیوں کہ وہ خود اوپر عالمگیریہ سے نقل کر چکے ہیں کہ تراویح مفترض کے پیچھے صحیح نہیں، بوجہ مخالف سلف کے، (حالاں کہ نافلہ مطلقہ خلف المفترض صحیح ہے)، پھر وہ ناذر کے پیچھے کس دلیل سے تراویح کو جائز کرتے ہیں، کیا اس میں سلف کی مخالفت نہیں ہے؟ کیا سلف نے کبھی نذر کر کے ایسا ہے؟ اور اگر ناذر کے پیچھے تراویح بلا کراہت جائز ہے تو مفترض کے پیچھے بھی جائز ہونا چاہیے۔ عرض یہ مخلص مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے محض اپنی رائے سے بیان فرمایا ہے، جو

عالمگیریہ کے جزئیہ کے مصادم ہے، لہٰذا اگر اس کو کوئی رد کردے تو اس کو حق ہے؛ مگر ہم نے ادباً یہ لکھ دیا تھا کہ وہ ضرورت کے وقت پر محمول ہے اور صورتِ مسئولہ میں کوئی ضرورت نہیں؛ اس لیے حافظ صاحب موصوف کو اپنے طرزِ عمل کو اس طرح بدل دینا چاہیے کہ ایک مسجد میں آٹھ رکعتوں میں، یا دس میں سیپارہ سنادیں، بقیہ کو وہ لوگ ﴿الم تر کیف﴾ سے پورا کرلیں اور دوسری مسجد میں ان کے جانے تک دس، یا آٹھ رکعتیں ﴿الم تر کیف﴾ سے پڑھی جائیں، بقیہ کو مع وتر کے سیپارہ کے ساتھ حافظ صاحب پڑھادیں؛ بلکہ اس طرح حافظ صاحب چاہیں تو پانچ مسجدوں میں ایک ساتھ ختم سنا سکتے ہیں کہ ایک ایک مسجد میں چار چار رکعتوں میں سیپارہ سنادیا کریں اور بقیہ رکعتیں دوسرا شخص چھوٹی چھوٹی سورتیں سے پڑھاویں اور اگر مولانا عبدالحی صاحبؒ کے مخلص کو ضرورت کے ساتھ مقید نہ کیا گیا؛ بلکہ مطلق رکھا گیا تو اس سے وہ حفاظ بہت زیادہ کام لے لیں گے، جو بمعاوضہ ختم سناتے پھرتے ہیں کہ وہ چالیس رکعتوں میں دس جگہ قرآن شروع کرکے معقول رقم جمع کرلیا کریں گے، اس کو مولانا عبدالحی صاحبؒ بھی کبھی جائز نہیں کہہ سکتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ مخلص عام نہیں۔

اور اس کے بعد حافظ صاحب نے دوسرا ثبوت قاضی خاں سے دیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قاضی خان ہی میں اس سے پہلے ابوبکر اسکلاف کا قول مذکور ہے، اس کے بعد ابوبکر کے واسطے سے ابونصر کا قول نقل کیا گیا ہے: "یجوز لأهل المسجدین جمیعًا" اور قاعدہ اصولیہ یہ ہے کہ جس روایت کی مخالفت خود راوی کرے، وہ روایت قابل احتجاج نہیں رہتی۔ پس ابونصر کا قول قابل اخذ نہ رہا؛ کیوں کہ اس کے راوی ابوبکر نے خود اس کی مخالفت کی ہے۔(۱)

اور اگر ابونصر سے اس قول کی روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے تو خود اس روایت کو بوجہ ضعف دلیل کے ضعیف کہا جائے گا؛ کیوں کہ اس کے خلاف جو اقوال ہیں، وہ لفظ فتویٰ وغیرہ سے مؤکد و مؤید ہیں، جو ان کی قوتِ دلیل پر دال ہے۔

اور حدیث معاذ کو جو ثبوت میں پیش کیا گیا ہے، یہ نہایت ہی عجب ہے؛ کیوں کہ حدیث معاذ تکرار وتراویح کے متعلق نہیں؛ بلکہ اگر اس کا مطلب وہی مان لیا جائے، جو حافظ موصوف سمجھے ہیں تو اس سے تکرارِ فرض لازم آئے گا کہ ایک شخص فرض نماز پڑھ کو وہ ہی فرض دوسری جگہ جا کر مقتدیوں کو پڑھاوے اور اس کو حنفیہ میں سے کسی نے بھی جائز نہیں کیا، نہ متقدمین میں سے، نہ متاخرین میں سے، نہ مولانا عبدالحیؒ صاحب نے، پس اس کا حنفیہ کے نزدیک وہ مطلب نہیں، جو ظاہراً مفہوم ہوتا ہے؛ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل کی نیت

---

(۱) وهٰذا فيما إذا كان ثبوت قول المروى عنه موقوفاً علىٰ رواية الراوى بخلاف ما إذا اشتهر عنه ولم يكن موقوفاًعلىٰ رواية الراوى كمذهب أبى حنيفة فإنه معروف برواية والموافق والمخالف فى أكثر المسائل فلا يقدح فيه مخالفه الرواة عنه فى بعض المسائل.

کرتے اور اپنی مسجد میں فرض کی نیت کرتے تھے اور دوسری روایت جو "هي له نافلة" آیا ہے، اس میں تصریح نہیں کہ یہ قول کس کا ہے؛ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ہے، یا ان کے پیچھے کے راوی کا ہے؟ تو حجت نہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ہے تو اس حالت میں حجت ہے کہ انھوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے سن کر ایسا فرمایا ہو، محض ظن اور تخمین سے نہ فرمایا ہو اور اس میں اس قدر احتمالات ہیں تو احتمالات کے ساتھ استدلال ساقط ہے اور بعد تسلیم کے یہ اس وقت پر محمول ہے، جب کہ تکرار فرض وتر جائز تھا، بعد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا تصلوا بعد صلاة مثلها ولا وتران في ليلة" (۱) فرما کر اس سے منع فرما دیا تو اب یہ صورت ممنوع ہوگئی۔

یہ تو دلائل خصم کا جواب ہے اور حنفیہ کی اصل دلیل جس کی بنا پر وہ "بناء قوي على الضعيف" کو جائز نہیں کہتے، حدیث: "الامام ضامن" ہے، جو صحیح حدیث ہے، جس سے معلوم ہوا کہ امام مقتدی سے کم نہ ہونا چاہیے؛ کیوں کہ ادنیٰ اعلیٰ کا ضامن نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ، ۱۴؍رمضان ۱۳۴۷ھ۔ الجواب صحیح: اشرف علی۔ (امداد الاحکام: ۲؍۲۷۴)

تتمہ سوال وجواب مندرجہ بالا:

آپ نے فتوی نمبر: ۶ میں جس کے سائل احمد مکرم صاحب ہیں اور جس کی نقل ارسال خدمت ہے، فرمایا ہے کہ اگر جواز سے مراد صحت صلوٰۃ ہے تو مسلم اور اگر صحت بلا کراہت ہے تو مسلم نہیں، للدلائل التي قد ذكرناها أولا اور اسی فتوی کے سوال نمبر: ۴ میں لکھتے ہیں کہ صحت صلوٰۃ میں کلام نہیں؛ بلکہ اس میں کلام ہے کہ صحت مع الکراہت ہے، یا بلا کراہت تو اس سے صحت صلوٰۃ تراویح متنازعہ فیہ مراد ہے، یا نفل؟ اگر تراویح مراد ہے تو کراہت تحریمی ہے، یا تنزیہی؟ اور اس مکروہ صورت پر عمل کی اجازت دی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ ہر جزو کا جواب صاف اور صریح قابل عمل دیا جاوے۔

اور اسی فتوے کے سوال نمبر: ۶ کے جواب میں آپ نے قاسم بن قطلو بغا کی عبارت کا جو مطلب بیان کیا ہے، اسے مدلل ارشاد فرمایئے؟ مجوزین فریق کا خیال ہے کہ یہ جواب بغیر دلیل قابل وقعت نہیں؛ اس لیے اسے جواز ہی پر محمول کیا جاتا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ آپ بادلیل اور بالتشریح صحیح مطلب بیان فرمائیں اور جائز مع الکراہت کی صورت میں افضلیت ختم قرآن فی التراویح متنازعہ پر ہے، یا سورۂ تراویح کو، اسے بھی ضرور رقام فرمایئے اور اس میں قابل عمل طریقہ کون سا ہے، یا بالکل اس پر عمل کی اجازت ہی نہیں ہوسکتی۔

(۱) عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ قَالَ زَارَنَا طَلْقُ بْنُ عَلِيٍّ فِي يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ وَأَمْسَى عِنْدَنَا وَأَفْطَرَ ثُمَّ قَامَ بِنَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَأَوْتَرَ بِنَا ثُمَّ انْحَدَرَ إِلَى مَسْجِدِهِ فَصَلَّى بِأَصْحَابِهِ حَتَّى إِذَا بَقِيَ الْوِتْرُ قَدَّمَ رَجُلاً فَقَالَ أَوْتِرْ بِأَصْحَابِكَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: لاَ وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ. (سنن أبي داؤد، باب في نقض الوتر، رقم الحديث: ۱٤٤۱، انیس)

اور آپ نے فتوی نمبر: ۷ پر سائل محمد ایوب اسروی کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک دوسری مسجد میں مقتدیوں کی تراویح درست نہیں ہوتی اور دوسرا فتوی نمبر: ۱۵ (جس کا سائل بھی محمد ایوب اسروی ہی ہے) اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ اور مولانا عبدالحی صاحب نے اس صورت کو مکروہ لکھا ہے، وہی صحیح ہے۔ فتوی نمبر: ۷ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تراویح درست ہی نہیں اور فتوی نمبر: ۱۵ سے ظاہر ہے کہ جائز مع الکراہت ہے۔ لہذا اس تعارض کو رفع فرما کر صحیح اور قابل عمل جواب ارقام فرمائیے؟

الجواب

صحت سے مراد صحت صلوٰۃ بطور نفل محض ہے اور تراویح اس صورت سے ادا نہ ہوگی۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ قاضی خاں کا اس صورت (تکرار تراویح) کے متعلق قول یہ ہے: ''الأصح أنه لایجوز'' اور صدر شہید کا قول ہے: ''إمام یصلی التراویح فی مسجد ین فی کل مسجد علی الکمال لایجوز''. (۱) اور نصاب الفقہ میں ہے: ''لایجوز له أن یفعل؛ لأن التراویح سنته والسنن لا تتکرر فی الوقت الواجد فإذا فعل ذالک لا یکون سنة والفتوٰی علٰی ذلک، آہ'' اور عالمگیریہ میں ہے: ''لو صلی التراویح مقتدیًا بمن یصلی مکتوبة أو وترًا أو نافلة الأصح أن لایصلح الاقتداء به؛ لأنه مکروه ومخالفة لعمل السلف''. (ذکر العبارات کلها مولانا عبد الحی فی فتاواه: ۱/۱۱۷-۱۱۸، مع الخلاصة)

ان عبارات میں تکرار تراویح بمسجدین کا عدم جواز وعدم صحت مصرح ہے اور علامہ قاسم بن قطلو بغا نے اختلاف نقل کرنے کے بعد یہی فرمایا ہے: ''والأصح أنه لایصح وهو مکروه''. پس اس میں ''لا یصح'' کے معنی وہی ہیں، جو عالمگیری اور نصاب الفقہ اور قاضی خان وغیرہ کی عبارات میں ''لا یجوز'' کے معنی ہیں؛ یعنی کہ تراویح مسنونہ کے طور پر یہ نماز درست اور صحیح نہ ہوگی۔ ہاں نفلاً صحیح ہے اور نفل جماعت سے مکروہ؛ اس لیے یہ نماز نفلاً مکروہ بھی ہے۔

قال فی جامع المضمرات: قوم صلوا التراویح ثم أرادوا أن یصلوها بعد ذلک یصلون فرادیٰ؛ لأنه تطوع وصلاة التطوع بجماعة لیست بمستحبة، آہ. (فتاویٰ عبد الحی)

قلت: وهو یعم الإمام والمقتدی جمیعًا فإن الجماعة فی التطوع یکره مطلقًا للإمام والمقتدیٰ فافهم.

میں نے مولانا عبدالحی صاحبؒ کے قول کو غیر مقلدوں کے قول کے مقابلہ میں صحیح کہا ہے اور اس کے اول و آخر میں تصریح کر دی ہے کہ مولانا کا قول بھی سلف کے خلاف ہے، سلف نے اس صورت کو غیر جائز اور غیر صحیح لکھتے ہوئے مکروہ فرمایا ہے، جس کے معنی وہی ہیں، جو اوپر مذکور ہوئے کہ تراویح تو درست وصحیح نہیں، ہاں نفل بکراہت صحیح ہے۔ میرے

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱/۱۱۶، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

سب اقوال کو جمع کرنے اور غور کرنے کے بعد یہ مراد واضح ہے، مخفی نہیں اور اس باب میں صاحب نصاب الفقہ کا یہ قول: ''أن التراویح سنة والسنن لاتتکرر في الوقت الواحد فإذا فعل ذلک لایکون سنة ''(۱) سب سے اقوی ہے۔ تمام فقہا اس پر متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص سنت فجر کو دوبارہ پڑھے، یا سنت ظہر و مغرب وعشا کو مکرر پڑھے تو سنت صرف اول ہے، ثانی سنت نہیں؛ بلکہ نفل محض ہے اور سنت مؤکدہ واجب کے قریب ہے تو جب امام تراویح کا تکرار کر رہا ہے اور سنت مؤکدہ نہیں تو اس کے پیچھے قوم کی تراویح ادا نہ ہوگی۔ ہمارے نزدیک یہی راجح اور صحیح ہے، گو مسئلہ مختلف فیہ ہے؛ مگر فتوی اسی پر ہے اور اصح یہی ہے اور جن فقہا نے اسی صورت میں تراویح کو مع الکراہۃ جائز کہا ہے، ان کی مراد کراہت تحریمہ ہے؛ کیوں کہ اطلاق کراہت بلا قید اسی کو مقتضی ہے۔ واللہ اعلم

۲۱/ذی قعدہ ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۷۰-۲۷۶)

ایک مسجد میں قرآن ختم کرنے کے بعد دوسری مسجد میں قرآن مجید سنانے کا حکم:

سوال: اس مسئلہ میں مدت سے شبہ ہے، لہذا حضرت والا سے استفتا کرتا ہوں، امید ہے کہ جواب سے تشفی خاطر فرماویں گے۔ ایک حافظ قرآن نے رمضان کے عشرۂ اُولیٰ میں ایک مسجد میں چند مقتدیوں کو ایک ختم لوجہ اللہ سنایا، پھر عشرۂ ثانیہ میں دوسری مسجد میں دوسرے مقتدیوں کو، جنھوں نے ختم سنا نہیں، ان کو دوسرا ختم سنایا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں بناء قوی علی الضعیف لازم آتا ہے؛ کیوں کہ دوسرے مقتدیوں کو ایک ختم سنانا مؤکدہ ہے اور حافظ صاحب کو دوسرا ختم سنانا مستحب ہے، یہ تو بندہ کا شبہ ہے، باقی جو حضرت کی مرضی ہو، وہی صواب ہے؟

الجواب

بناء القوی علی الضعیف یہ ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز سے اضعف ہو اور یہاں ایسا نہیں؛ کیوں کہ عشرۂ ثانیہ میں تراویح کی نماز امام ومقتدی دونوں پر علی السواء سنتِ مؤکدہ ہے؛ اس لیے یہ صورت جائز ہے۔ دوسرے یہ بھی مسلّم نہیں ہے کہ امام کی قرأت مقتدیوں کی قرأت سے اس صورت میں اضعف ہے؛ کیوں کہ گو نماز شروع کرنے سے پہلے تو امام پر قرأت واجب وسنت نہ تھی؛ بلکہ نفل تھی؛ لیکن نیت وافتتاحِ صلوٰۃ کے بعد اس پر قرأت بقدر صحت صلوٰۃ فرض ہوگئی اور اب وہ جتنی بھی قرأت کرے گا، سب فرض میں داخل ہوگی، اگرچہ سارا قرآن ہی ایک نماز میں پڑھ جائے، یہ سب فرض ہی میں داخل ہوگی۔

۹/شعبان ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۴۰)

---

(۱) قال المرغيناني: إنها سنة عين وكره أن يؤم في التراويح مرتين في ليلة واحدة وعليه الفتوىٰ لأن السنة لا تتكرر في الوقت الواحد فتقع الثانية نفلا، مضمرات. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في صلاة التراويح: ٤١٢، بيروت، انيس)

دس دس رکعت دو مسجدوں میں پڑھانا کیسا ہے:

سوال: ایک مسجد میں خطیب امام مقرر ہے۔تراویح اس قاعدہ سے پڑھاتے ہیں کہ عشا کے فرض دوسرا شخص پڑھاتا ہے اور تراویح کی دس رکعت میں سوا پارہ حافظ صاحب پڑھتے ہیں، باقی تراویح کو سورہ سورہ تراویح کی جماعت والوں میں سے ایک شخص پڑھاتے ہیں، اس کے بعد وہ حافظ صاحب دوسری مسجد میں جا کر وہی سوا پارہ دس رکعت تراویح میں پڑھاتے ہیں۔ یہ صورت جائز ہے، یا نہ؟

الجواب

قال فی الهندية: إمام يصلی التراويح فی مسجدين فی كل مسجد علی الكمال لايجوز، كذا فی محيط السرخسی.(۱)

اس (فقہی) روایت سے معلوم ہوا کہ دس دس تراویح دو مسجدوں میں پڑھانا درست ہے؛ مگر کچھ لینا بمعاوضہ قرآن شریف ختم کرنے کے درست نہیں ہے، كما ورد ﴿اقرؤوا القرآن ولاتأكلوا به﴾ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۶۱/۴)

ایک حافظ ایک ہفتہ میں ایک مسجد میں، دوسرے ہفتہ دوسری مسجد میں قرآن تراویح میں ختم کرے:

سوال: بعض حافظ پانچ سات روز میں ایک مسجد میں قرآن شریف تراویح میں پورا ختم کر کے دوسری مسجد میں دوسرا ختم تراویح میں سناتے ہیں۔ یہ درست ہے، یا نہیں؟ اور دوسری مسجد والوں کی تراویح ہو جاتی ہے، یا نہیں؟ حافظ لوگ اور بعض عالم اس کو جائز بتلاتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ حافظ کو ایک ختم سنت ہے، دوسرا ختم نفل ہے اور مقتدی کے واسطے ختم سنت ہے تو سنت والوں کی نماز نفل والے کے پیچھے کیسے ہوگی؟ اس کی تحقیق فرمائیں۔

---

(۱) عالمگيری كشوری،فصل فی التراويح : ۱۱۵/۱،ظفير)(الفتاویٰ الهندية،كتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل:۱۱۶/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۲) وأخرج أحمد بن عبد الرحمن بن شبل الأنصاری أن معاوية قال له: إذا أتيت فسطاطی فقم فأخبر ماسمعت من رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول: اقرؤا القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا عنه ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به .(مسند الإمام أحمدبن حنبل،حديث عبد الرحمن بن شبل:۴۴۳/۳،رقم الحديث:۱۵۷۵۸،انيس)

أخرج البيهقی عن سليمان بن بريدة عن أبيه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم.(شعب الإيمان للبيهقی،التاسع عشر من شعب الإيمان هو باب فی تعظيم القرآن، فصل فی ترک قراءة القرآن فی المساجد والأسواق ليعطی ويتأكل به: ۵۳۲/۲،رقم الحديث: ۲۵۲۶،انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

ایک مسجد میں پانچ سات روز میں قرآن شریف ختم کر کے دوسری مسجد میں دوسرا ختم حافظوں کو کرنا درست ہے اور دوسری مسجد والوں کی تراویح صحیح ہیں؛ کیوں کہ تراویح کی نماز تمام رمضان شریف میں سنت مؤکدہ ہے۔ پس دوسری مسجد میں جو حافظ نے تراویح پڑھائی، وہ بھی سنت مؤکدہ ہوئی اور مقتدیوں کی تراویح بھی سنت مؤکدہ ہوئی، لہٰذا دونوں کی نماز متحد ہوئی۔ علاوہ بریں نفل پڑھنے والے کے پیچھے سنت بھی ہو جاتی ہیں اور یہ شبہ کہ ختم قرآن شریف ایک بار سنت مؤکدہ ہے۔ دوسرا اور تیسرا ختم نفل ہے، ساقط ہے؛ کیوں کہ نماز امام کی سنت مؤکدہ ہے، ختم کے سنت نہ ہونے سے وہ نماز سنت ہونے سے خارج نہیں ہوئی اور مقتدیوں کی نماز میں کچھ نقصان نہیں آیا؛ لیکن افضل اور بہتر اس زمانہ میں یہ ہے کہ امام حافظ ایک ختم سے زیادہ تراویح میں نہ پڑھے؛ تاکہ مقتدیوں کو گراں نہ ہو۔

كمافي ردالمحتار: لٰكن في الاختيار: الأفضل في زماننا قدرما لايثقل عليهم، وفي الشامي: ومنهم من استحب الختم في ليلة السابع والعشرين رجاء أن ينالوا ليلة القدر. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۹۳/۴)

ایک حافظ کے لیے دو ختم پڑھنے کا حکم:

سوال: رمضان میں ایک حافظ دس، دس روز میں دو ختم دو مسجدوں میں کر سکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نماز تراویح پورے ماہ رمضان میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے؛ اس لیے حافظ صاحب موصوف کو اختیار ہے کہ دو مسجدوں میں، یا دس، پانچ مسجدوں میں سے ہر ایک میں ایک ایک ختم پڑھیں۔ یہ سب نماز ان کی اور ان کے مقتدیوں کی سنت مؤکدہ ہی ادا ہوگی۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۷۵/۳/۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۱۵/۲)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، مبحث صلاة التراويح: ٤٩٧/٢، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) السنة في التراويح إنما هو الختم مرة ... والختم مرتين فضيلة والختم ثلاث مرات أفضل، كذا في السراج الوهاج. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ١١٧/١)/ كذا في الجوهرة النيرة، باب قيام شهر رمضان: ٩٨/١، المطبعة الخيرية، انيس)

ينبغي للإمام وغيره إذا صلى التراويح وعاد إلىٰ منزله وهو يقرأ القرآن أن يصلي عشرين ركعة في كل ركعة عشر آيات احرازًا للفضيلة وهي الختم مرتين والزهاد وأهل الاجتهاد كانوا يختمون في كل عشر ليال ... ولو عجل الختم له أن يفتتح من أول القرأن في بقية الشهر. (فتاوى قاضي خان علىٰ هامش الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، فصل في مقدار القراءة في التراويح: ٢٣٨/١، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

ایک مسجد میں ختم قرآن کے بعد دوسری مسجد کی تراویح کی امامت:

سوال: فتاوی عالمگیری کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک حافظ ایک مسجد میں قرآن ختم کرنے کے بعد دوسرے دن سے دوسری مسجد میں ختم تراویح کی امامت نہیں کرسکتا ہے۔عالمگیری کی عبارت یہ ہے:

"إمام يصلي التراويح في مسجدين في كل مسجد على الكمال لايجوز". (۱)

اس کے متعلق شرعی احکام سے آگاہ کرائیں؟

الجواب ــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

حنفیہ کے نزدیک رمضان المبارک کی ہر ایک رات کو بیس رکعت تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، چاہے اس میں قرآن ختم کیا جائے، یا نہ کیا جائے۔ایک پیش امام (چاہے حافظ ہو، یا نہ ہو) ایک رات میں بیس رکعت ایک مسجد میں، پھر بیس رکعت دوسری مسجد میں نہیں پڑھا سکتا ہے؛ کیوں کہ پہلی مسجد میں تو سنت مؤکدہ ادا ہو چکی، اب دوسری مسجد میں محض نفل ادا ہوگی اور محض متنفل کے پیچھے سنت مؤکدہ پڑھنے والے کی نماز ناقص ہوگی۔فتاوی عالمگیری کی عبارت کا مطلب یہی ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ چند روز کی تراویح میں اگر ایک ختم قرآن ہو جائے تو پھر وہ حافظ دوسری مسجد میں تراویح نہیں پڑھا سکتا ہے، یا یہ کہ چند روز میں ختم قرآن کے بعد باقی رمضان کی راتوں کی تراویح سنت مؤکدہ نہیں رہتی ہے، ہرگز یہ مطلب نہیں ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عباس، ۱۸/۹/۱۳۵۷ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۲۸/۲-۳۲۹)

ایک حافظ کا ایک رمضان میں تین چار جگہ قرآن ختم کرنا:

سوال: ایک حافظ ایک رمضان میں مثلاً: تین عشر میں تین جگہ تراویح میں قرآن ختم کرتے ہیں اور ہر ایک جگہ مقتدی غیر ہوتے ہیں۔اب سوال ہے کہ ایسے ختم وتراویح جائز ہے، یا نہیں؟ اگر اس کے جواز کی ایک دلیل مرقوم ہو تو بہتر ہے؟

الجواب ــــــــــــــ

جائز ہے۔

قال في نور الإيضاح وشرحه: (وسن ختم القرآن فيها) أي التراويح (مرة في الشهر على الصحيح)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱۱۶/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) ينبغي للإمام وغيره إذا صلى التراويح وعاد إلى منزله وهو يقرأ القرآن أن يصلي عشرين ركعة، في كل ركعة عشر آيات احرازًا للفضيلة وهي الختم مرتين والزهاد وأهل الاجتهاد كانوا يختمون في كل عشر ليال. (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ الهندية، فصل في مقدار القراءة في التراويح: ۱۳۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

وھوقول الأکثرقال الطحطاوی ومرتین فضیلة وثلا ثاً فی کل عشر مرة أفضل،آہ.(ص: ۲٤۱)(۱)

قلت: والاطلاق یدل علیٰ أفضلیة الختم ثلا ثاً مطلقًا سواء کان فی مسجد واحد أوفی ثلاث مساجد فی کل مسجد مرة.

اور فتاویٰ قاضی خان میں جس صورت کومکروہ لکھاہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ روزانہ ایک مسجد میں پوری تراویح پڑھائے اور پھر وہی امام دوسری مسجد میں جا کر تراویح پڑھاوے، یہ مکروہ ہے۔

ولو صلیٰ إمام واحد التراویح فی مسجدین کل مسجد علیٰ وجه الکمال اختلف المشایخ فیه حکی عن أبی بکر الإسکاف رحمه الله أنه لایجوز وقال أبو بکر سمعت أبانصر أنه قال یجوز لأهل المسجدین جمیعًا کما لوأذن المؤذن وأقام وصلیٰ ثم أتی مسجدًا آخر فأذن وأقام وصلیٰ معهم فإنه لایکره وإنما یکره إذا أذن وأقام ولا یصلی معهم کذلک فی التراویح إلیٰ أن قال هٰذا إذا أمّ للناس مرتین فإن لم یکن إماماً وصلیٰ التراویح فی مسجد بجماعة ثم أدرک جماعة أخریٰ فی مسجد آخر فدخل معهم وصلیٰ لابأس به،آہ.(۲)

اور وجہ کراہت یہ ہے کہ جب ایک بار یہ شخص تراویح پڑھ چکا ہے تو دوبارہ اس کی نماز نفل ہوگی اور مقتدیوں کی تراویح ہوگی تو امام کی نماز مقتدی سے اضعف ہوگی، وذلک لا یجوز۔ بخلاف اس کے ایک مسجد میں ختم کر کے دوسری مسجدوں میں ختم کرے اور ہر جگہ امام ومقتدی کی نماز تراویح کی ہو، اس میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

۳ رشعبان (امدادالاحکام: ۲/۲۳۴-۲۳۵)

ایک حافظ متعدد بار ختم قرآن متعدد مساجد میں کرسکتا ہے:

سوال: کیا رمضان کے اندر ایک حافظ دس، دس روز میں دو ختم دو مسجدوں میں کرسکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نماز تراویح پورے ماہ رمضان میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، اس لئے حافظ صاحب موصوف کو اختیار ہے کہ دو مسجدوں میں یا دس، پانچ مسجدوں میں ہر ایک میں ایک ایک ختم پڑھیں، یہ سب نمازیں ان کی اور ان کے مقتدیوں کی سنت مؤکدہ ہی ادا ہوں گی۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عباس، ۲/۱۱/۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۳۲۸)

(۱) حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة التراویح، ص: ٤۱٤-٤۱٥، انیس

(۲) فتاویٰ قاضی خان علی الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصوم، باب التراویح: ۱/۲۳۳-۲۳٤، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۳) (التراویح سنة مؤکدة)لمواظبة الخلفاء الراشدین (للرجال والنساء)اجماعاً. (الدرالمحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراویح: ۱/۹۸، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

تراویح میں دو شخص کی امامت:

سوال: تراویح کی نماز دو امام مل کر پڑھا سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ وباللہ التوفیق

تراویح کی نماز دو امام پڑھا سکتے ہیں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۶۹/۱۱/۲۸ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۱۴)

دو امام مل کر تراویح پڑھائیں:

سوال: اگر دو امام مل کر تراویح کی نماز پڑھائیں، دس رکعت پہلا امام اور دس رکعت دوسرا امام تو کیا اس طرح تراویح پڑھانا درست ہے؟ (عبدالمجید، مشیر آباد)

الجواب ــــــــــــ

بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی امام پوری بیس رکعتیں پڑھائے، اگر دو امام پڑھائیں تو مستحب ہے کہ پہلا امام ترویحہ مکمل ہونے پر دوسرے امام کو آگے بڑھائے، مثلاً: وہ آٹھ رکعت پڑھائے اور دوسرا بارہ رکعت، یا وہ بارہ رکعت پڑھائے اور دوسرا آٹھ رکعت۔

"والأفضل أن يصلى التراويح بإمام واحد،فإن صلوها بإمامين فالمستحب أن يكون انصراف كل واحد علىٰ كمال الترويحة". (۲)(کتاب الفتاویٰ:۲/۴۰۲-۴۰۳)

---

(۱) وَالْأَفْضَلُ أَنْ يُصَلِّيَ التَّرَاوِيحَ بِإِمَامٍ وَاحِدٍ فَإِنْ صَلَّوْهَا بِإِمَامَيْنِ فَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يَكُونَ انْصِرَافُ كل وَاحِدٍ على كَمَالِ التَّرْوِيحَةِ فَإِنْ انْصَرَفَ على تَسْلِيمَةٍ لَا يُسْتَحَبُّ ذلك في الصَّحِيحِ وإذا جَازَتْ التَّرَاوِيحُ بِإِمَامَيْنِ على هذا الْوَجْهِ جَازَ أَنْ يُصَلِّيَ الْفَرِيضَةَ أَحَدُهُمَا وَيُصَلِّيَ التَّرَاوِيحَ الْآخَرُ وقد كان عُمَرُ رضي اللَّهُ تَعَالَى عنه يَؤُمُّهُمْ في الْفَرِيضَةِ وَالْوِتْرِ وكان أُبَيٌّ يَؤُمُّهُمْ في التَّرَاوِيحِ كَذَا في السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ.(الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة،الباب التاسع في النوافل،فصل في التراويح: ۱/۱۱٦،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۲) الفتاویٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب التاسع في النوافل،فصل في التراويح : ۱/۱۱٦،مكتبة زكريا ديوبند،انيس
وَالْأَفْضَلُ أَنْ يُصَلِّيَ التَّرَاوِيحَ بِإِمَامٍ وَاحِدٍ؛ لِأَنَّ عُمَرَ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – جَمَعَ النَّاسَ عَلَى قَارِئٍ وَاحِدٍ وَهُوَ أُبَيّ بْنُ كَعْبٍ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – فَإِنْ صَلَّوْهَا بِإِمَامَيْنِ فَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يَكُونَ انْصِرَافُ كُلِّ وَاحِدٍ عَلَى كَمَالِ التَّرْوِيحَةِ فَإِنْ انْصَرَفَ عَلَى تَسْلِيمَةٍ لَا يُسْتَحَبُّ ذَلِكَ وَكَانَ عُمَرُ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – يَؤُمُّهُمْ فِي الْفَرِيضَةِ وَالْوِتْرِ وَكَانَ أُبَيّ بْنُ كَعْبٍ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – يَؤُمُّهُمْ فِي التَّرَاوِيحِ.(الجوهرة النيرة على مختصر القدوری،باب قيام شهر رمضان: ۱/۹۸،المطبعة الخيرية،انيس)

عشاء، وتر اور تراویح علاحدہ امام پڑھائیں:

سوال: بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ مستقل امام صاحب نماز عشا اور وتر پڑھا دیتے ہیں اور حافظ صاحب تراویح، کیا یہ صورت درست ہے؟ (محمد بدرالدین، کرنول)

الجواب

اس طرح نماز پڑھانا درست ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نمازِ عشا اور وتر خود پڑھایا کرتے تھے اور نمازِ تراویح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پڑھایا کرتے تھے۔

”وقد كان عمر رضی الله عنه يؤمهم في الفريضة والوتر وكان أُبي رضی الله عنه يؤمهم في التراويح“. (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۴۰۳/۲)

☆ ☆ ☆

(۱) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراويح: ۱۱٦/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

امامتِ تراویح پر اجرت لینا

تراویح میں سنانے کی اجرت:

سوال: مردمان زید را برائے خواندن قرآن مجید در نماز تراویح دعوت نمودند و بعد ختم کردن زید سامعین چندہ کردہ قدرے معین فیما بینہم از سکۂ انگریزی باو دادند و نیز ایں دادن در عرف مروج است الا آنکہ ہنگام دادن گفتند کہ ایں قابل شما نیست و نیت طرفین للہ بود، آیا زید را ایں روپیہ گرفتن درست است، یانہ؟ و سامعین را دادن روا باشد، یانہ؟ (۱)

الجواب

اصل اینست کہ بر تلاوۃ قرآن شریف و ختم قرآن حمید اجرت و معاوضہ گرفتن حرام است و ثواب تالی و سامعین را باطل می کند۔ کما فی الشامی، کتاب الإجارة: "قال تاج الشريعة فی شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لا للميت ولا للقاری (إلیٰ أن قال) والآخذ والمعطی آثمان إلخ فإذا لم يكن للقاری ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر"، إلخ. (۲)

پس اگر در صورت مسئولہ حسب عرف و رواج کہ بمنزلۂ شرط صریحی است اگر زید قاری را خیال و ارادہ اخذ مال از سامعین بود دلدادۂ سامعین بدادن مقدارے از مال بود دریں صورت موافق تصریح فقہا ثواب قاری و سامعین باطل شد وسنت قرآن شریف ادا نہ شد، و اگر در نیت قاری و سامعین گرفتن و دادن روپیہ نہ بود بعد از ختم محض لوجہ اللہ وابتغاء مرضات اللہ روپیہ بقاری دادند و او قبول کرد جائز خواہد شد، فالعبرة لنية القاری والسامعين۔

قال عليه الصلاة والسلام: "إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نویٰ". {الحديث} (رواه البخاری وغيره) (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۹۸/۴-۲۹۹)

---

(۱) خلاصۂ سوال: چند لوگوں نے زید کو نماز تراویح میں قرآن سنانے کے لیے مدعو کیا اور زید کے قرآن ختم کرنے کے بعد سامعین نے آپس میں ایک متعین مقدار انگریزی روپیہ چندہ کر کے اس کو دیا اور یہ لین دین عرف میں رائج بھی ہے، البتہ دیتے وقت لوگ کہتے ہیں کہ یہ آپ کے شان کے مناسب نہیں ہے اور طرفین کی نیت اللہ کے لیے تھی تو کیا یہ روپیہ لینا زید کے لیے درست ہے، یا نہیں؟ اور سامعین کا دینا جائز ہے، یا نہیں؟ (انیس)

(۲) رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب فی الإستيجار على الطاعات: ۷۷/۹، دار الكتب العلمية، انیس

(۳) صحيح البخاری، باب كيف كان بدء الوحی إلیٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم: ۲/۱، مكتبة ملت ديوبند، انیس

خلاصۂ جواب: اصل یہ ہے کہ تلاوت قرآن اور ختم قرآن پر اجرت و معاوضہ لینا حرام ہے اور پڑھنے والے اور سننے والے کے ثواب کو باطل کر دیتا ہے، جیسا کہ شامی، کتاب الاجارہ میں ہے:..... ==

پیسے دے کر تراویح پڑھانا:

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶/اگست ۱۹۳۸ء)

سوال (۱) ایک مسلمان خود نماز پنجگانہ، یا تراویح نہیں پڑھتا؛ لیکن بغرض حصول ثواب روپیہ دے کر کسی مسلمان سے نماز تراویح پڑھواتا ہے تو اسے ثواب ملے گا، یا نہیں؟

موقوفہ دکان کی آمدنی سے امام مسجد کو تنخواہ دینا:

(۲) کسی مسلمان نے ایک مسجد پر اپنا موضع، یا مکان وغیرہ بغرض حصول ثواب وقف کر دیا ہے؛ تاکہ اس کی آمدنی سے انتظام صوم وصلوٰۃ ومرمت مسجد وغیرہ ہوتی رہے۔ وقف کنندہ، یا متولی روپیہ دے کر نماز تراویح پڑھواتا ہے، اس مسجد میں کوئی امام برائے نماز پنجگانہ نہیں ہے تو وہ روپیہ جو تراویح میں خرچ ہوا وقف کنندہ کو اس کا ثواب ملے گا، یا نہیں؟

تنخواہ دار امام کے پیچھے نماز:

(۳) کسی مسجد میں ایک امام بہ تنخواہ قلیل، یا کثیر پنجوقتہ نماز پڑھانے کے لیے مقرر ہے اور وہ نماز تراویح بھی پڑھاتا ہے تو ایسی نماز تراویح سے امام ومقتدی کو ثواب ملے گا، یا نہیں؟

تراویح کی اجرت لینا جائز نہیں:

(۴) ایسا روپیہ جو امام صاحبان نماز تراویح میں خلاف شرع لیتے ہیں، وہ رقم حلال ہے، یا حرام؟

الجواب

(۱) روپیہ دینا جب تراویح کے معاوضہ میں جائز ہی نہیں ہے تو اس کا ثواب کیا ملے گا۔(۱) واللہ اعلم

== پس اگر صورت مسئولہ میں عرف ورواج کے مطابق جو کہ واضح شرط ہے اگر قاری زید کو سامعین سے مال لینے کا خیال وارادہ تھا، سامعین کا خیال بھی ایک متعین مقدار مال دینے کا تھا تو اس صورت میں فقہا کی تصریح کے مطابق قاری وسامعین کا ثواب باطل ہوگا اور قرآن کی سنت ادا نہ ہوگی اور اگر قاری وسامعین کی نیت روپیہ لینے دینے کی نہ تھی اور ختم کے بعد محض لوجہ اللہ اور خوشنودی خداوند کے لیے قاری کو لوگوں نے روپیہ دیا اور اس نے اس کو قبول کر لیا تو جائز ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ قاری وسامع کی نیت کا اعتبار ہے، جیسا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمل کا دار ومدار نیت پر ہے۔ جیسا کہ بخاری وغیرہ میں ہے۔(انیس)

(۱) قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ وعلیه وسلم: من قرأ القرآن یتأکل به الناس جاء یوم القیامة ووجهه عظم لیس علیه لحم. (شعب الإیمان للبیهقی، التاسع عشر من شعب الإیمان هو باب فی تعظیم القرآن، فصل فی ترک قراءة القرآن فی المساجد والأسواق للیعطٰی ویستأکل به، رقم الحدیث: ۲۶۲۵، انیس)

وأن القراءة لشیء من الدنیا لا تجوز و أن الأخذ والمعطی آثمان، لأن ذلک یشبه الاستئجار علی ==

(۲)　اگر اس مسجد میں امام کوئی مقرر نہیں، فرض نمازوں کے پڑھانے کے لیے تو یہ ہوسکتا ہے کہ صرف رمضان المبارک کی امامت کے لیے کسی شخص کو پنج وقتی نمازوں کے لیے اور نماز تراویح پڑھانے کے لیے امام مقرر کر دیا جائے تو واقف کو ثواب ہوگا، لہٰذا بہتر یہی ہے؛ بلکہ ایسی صورت وقف مذکور میں ضروری ہے کہ بارہ مہینوں کے لیے امام مقرر کرلیا جائے؛ تاکہ بارہ مہینے نماز با جماعت ہوتی رہے اور جائداد موقوفہ کی آمدنی میں سے پیش امام کو تنخواہ دی جائے تو اس تنخواہ کے دینے کا واقف کو بھی ثواب ملے گا۔(۱)

(۳)　بے شک ایسی نماز تراویح سے امام ومقتدیان کو بھی ثواب ملے گا۔(۲)

(۴)　یہ رقم جو ناجائز طریق پر وہ لیں گے، ان کے لیے مکروہ تحریمی ہوگی۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۴۱۲، ۴۱۳)

از تتمہ:

سوال (۱) ایک مسجد میں ایک جماعت تراویح سے زیادہ جماعتیں قائم کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۲)　تراویح میں ایک حافظ اتنی بلند آواز سے قرآن پاک پڑھتا ہے کہ مسجد کے بالاخانوں اور صحنچیوں اور دیگر اطراف میں پہونچتی ہے، ایسی صورت میں دوسرے حافظ کا اس مسجد میں تراویح پڑھانا بلا کراہت جائز ہے، یا نہیں؟

(شیخ رشید احمد سوداگر صدر بازار دہلی)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱)　مسجد کے اندر ایک ہی جماعت ہونی چاہئے، ہاں اگر اوپر دوسری منزل ہو اور آواز ایک امام کی دوسری جماعت تک نہ پہنچے تو خیر۔

(۲)　مکروہ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ غفر لہ (کفایت المفتی:۳/۴۱۳)

==　القراءة ونفس الاستئجار عليها لايجوز فكذا ما أشبه كما صرح بذلک فی عدة كتب من مشاهير كتب المذهب؛ وإنما أفتٰی المتأخرون بجواز الاستيجار علٰی تعليم القرآن لا علی التلاوة وعللوه وهی خوف ضياع القرآن، ولا ضرورة فی جواز الاستئجار علی التلاوة. (رد المحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب فی بطلان الوصية بالحتمات والتهاليل: ۲/۷۳، ط: سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱)　ويبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس و مدرسة يعطون بقدر كفايتهم، إلخ. (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۶-۳۶۷، ط: سعيد)

(۲)　ويفتٰی اليوم بصحتها لتعليم القرآن الفقه والإمام والأذان. (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، ط: سعيد)

تراویح میں اجرت والے قاری سے سننے والوں کو ثواب حاصل ہونے کی تحقیق:

سوال: جس جگہ حافظ قرآن اجرت پر بلا کر اس سے کلام اللہ تراویح میں سنتے ہیں، معین تو نہیں کرے؛ مگر رواج عام اس بات پر ہو رہا ہے کہ لوگوں سے چندہ وصول کر کے ختم کے روز حافظ کو دیتے ہیں، گو اس صورت میں تراویح سننے کا ثواب ہوگا، یا نہیں؟ اگر ثواب نہ ہو تو کیا کرے آیا گھر پر تنہا پڑھ لیا کرے؟ مگر اس صورت میں جماعت سے محروم ہوگا؛ بلکہ فرضوں کی جماعت کا ترک بھی غالب ہوگا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــ

سننا جدا عمل ہے، اس میں کوئی امر مانع ثواب نہیں اس کا ثواب ہوگا۔(۱)

۱۲/شعبان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ،ص:۶۳) (امداد الفتاویٰ:۱/۴۹۶)

حفّاظ کو تراویح میں قرآن مجید کا معاوضہ دینے کے مسائل:

سوال: نماز تراویح میں قرآن پڑھنے، یا سننے پر اجرت مقرر کر کے لینا، یا بغیر مقرر کئے ہوئے قاری وسامع کو کچھ دینا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

قرآن سنانے کی اجرت تراویح میں لینا درست نہیں کہ قرآن پڑھنا عبادت ہے اور عبادت پر اجرت لینا حرام ہے۔
قال فی ردالمحتار: "الآخذ والمعطی آثمان". انتہٰی. (۲) واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ،ص:۳۲۴)

تراویح میں اجرت والے حافظ سے قرآن سننے کا حکم اور اس کی مختلف صورتوں کا بیان:

سوال: ہمارے ملک میں چند سال سے رواج ہو گیا ہے کہ اکثر حفاظ تراویح میں ختم پڑھنے کے لیے مساجد میں رمضان شریف میں مبلغ مقرر کر کے ختم کرتے ہیں، اگر کسی جا پر زیادہ مبلغ ملنے کی امید ہے تو بلا مقرر پڑھ دیتے ہیں اور یہ معلوم ہو جاوے کہ یہاں زنہار مبلغ حاصل نہ ہوگا، بالکل اقبال نہیں فرماتے۔ یہ امر اجرت علی الطاعۃ جس کی حرمت ومنع شرع میں وارد ہے، اسی میں داخل ہے، یا نہیں؟ اور بعض علماء فقط کراہۃً ہی کہتے ہیں اور بعض علما جائز بتلاتے ہیں، فقہاء متاخرین امور اربعہ؛ یعنی امامت واذان وتعلیم ووعظ میں ضرورۃً جائز ہی کہتے ہیں، سو اس ختم کو اسی باب امامت میں

(۱) اس میں شرط یہ ہے کہ سننے والا امام کو معاوضہ دینے والوں میں داخل نہ ہو۔ واللہ اعلم (محمد شفیع)
(۲) ردالمحتار، کتاب الصلاۃ:۲/۵۳۴،مکتبۃ زکریا دیوبند،انیس
ردالمحتار میں ہے کہ لینے اور دینے والا دونوں گناہ گار ہیں۔

داخل کر کے امامت تراویح بھی جس میں ختم ہوا امامت سے خارج نہیں کہتے ہیں، فقہا کی عبارات سے یا اور کتب سے حرمت اجرت ختم قرآن پر تراویح کی تصریح کہیں پائی نہ گئی، سوائے قواعد وقیاس کے اگر نظر فیض منظر میں گذری ہے تو ترقیم فرمانا؛ کیوں کہ ایصال ثواب قرأت کے منع میں جو اجرت سے واقع ہو، فقہا نے اس کے منع میں تشدد کئے ہیں، تراویح میں جو ایصال نہیں، محل تأمل ہے کہتے ہیں اور تعلیل فقہا کی ''ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن'' (۱) کی جو تعلیم قرآن کی ہے حفظ قرآن میں بھی جاری ہے کہتے ہیں کیونکہ ختم تراویح ترک کریں تو حفظ میں فتور وقصور واقع ہوگا، کبھی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ سے جو تعلیم قرآن میں کہتے ہیں: ''درخانہ کسے رفتن واز صبح تا شام نشستن، الخ''، کو محل اجارہ ٹھہرانے سے اس کی اجرت لینے میں کسی طرح کا خلاف نہیں کہتے اور کہتے ہیں گوکہ مبلغ کا دینا لینا واقع ہو؛ مگر بطریق تبادل وتعارض نہ ہو، بطریق صدقہ، یا ہدیہ جو چاہے سو دے سکتے ہیں اور یہ للہ پڑھ سکتے ہیں اور اس کو اس طرح سے زبان سے تصریح کر دینے میں دوسرے احتمالات منعدم ہو جاتے ہیں، انتہیٰ۔ ان صورتوں میں حق اور مطابق واقع اور صحیح وجہ مدلل مطلوب ہے اور ان امور کے سوائے اکثر پڑھنے والوں کی عادت یہ ہے کہ ترتیل اور قواعد تجوید سے عاری جلد طے کرنے کے طالب اور متعدد مقاموں میں غلطی بتلانے والے جابجا ٹوکتے ہیں تو وے کبھی لیتے، یا گڑبڑاتے، یا وقفہ کر لیتے، پھر اپنے خیال میں آنے کے بعد مقام معین تک پڑھ کر نماز بلا سہو تمام کر دینا اور اعراب والفاظ میں کلمات کفر کا لحاظ نہ رکھنا ایسے ختم میں امید اجر ہے، یا موجب وزر؟ بینوا توجروا۔

تتمه السوال: الفصل الثالث فی أمور مبتدعة باطلة، أکب الناس علیها علیٰ ظن أنها قرب مقصودة وهٰذه کثیرة فلنذکر أعظمها منها وقف الأوقاف سیما النقود لتلاوة القرآن العظیم فی أجزاء قرآنیة عین الواقف قراء تها فی مکان مخصوص أولم یعین له مکاناً أولأن یصلی نوافل أولأن یسبح أی یقول له سبحان اللّٰه کذا أولأن یهلل أولأن یصلی أو أطلق فی ذلک کله ولم یذکر عدد أویهدی ثوابها لروح الواقف أو لروح من أراده وأصل المسلة صحیح فیمن قرأ القرآن أوسبح أوهلل أوصلیٰ کذارکعة وأهدی ثواب ذلک لفلان الحی أوالمیت. قال الوالد فی شرحه علیٰ شرح الدرر فی بیان الحج عن الغیر: إعلم أن الإنسان له أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة أوصومًا أوصدقة أوقراءة قرآن أوذکر أوطوافًا أوحجًا أوعمرة أوغیر ذلک عند أصحابنا، کذا فی البحر. أما قوله علیه الصلاة والسلام لایصلی أحد عن أحد ولایصوم أحد عن أحد فهو فی حق الخروج عن العهدة لا فی حق الثواب فإن من صام أوصلیٰ أوتصدق وجعل

(۱) قال عبدالرحمن بن شبل: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: اقرؤا القرآن ولا تغلوا فیه ولا تجفوا فیه ولا تأکلوا به ولا تستکثروا به. (مسند الإمام أحمد، حدیث عبد الرحمن بن شبل: ۴۴۳/۳، رقم الحدیث: ۱۵۷۵۸، انیس)

ثوابه لغيره للأموات والإحياء جاز ويصل إليهم ثوابه عند أهل السنة والجماعة،كذا فى البدائع ثم فى البحر وبهٰذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أوحيا والظاهر أنه لافرق بين أن ينوى به عند الفعل للغير أويفعله لنفسه ثم بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره لاطلاق كلامهم ولم أرحكم من أخذ شيئًا من الدنيا فيجعل شيئا من عبادته للمعطى وينبغى أن لايصح ذلك. قال الوالد رحمه اللّٰه: ففيه نظر بل اطلاق ما سبق يقتضى الصحة،انتهٰى. ووجهه أن أخذ الدراهم صدقة من المعطى وأخذ الصدقة لا يمنع الثواب للمعطى ووجه الأول فى المتن أن ثواب العبادة لايدخل تحت عقد البيع؛ لأن ذلك مخصوص بالأعواض الدنيوية بهٰذا السبب يبطل الوقف المشروط فيه ذلك؛لأن بدل أخذ المعلوم من الواقف فى مقابلة فعل الشرط الذى شرطها الواقف فهو كالبيع للثواب وإن اعتبرنا وجه كونه صدقة علىٰ من يقرأ الواقف القرآن ويصلى له إلىٰ آخره لا أن ذلك المعلوم عوض عن تلك القربة وثمن لثوابها ولٰكنه بمنزلة ما إذا كان الوقف علىٰ إمام الجامع أو الخطيب ونحو ذلك فانها شروط علىٰ من اتصف بذلك فهى صدقة من الواقف علىٰ صاحب هٰذه الوصف المذكور؛لأن الوقف ليفعل الموقوف عليه ذلك فى مقابلة أخذه المعلوم المعين له ومنها الوصية باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته أوبعدها وبأعطاء دراهم معدودة لمن يتلوالقرآن لروحه أويسبح له أويهلل أوبأن يبيت عنده قبره أربعين ليلة أوأكثر أوأقل أوبأن يبنى على قبره بناءً وكل هذه بدع منكرة أى أنكرها الشرع لمخالفتها لمقتضاها حيث اشتملت علىٰ بيع ثواب الطاعة وأخذ الشيء من الدنيا فى مقابلته والوقف والوصية باطلان والمأخوذ منهما حرام للآخذ، وهو عاص بالتلاوة والذكر لأجل الدنيا والمفهوم منه أن الذى يأخذ ذلك لوتلى القرآن أوذكراللّٰه تعالىٰ وصلىٰ كذا ركعة أوهلل أوكبر ونحو ذلك من أنواع القربات لا لأجل ما يأخذه من المعلوم المعين له فى الوقف لمن فعل ذلك بل لوجه اللّٰه تعالىٰ أخذ المعلوم صدقة عليه من الواقف جازوصح الوقف حينئذٍ وهوما ذهبنا إليه فيما تقدم فى حق جميع الوظائف فى الأصناف كلها وليس الأمرمخصوصًا لهٰذا النوع منهما،انتهٰى.(الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية)

عالمگیری کی عبارت یہ ہے:

واختلفوافى الاستئجارعلىٰ قراءة القرآن على القبر مدة معلومة قال بعضهم لايجوز وقال بعضهم يجوز وهوالمختار،كذا فى السراج الوهاج.(كتاب الاجارة:۱۳۵/۳)(۱)

(۱) السراج الوهاج،الباب السادس عشر فى مسائل الشيوع فى الإجارة والاستيجار على الطاعات والمعاصى والأفعال المباحة:۴۴۹/۴،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

ردالمحتار(۱) میں اس عبارت کی توجیہ ''علی قراءۃ القرآن'' کی جائے پر''علی تعلیم القرآن'' کی ضرور ہی کہا ہے، ورنہ جمیع فقہا کی تصریح کا خلاف ہی کہا ہے۔

مدراس کے فاضل مولوی صاحب صورۃً جواز کی اس طرح ترقیم فرماتے ہیں، نزد فقہاء متقدمین حنفیہ اجارۂ عبادات باطل ست؛ لیکن متاخرین دراذان وامامت وتعلیم قرآن وغیرہ جائز داشتہ اند وامامت شامل میشود امامت نماز پنجگانہ وعیدین ووتر واتراویح راو براخراج امامت تراویح سندے یافتہ نمی شود وآنچہ فقہاء درتعلیل جواز تعلیم قرآن میگویند کہ ''لظهور التوانی فی الأمور الدينية ففی الامتناع تضييع حفظ القرآن''. (۲) درامامت تراویح نیز جاری می شود کہ برائے امامت تراویح قرآن راخوب حفظ می کنند وبدون حفظ جید امامت آں نمی توانند ومعائنہ می شود کہ حفاظے کہ امامت تراویح نمی کنند، یا ترک کردہ اند درحفظ آنہا قصوری باشد، پس از مانع جواز شوند ہرگز امامت تراویح نخواہند کرد قصور درحفظ قرآن خواہند شد بلکہ ترک حفظ خواہند نمود ایں وقتیست کہ امامت براجارہ واقع شود؛ لیکن اگر اجارہ برامور دیگر ورائے امامت واقع شود وامامت ضمناً واقع شود عدم جوازش وجہے ندارد ودرفتویٰ شاہ عبدالعزیز صاحب (۳) واقع شدہ است قاعدہ اجارہ آن است کہ برشے واجب ومندوب منعقد نمی شود وتعلیم قرآن فرض بالکفایہ است ومندوب علی العین پس محل اجارہ نیست آرے درخانہ کسے رفتن واز صبح تا شام نشستن واطفال اوراشانی کردن فعلیست اورائے تعلیم کہ براں اجارہ منعقد می تواند شد، انتہیٰ۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کا اجارے کی دو قسم کر کے دوسری جہت میں تعمیم کا خیال ہے۔ واللہ اعلم اور وہ بھی اسی فتوے میں ہے، واگر درمیان آنہا عقد اجارہ واقع نشود گو کہ بقاعدۃ المعروف کالمشروط محمول براجارہ خواہد شد؛ لیکن دراں وقت نیت معارضہ نداشتہ نیت صلہ وصدقہ دارد وبراجارہ محمول نتواند شد خصوصاً اگر تصریح کند ایں روپیہا بطور صلہ وتبرع است عبارت حدیقۃ الندیہ برہمیں محمول است ودرفتاویٰ عزیزیہ(۴) واقع شدہ است شخصے طلب علم دینی، یا حفظ قرآن، یا اشتغال بطاعت دیگری خواہد؛ لیکن از راہ تنگدستی وفقدان وجہ معاش فراغت اشتغال بایں امور ندارد ومردے دیگر صاحب مایہ ذمہ دار وجہ قوت اوشود تا بفراغ بال مشغول بطاعت گردد دریں صورت ہر دورا اجر کامل بہ ہر طاعت او حاصل می شود ومورد ایں آیت ہمیں است۔ قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿للفقراء الذين أحصروا﴾ إلخ. (۵) واعانت برطاعت کہ درحدیث جا بجا ممدوح واقع شد ہمیں است؛ لیکن ایں را اجرت گفتن مجاز ست، انتہیٰ۔ واللہ اعلم

---

(۱) ردالمحتار: ٤٧/١، مطلب: تحرير مهم فی عدم جواز الاستيجار على التلاوة، الخ.

(۲) كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب فی الاستيجار على الطاعات: ٧٦/٩، انیس

(۳) فتاویٰ عزیزی جلد اول: ۱۲۲ مجتبائی میں ہے۔

(۴) فتاویٰ عزیزیہ جلد اول: ۹ مجتبائی، سعید

(۵) سورۃ البقرۃ: ٢٧٣، انیس

الجواب ـــــــــــــــــــ

قاعدہ کلیہ فقہیہ ہے:

’’كل طاعة يختص بها المسلم لايجوز الاستئجار عليها عندنا‘‘.(۱)

اور دلیل نقلی اس کی یہ ہے:

لقوله عليه الصلاة والسلام:’’اقرؤوا القرآن ولاتأكلوا به‘‘.(۲)

اور عقلی یہ ہے:

’’لأن القربة متٰى حصلت وقعت على العامل ولهٰذا تتعين أهليته فلايجوز له أخذ الأجرة من غيره،كما في الصوم والصلاة‘‘.(هٰكذا في الشامية:۵/۵۲)(۳)

اور متأخرین نے چند فروع کو اس کلیہ سے استحساناً بعلت ضرورۃ بقاء وحفظ شعائر دین مستثنیٰ ومخصوص کرلیا ہے۔

في الدرالمختار،باب الإجارة الفاسدة:ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان،آه.

في ردالمحتار:وقد ذكرنا مسئلة تعليم القرآن علىٰ استحسان،آه؛يعني للضرورة،آه.(۵/۵۳)(۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اصل مذہب حرمۃ استیجار علی الطاعۃ ہے اور استثناء بعض فروع کا خلاف اصل مذہب بعلت ضرورت مذکورہ ہے،پس ماسوا فروع مذکور کے بقیہ طاعات کا حکم اپنی اصل پر رہے گا۔

قال في الشامية بعد العبارة الأولىٰ المذكورة:وقد اتفقت كلمتهم جميعًا على التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز ثم استثنوا بعده ماعلمته فهٰذا دليل قاطع وبرهان ساطع علىٰ أن المفتى به ليس هو جواز الاستئجار علىٰ كل طاعة بل علىٰ ماذكروه فقط مما فيه ضرورة ظاهرة تبيح الخروج عن أصل المذهب من طرو المنع فإن مفاهيم الكتب حجة ولو مفهوم لقب علىٰ ما صرح به الأصوليون بل هو منطوق فإن الاستثناء من أدوات العموم كماصرحوا به أيضًا،آه.(۵)

عبارت ہٰذا سے معلوم ہوا کہ ختم فی التراویح کی تصریح بہ خصوصیت نہ پایا جانا (اگر مسلم ہو) مضر حکم حرمۃ استیجار نہیں؛ کیوں کہ اولاً مفہوم مخالف روایات فقہیہ میں حجت ہے،ثانیاً بوجہ عموم صدر کلام کے سوی المستثنیٰ کو اس ختم علی الاجرۃ کی

---

(۱) ردالمحتار،كتاب الإجارة،باب الإجارة الفاسدة ۹/۷٦،مكتبة زكريا يوبند،انيس

(۲) اقرؤو القرآن ... ولا تأ كلوا به ولا تستكثروا.(مسند الإمام أحمد،حديث عبد الرحمن شبل: ۳/٤٤۳،رقم الحديث:۱۵۷۵۸،انيس)

(۳) كتاب الإجارة،مطلب في الاستئجار على الطاعة

(۴) كتاب الإجارة،مطلب مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة:۹/۷۷،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۵) رد المحتار،كتاب الإجارة،مطلب:تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة:۹/۷٦،مكتبة زكريا،انيس

حرمۃ منطوق ومنصوص ہے، چناں چہ عبارت مذکورہ آنفا اس پر دال ہے اور اگر قواعد کلیہ کے بعد بھی ہر جزئی کی تصریح خصوصیت کے ساتھ ضروری ہوا کرے تو کسی مسکر جدید الترکیب کی حرمۃ پر ''کل مسکر حرام'' سے استدلال جائز نہ ہوگا، وھو باطل. دوسرے تلاوۃ لایصال الثواب جس کی حرمۃ استیجار بالخصوص مصرح ہے، اس کی تعلیل میں حرمت کی تقریر میں علامۃ عینیؒ نے شرح ہدایہ میں فرمایا ہے:

''ویمنع القارئ للدنیا والأخذ والمعطی آثمان فالحاصل أن ما شاع فی زماننا من قراءۃ الأجزاء بالأجرۃ لایجوز؛ لأن فیه الأمر بالقراءۃ واعطاء الثواب للآمر والقراءۃ لأجل المال فإذا لم یکن للقارئ ثواب لعدم النیۃ الصحیحۃ فأین یصل الثواب إلی المستأجر ولولا الأجرۃ ما قرأ أحد لأحد فی ھٰذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسبا ووسیلۃ إلیٰ جمع الدنیا إنا للّٰہ وإنا إلیه راجعون''، آہ. (کذافی الشامیۃ: ۵۳، من المجلد الخامس) (۱)

اور ظاہر ہے کہ یہ علت ختم فی التراویح میں جاری ہے۔ پس اشتراک علت سے یہ ختم بھی بالخصوص مصرح ہوگیا؛ کیوں کہ ختم تراویح میں بھی مقصود ثواب ہی ہے، ورنہ فی نفسہ شعائر دین سے نہیں اور لوگوں نے اس کو مکسبہ بنالیا ہے، پس اشتراک علۃ ثابت ہوگیا، بہرحال خصوصاً لیا جاوے، یا عموماً، پھر عموم میں مفہوماً لیا جاوے، یا منطوقاً، ہر طرح سے حرمت استیجار علی الختم ثابت ہوگئی اور اس سے زائد تصریح نہ ہونے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس وقت یہ رسم فاسد نہ ہوگی، ہر مصنف اپنے زمانہ کے مفاسد پر تنبیہ کیا کرتا ہے؛ لیکن جب دلیل حرمت کی قائم ہے تو ثبوت حکم متیقن ہے۔ اب باقی رہا جواب توجیہات جواز کا، سو جواز ہذا الختم کے لیے ضرورت کی یہ تقریر جو سوال میں مذکور ہے، محض فاسد ہے، جس کا منشا سوء تدبر ہے اور بنا بر ضرورت مزعومہ کے اس کو تعلیم قرآن پر قیاس کرنا بناء الفاسد علی الفاسد ہے؛ کیوں کہ تعلیم قرآن خود باعتبار اصل وضع کے موقوف علیہ ہے تعلیم کا، جو موقوف علیہ ہے، پس حفظ کا بحسب اس قاعدہ کے کہ موقوف علیہ کا موقوف علیہ موقوف علیہ ہوتا ہے، تعلیم موقوف علیہ ہے حفظ کا اور باعتبار عارض عادۃ کے، یہ تعلیم موقوف ہے اخذ اجرت پر، پس اخذ اجرت موقوف علیہ ہوا حفظ کا، بخلاف ختم مقیس کے کہ وہ باعتبار اصل کے موقوف علیہ نہیں ہے حفظ کا؛ بلکہ معاملہ بالعکس ہے کہ خود حفظ موقوف علیہ ہے ختم کا، چناں چہ بدیہی ہے، پس حفظ کا توقف ختم پر ثابت نہ ہوا، غایت مافی الباب ختم بواسطہ حفظ کے موقوف ہوا اس اجرت پر جو بعوض تعلیم لی جاتی ہے، سو اس کا جواز مفتی بہ ہے اور ختم بلاواسطہ حفظ گو اسی اجرت پر موقوف ہے، جو بمقابلہ ختم لی جاتی ہے؛ لیکن تعلیم پر قیاس اس لیے جائز نہیں کہ ختم مثل حفظ کے مہمات دین سے نہیں، چناں چہ فقہا نے اس کی سنت ہونے کی تصریح کی ہے؛ بلکہ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر قوم پر ختم ثقیل ہو تو اس کا ترک افضل ہے۔

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الإجارۃ، باب الإجارۃ الفاسدۃ، مطلب: تحریر مھم عدم جواز الاستیجار علی التلاوۃ والتھلیل ونحوھا مما لا ضرورۃ إلیه: ۷۷/۹، مکتبۃ زکریا دیوبند، انیس

فی الدر المختار ورد المحتار: والختم مرة سنة ومرتين فضيلة وثلاثاً أفضل ولا يترك الختم لكسل القوم لكن فی الاختيار: الأفضل فی زماننا قدر مالايثقل عليهم وأقره المصنف وغيره (إلٰی قوله) ومن لم يكن عالمًا بأهل زمانه فهو جاهل، آه. (قوله: الأفضل فی زماننا) لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة (إلٰی قوله) ولهٰذا قال فی البحر: فالحاصل أن المصحح فی المذهب أن الختم سنة لكن لايلزم منه عدم تركه إذا لزم منه تنفير القوم وتعطيل كثير من المساجد خصوصاً فی زماننا، فالظاهر اختيار الأخف على القوم. (۷۳۹/۱)(۱)

ان روایات سے اس کا ضروریات دین سے نہ ہونا ظاہر ہے۔ پس جب ختم ضروریات سے نہ ہوا تو اس کا توقف جس اجرت پر بعارض عادت مثبت ومسلم ہو، اس کا جواز علت ضرورت سے کیسے ثابت ہوسکتا ہے؛ بلکہ ایسی حالت میں اس ختم ہی کا اہتمام چھوڑ دیا جاوے گا، چناں چہ قاعدہ فقہیہ مقررہ ہے:

"إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة راجحًا علٰی فعل البدعة". (كذافی الشامية المجلد اول، ص: ۶۷۱)(۲)

پس جب اس سنت کے ادا سے ایک بدعت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے تو اس سنت ہی کو ترک کردیں گے اور اگر کوئی شخص توقف حفظ علی الختم الموقوف علی الاجرة کی یہ توجیہ کرے کہ مراد توقف الحفظ علی تصور الختم بالاجرة وتوقعہ ہے، سواولاً اس عادت کا فاشی اور شائع ہونا غلط ہے، ثانیاً تحصیل قرآن وحفظ کے وقت اکثر محصلین کو اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا، اسی طرح اگر یہ توجیہ کی جاوے کہ بدون اجرت کے ختم نہ کریں گے اور بدون ختم کے محفوظ نہ رہے گا، سو اس کا بھی اولاً عادت فاشیہ ہونا غلط، ہزاروں بندگان خدا سامعین کو دے کر اپنے بقاء حفظ کے لیے پڑھتے ہیں۔ ثانیاً یہ توقف دونوں توجیہوں میں باعتبار اصل وضع کے نہیں ہے، جیسا تعلیم میں تھا؛ بلکہ اپنی سوء طمع سے ہے، اگر اس کا اعتبار کیا جائے تو صوم وصلوٰۃ میں بھی اگر کسی زمان، یا مکان میں اشتراط اجرت ہونے لگے اور بدون اس کے کوئی نہ پڑھے تو چاہیے کہ اسی تقریر سے وہاں بھی اخذ اجرت کے جواز کا حکم کردیا جاوے، وهو باطل بالاجماع والتنصيص من الشارع والفقهاء اور تعلیم میں اس عادت کا اعتبار اس لیے کیا کہ تعلیم میں اس قدر مشغولی ہوتی ہے کہ دوسرے طریق سے اکتساب معاش نہیں کرسکتا اور ہر شخص فارغ البال ومرفہ الحال نہیں، بخلاف ختم متنازع فیہ کے اس سے معیشت کے دوسرے طرق مختل نہیں ہوتے؛ اس لیے عادۃً متعلقہ تعلیم شرعاً معتبر ومخفف حکم ہوگی اور عادۃ متعلقہ ختم معتبر ومخفف حکم نہ ہوگی، فافہم۔ اسی طرح اس ختم کو باب امامت میں داخل کرنے کا دعویٰ اور اس بنا پر اس کو مستثنیٰ سمجھنا

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مبحث التراويح: ۴۹۷/۲-۴۹۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) رد المحتار: ۶۴۲/۱

محض باطل ہے؛ کیوں کہ ختم نہ عین امامت ہے، نہ اس کا موقوف علیہ جزئیۃً ، یا لزوماً ہے: کیوں کہ امامت بلاختم بھی متحقق ہوتی ہے، کما ہو مدرک بالحس۔ پس دعویٰ استثنا کی اس بنا پر گنجائش نہ ہوئی اور شاہ صاحب کے فتوے اولیٰ کو اس سے کچھ بھی مس نہیں؛ کیوں کہ یہ توجیہ جس کی مخصوص ہے صورۃً ضرورت کے ساتھ اور جہاں ضرورۃً مذکورہ نہ ہو، وہاں یہ تأویل مقبول نہیں، ورنہ طاعت کی ایک فرد بھی نہ رہے گی، جس پر حرمت استیجار کا حکم کیا جاوے؛ کیوں کہ یہ تاویل ہر جگہ چل سکے گی، علیٰ ہذا فتویٰ ثانیہ کو اس سے کچھ تعلق نہیں؛ کیوں کہ اعانۃ علی الطاعۃ اور چیز ہے، گو اس کو مجازاً اجرت کہا جاوے اور اجرت علی الطاعۃ اور چیز ہے اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ اس وقت جو رسم ہے، وہ حقیقۃ اجرت ہے، **كما هو ظاهر وسيأتي قرينته عن الامام الاستاذ**، ونیز اجرت کو ماؤل باعانت کرنا معلل ہے ضرورت کے ساتھ اور یہاں ضرورت نہیں کما مر اور یہ تأویل کہ یہ حسبۃً للہ پڑھتے ہیں، وہ حسبۃً للہ دیتے ہیں، الخ، بالکل انکار حسیات اور تاویل العمل بمالا یرضیٰ بہ العامل ہے، جو شخص ان فاعلین کے معاملہ کو دیکھے گا، اس کو ہرگز شبہ نہ رہے گا کہ مقصود اصل اجرت ہے اور ایسی تصریح کہ فعل کے خلاف ہو اور متعاقدین کے نزدیک غیر مقصود ہو، ہزل محض ہے، جو شرعاً بجز مستثنیات معدودہ کے قابل اعتبار نہیں۔

قال الإمام الأستاذ: لايطيب والمعروف كالمشروط اهـ قلت: وهٰذا مما يتعين الأخذبه في زماننا لعلمهم أنهم لايذهبون إلا بأجر البتة. (كذا في الشامية، المجلد الخامس، ص: ٥٢)(١)

في تقرير مسئلة أخرىٰ أوردناها احتجاجا بالعلة اور بعض بزرگوں سے یہ توجیہ نقل کی گئی ہے: ان کے زمانہ میں ممکن ہے کہ نیات میں اس قدر فساد نہ ہوگا، ورنہ اس توجیہ کا غیر مقبول ہونا ظاہر و باہر ہے اور حدیقہ میں جو بحر کی عبارت منقول ہے، اس کی نسبت شامی میں رد امنقول ہے۔

وقد اغتر بما في الجوهرة صاحب البحر في كتاب الوقف وتبعه الشارح في كتاب الوصايا حيث يشعر كلامهما بجواز الاستئجار علىٰ كل الطاعات ومنها القراءة وقد رده الشيخ خيرالدين الرملي في حاشية البحر في كتاب الوقف حيث قال: أقول المفتي به جواز الأخذ استحساناً علىٰ تعليم القرآن لا على القراءة المجردة، كماصرح به في التاتارخانية، إلخ. (٥٣/٥)(٢)

اور حسب قواعد رسم المفتی بہ چوں کہ یہ مرجوح ہے، لہٰذا اس پر عمل جائز نہ ہوگا اور عالمگیری میں جو عبارت ہے، اس کے متعلق علامہ شامی نے لکھا ہے:

والصواب أن يقال علىٰ تعليم القرآن، فإن الخلاف فيه كما علمت لا في القراءة المجردة فإنه

---

(١)　كتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار على المعاصي

(٢)　ردالمحتار، كتاب الإجارة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة: ٧٧/٩، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

لاضرورة فيها فإن كان ما في الجوهرة سبق قلم فلا كلام وإن كان عن عمد فهو مخالف لكلامهم قاطبة فلايقبل وقد أطنب في رده صاحب تبيين المحارم مستندًا إلى النقول الصريحة(إلٰى آخرما قال).(۵۲/۵)(۱)

اسی طرح بعض نے جواز القراءۃ علی القبر سے جواز استیجار پر استدلال کیا ہے اس کی بھی تغلیط محققین نے کی ہے

قال الشامي: وفيه رد أيضًا علٰى صاحب البحر حيث علل البطلان بأنه مبني على القول بكراهة القرآن على القبر وليس كذلك،بل لما فيه من شبه الاستئجار على القراءة كما علمت ،وصرح به في الاختيار وغيره،ولذا قال في الولوالجية ما نصه:ولوزار قبر صديق أوقريب له و قرأ عنده شيئًا من القرآن فهو حسن أما الوصية بذلك فلامعنى لها،ولا معنى أيضًا لصلة القارئ، لأن ذلك يشبه استئجاره علٰى قراءة القرآن وذلك باطل،ولم يفعل ذلك أحد من الخلفاء.(۵۳/۵)(۲)

ایک مقام پر شامی نے کہا ہے:

”ولاضرورة في استئجار شخص يقرأ على القبر وغيره،آه.(۶۷۷/۵)(۳)

اس” غیرہ“ کے لفظ میں غیر قراءۃ علی القبر بھی داخل ہے، جو تراویح کو بھی شامل ہے۔حاصل جواب یہ ہوا کہ رواج مذکور فی السوال محض باطل اور مخالف شرع ہے اور ایسا ختم ہرگز موجب ثواب نہیں؛ بلکہ موجب معصیت ہے۔واللہ اعلم

رابع ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد: ۱/۶۰) (امداد الفتاویٰ: ۱/۴۷۷-۴۸۱)

سوال: سلام مسنون! سوالات ذیل بطور استفتا روانہ خدمت ہیں جواب باصواب سے جلد مطلع فرمائیے۔

(۱) اس قصبہ میں عام طور سے اکثر مساجد میں نماز تراویح باجماعت تمام رمضان المبارک ہوتی ہے؛ لیکن حافظ جوان تراویحوں میں امام بن کر ختم کلام شریف کرتے ہیں، بدون عوض نقدی نہیں ملتے۔

(۲) حفاظ کو معاوضہ دینے کی یہاں دو صورتیں رائج ہیں، اکثر تو قبل شروع تراویح معاملہ صاف صاف کر لیتے ہیں؛ لیکن زیادہ تعداد ایسے حافظوں کی ہے، جو تعیین عوض نہیں کرتے؛ بلکہ جس روز کلام شریف ختم ہوتا ہے مقتدیان نماز تراویح بطیّب خاطر و برغبت حافظ صاحب کو نقدی ۸/ پیش کرتے ہیں، جس کو حافظ صاحب حلوائے بے دودھ کی طرح ہضم کر جاتے ہیں۔

(۳) ایک صورت یہ بھی مستعمل ہے کہ محلّہ کا رئیس، یا کوئی ذی مقدرت شخص ایک حافظ کو محض ختم کلام شریف کے واسطے اپنی مسجد میں متعین کرتا ہے اور اس کی خدمت نقدی معاوضہ سے اپنی جیب خاص سے پوری کرتا ہے، مقتدیوں کو کچھ نہیں دینا پڑتا ہے۔

(۱-۲) رد المحتار، كتاب الإجارة،مطلب:تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة:۹/۷۷،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۳) مطلب تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار

(۴)　رسالہ اصلاح الرسوم مؤلفہ آں مخدوم کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ طاعت الٰہی پر اجرت نہیں ہے۔ لہٰذا مسئلہ بالا میں کون سی صورت بغرضہ جواز اقتداء امام ماجور اختیار کی جاسکتی ہے؟

(۵)　جب کہ حفاظ ماجور کی وباعالمگیر ہو تو محض بیس رکعت نماز تراویح باجماعت جن میں چند سورتیں کلام پاک کی پڑھ لی جایا کریں، افضل اور انسب ہے بہ نسبت اقتدا ان حفاظ ماجور کے؟

(۶)　اگر حافظ صاحب سے نہ قبل از تراویح معاملہ کی جاوے اور نہ اختتام کلام پاک پر ان کو اجرت دی جاوے؛ بلکہ تمام سال کے اندر بغیر تعیین تاریخ ان کی کما حقہ نقدی سے خدمت کر دی جاوے تو کیا یہ نقدی معاوضہ لینا حافظ کو جائز ہے اور ایسے حافظ کی اقتدا کی جاسکتی ہے۔

(۷)　ایک محلّہ میں نماز تراویح باجماعت پڑھی جاتی ہے؛ لیکن اس میں ختم کلام شریف حسب رواج نہیں ہوتا؛ لیکن صرف ﴿الم تر کیف﴾ سے آخر تک کی سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔ پس ان دو شخصوں میں سے کس کا فعل افضل ہے؟ آیا اس شخص کا جو اپنے محلّہ کی ایسی نماز تراویح میں شریک ہوتا ہے، یا دوسرے شخص کا جو دوسرے محلّہ میں کرایہ دار حافظ کے پیچھے اقتدا کر کے ختم کلام شریف پر فخر کرتا ہے۔

(۸)　اگر کسی شہر میں حسن اتفاق سے کسی خاص مسجد میں کوئی حافظ محض بہ نیت ثواب بلا کسی معاوضہ نقدی کے کلام پاک نماز تراویح میں ختم کرتا ہے تو ایسی حالت میں دوسری مساجد میں نماز تراویح صرف ﴿الم تر کیف﴾ سے باجماعت قائم کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ (۱) جب کہ وہ مسجد اس محلّہ میں نہ ہو، (۲) جب کہ وہ مسجد دوسرے محلّہ میں ہو؟

الجواب

چوں کہ تراویح میں قرآن سننا منجملہ مقاصد دینیہ ہے اور سلف سے اس کا اہتمام متوارث ہے اور وہ آج کل بوجہ فساد زمان کے مخلص ختم سنانے والوں سے کم میسر ہوتا ہے، اگر ایسے حفاظ کے ساتھ قرآن نہ سنا جاوے تو یقیناً بعض مقامات پر بعض لوگ عمر بھر اجتماع ختم قرآن سے محروم رہیں؛ اس لیے سننے والوں کو مضطر سمجھا جاوے گا اور شرعی قاعدہ ہے کہ اضطرار جالب تیسیر ہے؛ اس لیے اگر ممکن ہو تو ان سننے والوں کے حق میں اس فعل کی کچھ تاویل کرنا مناسب ہے اور یہاں یہ تاویل(۱) ممکن ہے کہ اس اجرت کو (خواہ وہ مشروط ہو، یا معروف ہو کہ وہ بھی حکم مشروط میں ہے (یہ معاملہ

(۱)　اس کے بعد ۱۰/ رمضان ۱۳۳۲ھ کو ایک فتویٰ اس کے علی الاطلاق ممنوع ہونے کا لکھا گیا ہے (یہ فتویٰ سوال: ۴۰۹ پر درج ہے۔ سعید) جس میں بناء تاویل کا جواب بھی ہے اور وہ بنا اس ختم کا مقاصد دینیہ سے ہونا ہے اور وہ جواب جو کہ خلاصہ ہے اس فتوے کا، یہ ہے کہ جہاں فقہا نے ایک ختم کو سنت کہا ہے، جس سے ظاہراً سنت مؤکدہ مراد ہے، وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں لوگوں پر ثقیل ہو، وہاں ﴿الم ترکیف﴾ سے پڑھ دے۔ پس جب تقلیل جماعت کے محذور سے بچنے کے لیے اس سنت کے ترک کی اجازت دے دی تو استیجار علی الطاعۃ کا محذور اس سے بڑھ کر ہے، اس سے بچنے کے لیے کیوں نہ کہا جاوے گا کہ ﴿الم ترکیف﴾ سے پڑھ لے، آہ۔　==

امامت کے کہا جاوے گا، جس کو متاخرین نے جائز رکھا ہے اور چوں کہ ختم سنانے والا مضطر نہیں ہے، اس کے حق میں اس تاویل کا اعتبار نہ کیا جاوے گا۔ پس اس کے حق میں یہ اجرت بحالہا نادرست رہے گی۔ اس تقریر سے سب سوالوں کا جواب ہوگیا، اگر کسی خاص (سوال سے) اس کا انطباق ظاہر نہ ہو تو مکرر پوچھ لیا جاوے۔ (مگر یہ پرچہ بھی واپس آوے۔)

۸؍رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ (حوادث: ۱/۲-۱۱۶)

نوٹ: حوادث الفتاویٰ ۱۳۳۱ھ، ص: ۱۱۸ میں استماع قرآن من الحافظ الاجیر کا مسئلہ ہے، اس کی سطر: ۹ پر ایک حاشیہ ہے (یہ حوالہ سوال بالا حاشیہ کے متعلق ہے) وہ ملاحظہ فرما لیا جاوے اور تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ، ص: ۱۶۲، میں بھی اس مسئلہ کی تحقیق ہے، اس کو بھی دیکھ لیا جاوے۔ (ترجیح ثالث، ص: ۲۳۴)

سوال (۱) حافظ جو تراویح میں سنائے، اس کو دینا بھی جائز ہے، یا لینا دینا دونوں ناجائز؟

(۲) اور اگر بلا اجرت حافظ نہ ملے تو اجرت پر مقرر کرے، یا ﴿الم تر کیف﴾ سے تراویح پڑھ لے؟

(۳) اور جب امامت پر اجرت جائز ہے تو تراویح میں ایک قرآن بھی تو سنت مؤکدہ ہے، اس پر اجرت کیوں ناجائز؟

الجواب

(۱) میں تو ناجائز سمجھتا ہوں۔(۱)

(۲) میں تو ﴿الم تر کیف﴾ سے بتلا دیتا ہوں۔

(۳) جہاں فقہا نے ایک ختم کو سنت کہا ہے، جس سے ظاہراً سنت مؤکدہ مراد ہے، وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں لوگوں پر ثقیل ہو، وہاں ﴿الم تر کیف﴾ وغیرہ سے پڑھ دے۔ پس جب تقلیل جماعت کے محذور سے بچنے کے لیے اس سنت کے ترک کی اجازت دے دی تو استیجار علی الطاعۃ کا محذور اس سے بڑھ کر ہے، اس سے بچنے کے لیے کیوں نہ کہا جاوے گا کہ ﴿الم تر کیف﴾ سے پڑھ لے اور اسی سے نمبر: ۲ کی وجہ بھی معلوم ہوگئی ہوگی۔

۱۰؍رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۱۶۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۸۱-۴۸۴)

حکم اجرت بر سماع قرآن:

سوال: سماعت قرآن کی اجرت اور قرأت قرآن کی اجرت میں کیا فرق ہے کہ ثانی حرام اور اول حلال؟

== چوں کہ یہ فتویٰ بعد کا ہے مجیب کے نزدیک عمل کیلئے یہی متعین ہے باقی فتوی سابق کا نقل کر دینا اس خیال سے ہے کہ دوسرے اہل علم بھی دونوں جوابوں کی بناؤں پر غور فرمالیں اور جو راجح ہو اس پر فتویٰ دیں ممکن ہے کہ مجیب احقر کی نظر قاصر رہی ہو۔ منہ عفی عنہ

(۱) یعنی لینا دینا دونوں۔ سعید

الجواب

سماعت قرآن سے غرض یہ ہے کہ جہاں بھولے گا، بتلاوے گا، پس یہ تعلیم ہے اور تعلیم پر اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ ہے، بخلاف قرأت کے اس میں تعلیم مقصود نہیں؛ اس لیے کلیہ حرمت اجر علی الطاعت میں داخل رہے گا۔(۱) فقط واللہ اعلم

۱۱ر رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد: ۳/۶۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۹۶)

تراویح میں قرآن مجید سنانے پر معاوضہ لینا:

سوال: حافظوں کو نماز تراویح میں قرآن اُجرت پر سنانا اور اُجرت مقرر کی ہو، یا نہ کی ہو لینا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ اجرت لینا منع ہے اور عمرو کہتا ہے کہ جیسے اجرت اذان و اقامت و امامت پر درست ہے، ویسے ہی قرآن سنانے پر درست ہے۔ صحیح کس طور پر ہے؟

الجواب

حافظوں کو اجرت پر قرآن سنانا حرام ہے اور اجرت بھی ناجائز ہے۔(۲) اذان و اقامت اور تعلیم وعظ اس کو متاخرین نے بوجہ ضرورت استثنا کیا ہے۔ قرآن سنانے میں کوئی ضرورت نہیں، جس نے قرآن سنانے کو اذان پر قیاس کیا ہے، وہ غلط ہے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۴)

تراویح پڑھانے والے کی اجرت اور شبینہ کا حکم:

سوال: تراویح میں قرآن شریف سنانے والے حافظ کو اجرت دینا جائز ہے، یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو تعین کے ساتھ، یا بلا تعین؟ شبینہ ایک رات میں کرنا جائز ہے، یا تین راتوں میں؟

(المستفتی: ۳۰۲، حافظ محمد عزیز اللہ اجمیر، ۱۸ر صفر ۱۳۵۳ھ، مطابق ۲ر جون ۱۹۳۴ء)

الجواب

بلا تعین دے دیا جائے اور نہ دینے پر کوئی شکوہ شکایت نہ ہو تو یہ صورت اجرت سے خارج اور حد جواز میں داخل ہو سکتی ہے۔ شبینہ کی دونوں صورتیں بوجہ ان عوارض کے جو پیش آتے ہیں اور تقریبا لازم ہیں، مکروہ ہیں۔(۳) اگر پڑھنے والا اور سننے والے سب کے سب مخلص ہوں اور بہ نیت عبادت شوق سے پڑھیں اور سنیں تو تین دن میں ختم کرنا بہتر ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۳۹۴-۳۹۵)

(۱-۲) قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: اقرؤوا القرآن ... ولاتأكلوا به.(مسند الإمام أحمد، حديث عبد الرحمن بن شبل: ۴۴۳/۳، رقم الحديث: ۱۵۷۵۸، انيس)

(۳) ويجتنب المنكر هذرمة القراءة.(الدر المختار، مبحث التراويح: ۴۷/۲، ط: سعيد)

اجرت لے کر قرآن سنانے کا حکم:

سوال: امام مسجد اگر حافظ نہ ہو اور مصلیان رمضان میں قرآن شریف سننے کے شائق ہوں تو کسی حافظ کو چندہ سے، یا مسجد کی آمدنی سے جو مسجد کے اخراجات سے زائد ہو، یا امام خود اپنی تنخواہ دے کر قرآن شریف پڑھواوے تو یہ دینا اور لینا جائز ہوگا، یا نہیں؟ یا امام حافظ ہو؛ لیکن کسی عذر سے قرآن نہیں سنا سکتا تو ایسی صورت میں اجرت دے کر سننا کیسا ہے؟ سامع اور قاری کا ایک ہی حکم ہے، یا جدا؟ اور حافظ کو اجرت طے کئے بغیر مال زکوٰۃ سے دیں تو جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اجرت دے کر قرآن شریف سننا شرعاً جائز نہیں۔(۱) لینے والا اور دینے والا دونوں گنہ گار ہیں، اور اگر بغیر تعیین اجرت سنا جاوے اور ختم قرآن کے بعد بطور تبرع دیا جائے تو اصح قول کی بنا پر یہ صورت بھی ناجائز ہے اور زکوٰۃ کا روپیہ اس کو دینا اگر مصرف زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ کے خیال سے دیا جائے تو یہ جائز ہے، اس وقت زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؛ لیکن اگر قرآن شریف سنانے کے مقابلہ میں اس کو زکوٰۃ دی گئی تو پھر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، علیٰ ھذا، اگر امام مصرف زکوٰۃ نہ ہو، اس وقت بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور لینے والا اور دینے والا دونوں گنہ گار رہوں گے۔(۲) فقط

خلیل احمد بقلم ضیاء احمد، ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ (فتاویٰ مظاہر علوم: ۱۲۲/۳-۱۲۳)

اجرت لے کر تراویح پڑھانا:

سوال: متعلقہ اجرت تراویح۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

اجرت دے کر قرآن شریف تراویح میں پڑھوانا درست نہیں۔(۳) اگر بے اجرت لیے ہوئے پڑھنے والا حافظ نہ ملے تو سورت تراویح پڑھنا بہتر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۴۰۹/۳)

---

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرؤو القرآن ... وتأكلوا به. (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث عبد الرحمن: ۴۴۳/۳، رقم الحديث: ۱۵۷۵۸، انيس)

(۲-۳) وأن القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز وأن الآخذ والمعطي آثمان؛ لأن ذلك يشبه الاستيجار على القراءة ونفس الاستيجار عليها لا يجوز. (ردالمحتار: ۴۹۲/۱) (باب قضاء الفوائت، مطلب: في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل: ۵۳۴/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

والاستيجار علىٰ مجرد التلاوة لم يقل به أحد من الأئمة وإنما تنازعوا في الاستئجار على التعليم. (رد المحتار: ۳۵/۵) (كتاب الإجارة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة: ۷۸/۹، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

تراویح میں قرآن پڑھنے پر اجرت لینا:

سوال: رمضان میں حافظ لوگ رقم متعین کرتے ہیں، مثلاً: اس طرح اگر ہم کو ساٹھ، یا ستّر روپیہ دے دیں تو ہم نماز پڑھائیں گے، ورنہ نہیں۔ اس طرح متعین کرنا درست بھی ہے، یا نہیں؟ اس طرح متعین کرنے والے کے پیچھے نماز تراویح جائز ہے، یا نہیں؟ نیز نابالغ لڑکا مثلاً سات، یا آٹھ سالہ تراویح نماز کے لیے کھڑا کر دیا جائے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

تراویح میں ختم قرآن پر اجرت مقرر کر لینا خواہ صراحۃً ہو جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں یا بطور عرف و عادت ہو جیسا کہ عموماً آج کل رائج ہے۔ دونوں صورتوں میں جائز نہیں،(۱) اور تحقیق اس معاملہ کی یہ ہے کہ اصل مذہب میں مطلقاً عبادت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، خواہ کوئی عبادت ہو؛ لیکن حضرات متأخرین نے ضرورت کی وجہ سے اس قاعدہ کلیہ سے چند چیزیں استثنا کی ہیں اور یہ تصریح فرمائی ہے کہ یہ استثنا انہیں چیزوں میں ہے۔ باقی عبادات وطاعات اپنے اصلی حکم پر ہیں کہ ان میں اجرت لینا جائز نہ ہوگا اور ان مستثنیات میں ختم قرآن در تراویح کو کسی نے شامل نہیں فرمایا؛ اس لیے اس پر اجرت لینا اسی طرح ناجائز رہے گا۔

قال في الدر المختار من كتاب الإجارة: ولا تصح الإجارة لعسب التيس (إلى قوله) ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة و الاذان، انتهٰى.

قال الشامي: وقد ذكرنا مسئلة تعليم القرآن علٰى استحسان، آه؛ يعني للضرورة. (۳۷۵/۵)(۲)

ثم قال الشامي بعد ذلك بأسطر: وقد اتفقت كلمتهم جميعاً على التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز، ثم استثنوا بعده ما علمته فهٰذا دليل قاطع وبرهان ساطع علٰى أن المفتى به ليس هو جواز الاستئجار علٰى كل طاعة، بل علٰى ماذكروه فقط مما فيه ضرورة ظاهرة تبيح الخروج عن أصل المذهب من طرو المنع فإن مفاهيم الكتب حجة ولو مفهوم لقب، انتهٰى. (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۳۸/۵)(۳)

ثم قال بعد ذلك نقلاً عن شرح الهداية للعيني: ويمنع القاري للدنيا والآخذ والمعطى

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرؤو القرآن ... وتأكلوا به. (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث عبد الرحمن: ۴۴۳/۳، رقم الحديث: ۱۵۷۵۸، انيس)

(۲-۳) رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم عدم جواز الاستيجار على التلاوة: ۷۷/۹، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

آثـمـان فـالحاصل أن ماشاع فی زماننا من قراء ۃ الأجزاء بالأجرۃ لایجوز؛لأن فیه الأمر بالقراء ۃ وإعطاء الثواب للآمر والقراء ۃ لإجل المال فإذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النیة الصحیحة فأین یصـل الثـواب إلـی الـمستـاجر ولولا الأجرۃ ما قرأ أحد لأحد فی هٰذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسباً ووسیلة إلٰی جمع الدنیا .إِنّا لِلّٰهِ وَإِنّا إِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ،انتهیٰ.(ردالمحتار: ۳۸/۵)

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ فقہاءِ متاخرین نے جو امامت اور تعلیم القرآن وغیرہ کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے تو اس وجہ سے کہ ضرورت شرعیہ ہے کہ اس کے بغیر فرائض کا تعطل لازم آ جاتا ہے۔ تراویح میں پورا قرآن ختم کرنا فرض وواجب نہیں کہ اس کو تعلیم اور امامت پر قیاس کیا جائے؛ بلکہ سنت ہے اور اس میں بھی فتویٰ اس پر ہے کہ اگر پورا ختم قرآن کرنے کی وجہ سے تقلیل جماعت کی نوبت آتی ہو اور لوگ بوجہ سستی کے شرکت تراویح ہی سے باز رہتے ہوں تو پورا ختم قرآن کرنا مناسب ہی نہیں۔

لـما قال صاحب الدرالمختارفی باب التراویح: والختم مرۃ سنة...ولا یترک الختم لکسل الـقـوم؛ لکن فی الإختیار:الأفضل فی زماننا قد ر مالا یثقل علیهم،وأقرہ المصنف وغیرهم (إلٰی قوله)ومن لم یکن عا لماً بأهل زمانه فهو جاهل،انتهیٰ.

قـال الشـامـی:(قوله: الأفضل فی زماننا،إلخ) لأن تکثیرالجمع أفضل من تطویل القراء ۃ(إلٰی قـولـه)ولهٰذا قـال فـی البحر :فالحاصل أن المصحح فی المذهب أن الختم سنة لکن لایلزم منه عـدم تـرکـه إذا لزم منه تنفیرالقوم وتعطیل کثیرمن المساجدخصوصاً فی زماننا فالظاهر اختیار الأخف علی القوم. (ردالمحتار،المجلدالأول، باب التراویح)(۱)

عبارات مذکرہ سے معلوم ہوا کہ تراویح میں ختم قرآن کرنا واجب نہیں؛ بلکہ سنت ہے اور سستی قوم کے عذر سے چھوڑ دینا بھی جائز ہے؛ اس لیئے ختم کی ضرورت کو ضرورت امامت، یا ضرورت تعلیم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اگر کوئی شخص بلا اجرت پڑھنے والا نہ ملے تو جس قدر سورتیں محلّہ والوں کو یاد ہوں، ان سے تراویح پڑھنا اس سے بہتر ہوگا کہ اجرت دے کر کسی سے پڑھوائیں۔ یہ سب اس وقت ہے کہ جب کہ لینا دینا باضابطہ طے ہو جائے، یا عادتاً طے ہو جانا سمجھا جاتا ہو اور جہاں دونوں باتیں نہ ہوں کہ لینے کی غرض سے نہ پڑھتا ہو اور دینے والے بھی بطور ہدیہ غیر ضروری سمجھ کر دیتے ہوں، اس طرح کہ اگر نہ دیا جائے تو کسی کو شکایت نہ ہو تو ایسا دینا بلا شبہ جائز؛ بلکہ باعث اجر ہے اور اس کا لینا بھی جائز ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ امام اور قاری کی خدمت کی جائے۔

مگر کوئی معمول مقرر نہ کیا جائے کہ ختم کے وقت دیں گے، یا پہلے؟ اور نقد دیں گے، یا کوئی اور چیز؟ تا کہ اس کو انتظار کی صورت قائم نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم (امداد المفتین: ۲/۳۱۳-۳۱۵)

(۱) رد المحتار،باب الوتر والنوافل،مبحث:صلاۃ التراویح: ۲/۴۹۷-۴۹۸،مکتبة زکریا دیوبند،انیس

اجرت دے کر تراویح میں قرآن شریف پڑھانا:

سوال: عموماً تمام حفاظ ہمارے صوبہ بہار میں اجرت لے کر رمضان المبارک میں ختم قرآن پاک کرتے ہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ اجرت دے کر قرآن پاک سننے میں ثواب ہے، یا نہیں؟ اور مقتدیوں کی نماز ہوتی ہے، یا نہیں؟ اور اجرت دے کر قرآن مجید سننے سے بلا اجرت سورت تراویح پڑھنی بہتر و افضل ہے، یا نہیں؟ جواب باصواب سے ممنون ومشکور فرمایا جاوے۔(والأجر عند اللہ جزیل)

الجواب

قال العینی فی شرح الهداية: ویمنع القاری للدنیا والآخذ والمعطی آثمان ... وقال الشیخ خیر الدین الرملی فی حاشیة البحر: أقول: المفتی به جواز الأخذ استحساناً علیٰ تعلیم القرآن لا علیٰ القراء ة المجردة، کما صرح به فی التاتارخانية. (۱)

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اجرت لے کر قرآن پڑھنا اور پڑھوانا گناہ ہے؛ (۲) اس لیے تراویح میں چند مختصر سورتوں سے بیس رکعت پڑھ لینا، بلا شبہ اس سے بہتر ہے کہ اجرت دے کر پورا قرآن پڑھوائیں؛ کیوں کہ پورا قرآن تراویح میں پڑھنا مستحب ہے اور اجرت دے کر قرآن پڑھوانا اور پڑھنا گناہ ہے اور گناہ سے بچنا بہ نسبت مستحب پر عمل کرنے کے لیے زیادہ ضروری ہے؛ البتہ اگر کسی نے پڑھ لی تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں نماز ہوگئی، اگر چہ مکروہ ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (امداد المفتین: ۳۱۵/۲)

تراویح پر اجرت:

سوال: اجرت پر تراویح سنانا کیسا ہے اور اس طرح نماز درست ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

اگر حافظ رمضان شریف کے اندر قرآن سنانے پر کوئی مقدار شرط کرتا ہے، یا اگر مقتدی اس کو کچھ نہ دیں، یا کم دیں تو جھگڑتا ہے، قرآن سنانا بند کر دیتا ہے، اگر چہ شرط زبانی نہیں کرتا؛ مگر معاملہ ایسا ہی کرتا ہے تو اس صورت میں اس کا رقم لینا جائز نہیں۔ (۳) نماز ادا ہو جائے گی؛ مگر وہ فضیلت قرآن کے سننے اور سنانے کی حاصل نہ ہوگی اور اگر حافظ نے کوئی شرط

---

(۱) رد المختار، کتاب الاجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۸/۵

(۲) قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیه و سلم: "اقرؤوا القرآن ... ولا تأکلوا به. (مسند الإمام أحمد، حدیث عبد الرحمن بن شبل: ۴۴۳/۲، رقم الحدیث: ۱۵۷۵۸، انیس)

(۳) ویمنع القاری للدّنیا والأخذ والمعطی اٰثمان. (ردالمحتار: ۵۶/۶)

زبانی، یا عملی نہیں کی، اخلاص سے لوجہ اللہ سناتا ہے اور مقتدی اس کو بلا طلب کچھ دیتے ہیں، خواہ کم ہو، یا زیادہ تو اس کو لینا جائز ہے اور کسی کی نماز اور ثواب میں کوئی خلل نہیں؛ بلکہ مقتدیوں کو مزید ثواب کی امید ہے۔

(مکتوبات:۵۰/۴) (فتاویٰ شیخ الاسلام:ص۵۵-۵۶)

تراویح اور معین نذرانہ:

سوال: ایک ایسا حافظ ہے، جو بغیر نذرانہ نماز تراویح پڑھانے کو تیار ہے، دوسرا حافظ ہے، جو نذرانہ معینہ لے کر تراویح پڑھانا چاہتا ہے۔ افضلیت کس کو ہے اور حق تراویح پڑھانے کا کس کو ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

ان دونوں حفاظ میں سے جو بلا معین نذرانہ تراویح پڑھاوے، اس کو امام تراویح بنانا بہتر ہے اور اگر بلا نذرانہ پڑھانے پر دونوں راضی ہوں تو متولی کو اختیار ہے، جس کو ترجیح دے، یا دونوں یکے بعد دیگرے پڑھاویں اور اگر بغیر تعیین نذرانہ کوئی پڑھانے پر راضی نہ ہو تو امام مسجد سورۂ تراویح پڑھائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۱۹/۲)

تراویح میں قرآن مجید سننے والے کی اجرت:

سوال: جس حالت میں قرآن مجید کا سننا لازم ہوا تو اس ضرورت کے ادا کرنے کے واسطے حافظ کو کچھ اجرت کے طور پر ٹھہرا کر دینا کیسا ہے؟ اگر حافظ کو نہ دیا جائے تو سامع کو کچھ اجرت کے طور پر دینا کیسا ہے۔ اگر حافظ کو نہ بھی دیا جاوے تو سامع بغیر لیے نہیں مانتے اور بغیر سامع کے صرف حافظ کے پڑھنے میں شک رہتا ہے اور اکثر بعض بعض الفاظ رہ جاتے ہیں؛ بلکہ آیت رہ جاتی ہے اور تنہا حافظ کو اس کا پتہ نہیں چلتا تو مجبوراً سامع کو اجرت دی جاتی ہے اور سامع پہلے ٹھہرا لیتے ہیں، پس بہتر کیا ہے؟ آیا ﴿الم ترکیف﴾ سے ہی روزانہ تراویح ادا کر لی جاویں، یا سامع کو بطور اجرت کچھ دے دیا جاوے اور جو مصلحتیں اول سے آخر تک قرآن شریف کے سننے میں ہیں، وہ حضور کو معلوم ہیں، اظہار کی چنداں ضرورت نہیں اور اس وقت کے حفاظ کی حالت بھی زمانہ کے موافق ظاہر ہے، پس سب امورات پر نظر فرما کر جو حکم ہو، اس سے مفصل اور مشرح طور پر آگاہی بخشئے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

تراویح میں جو کلام اللہ پڑھے، یا سنے، اس کی اجرت دینا حرام ہے، جب اجرت کا دینا حرام ہوا تو ﴿الم ترکیف﴾ سے ہی پڑھنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۲۴-۳۲۵)

پیسے لے کر قرآن سننا:

سوال: زید حافظ قرآن ہے اور وہ ہر سال تراویح میں قرآن سناتا ہے اور اپنے قرآن سنانے کا وہ روپیہ؛ یعنی ہدیہ بھی لیتا ہے، گذشتہ رمضان میں ختم قرآن کے دن ایک صاحب نے غیر ضروری شوشہ چھوڑا کہ قرآن سنانے کے پیسے لینا جائز نہیں اور اگر زید اگلے سال روپیہ لے کر قرآن سنانے کی بات کرے گا تو ہم زید کے پیچھے قرآن نہیں سنیں گے، جب کہ زید کہتا ہے کہ ہم اپنے قیمتی وقت اور محنت کے پیسے لیتے ہیں؟ (مولوی محمد رہبر عالم، رعدی، ہوڈگی، بہار)

الجواب

تراویح میں قرآن مجید سنانے کی اجرت لینا جائز نہیں،(۱) اجرت سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص تراویح سے پہلے، یا تراویح پڑھانے کے بعد معاوضہ کا مطالبہ کرے، یا اسی امید پر پڑھائے کہ لوگ اجرت ادا کریں گے، اگر اس کی امید نہ ہوتی تو نہ پڑھاتا۔ ہاں اگر مطالبہ بھی نہیں تھا اور دل میں یہ خیال بھی نہ تھا کہ اگر اجرت نہیں ملے گی تو نہ پڑھاؤں گا، حافظ کے زبان و دل سے انکار کے باوجود لوگوں نے تحفہ پیش کر دیا تو اب اس کے قبول کر لینے کی گنجائش ہے؛ اس لیے کہ نہ اس میں طلب ہے اور نہ اشراف، قرآن کا سنانا عبادت ہے اور عبادت کے ادا کرنے میں جو محنت لگے اور وقت صرف ہو، اس کی اجرت لینا جائز نہیں، پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ تراویح میں ختم قرآن ضروری نہیں اور اسی پر تراویح کا درست ہونا موقوف نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۱۵-۴۱۶)

معاوضہ کی نیت ہو اور زبان سے نہ کہے تو کیا لین دین ناجائز ہے:

سوال: قیام رمضان میں ختم قرآن شریف کے غرض سے حافظ قاری کو لینے دینے کی نیت سے قرآن شریف سننا سنانا اور بعد میں لینا دینا کیسا ہے؟ نیت دونوں کی لینے دینے کی ہوتی ہے، بغیر اس کے کوئی سنتا سناتا نہیں۔ اگر کسی مسجد میں قرآن شریف نہ سنا جاوے اور محض تراویح پڑھنے پر اکتفا کیا جاوے، تو وہ لوگ فضیلت قیام رمضان سے محروم ہوں گے، یا نہیں؟

الجواب

اجرت پر قرآن شریف پڑھنا درست نہیں ہے اور اس میں ثواب نہیں ہے اور بحکم "**المعروف کالمشروط**" جن کی نیت لینے دینے کی ہے، وہ بھی اجرت کے حکم میں ہے اور ناجائز ہے۔(۲) اس حالت میں صرف تراویح پڑھنا اور اجرت کا قرآن شریف نہ سننا بہتر ہے اور صرف تراویح ادا کر لینے سے قیام رمضان کی فضیلت حاصل ہو جاوے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۴۶)

---

(۱) قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم: "اقرؤوا القرآن ... ولا تأكلوا به. (مسند الإمام أحمد، حديث عبد الرحمن بن شبل: ٢/٤٤٣، رقم الحديث: ١٥٧٥٨، انيس)

(۲) "وأن القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز و الآخذ والمعطى آثمان؛ لأن ذلك يشبه الاستيجار على القراءة ونفس الاستيجار عليها لايجوز". (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب فى بطلان الوصية: ١/٦٨٧، ظفير)

بشرط ختم قرآن ماہ رمضان میں نماز پنجگانہ پڑھانے کے لیے امام کے تقرر کا حکم:

سوال: ایک صاحب نے ایک مستند عالم سے بذریعہ تحریر دریافت کیا کہ تراویح ماہ رمضان قرآن باجرت پڑھوانا اور سماعت کرنا ایسے قرآن کے متعلق علماء کا کیا حکم ہے؟ عالم موصوف نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ اجرت پر تراویح میں قرآن پڑھاوانا اور سماعت کرنا ناجائز ہے؛ مگر امام مسجد اجرت پر مقرر کرکے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اب ان صاحب نے جنھوں نے یہ فتوی حاصل کیا تھا بمشورہ دوتین اصحاب کے جن میں سے کوئی شخص عالم نہیں ہے، اپنی رائے سے حسب فتوی آخر الذکر؛ یعنی تقرر امام کے ایک حافظ کو پچیس روپے اجرت پر صرف ماہ مبارک کے واسطے؛ یعنی رویت ہلال ماہ رمضان سے رویت ہلال ماہ شوال تک بہ حیثیت امام مقرر کیا کہ وہ پانچوں وقت کی نماز بہ حیثیت امام مسجد پڑھایا کریں؛ لیکن نماز تراویح میں ایک، یا سوا پارہ پڑھا کریں، حافظ نے اس شرط کو منظور کرلیا، یہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

جب تراویح میں قرآن شریف پڑھانا مشروط ہے تو جواز کی گنجائش کس طرح ہوسکتی ہے، اگر یہ شرط نہ ہوتی؛ بلکہ فقط امام مسجد مقرر کرتے اور قرآن شریف اپنی خوشی سے بلا کسی معاوضہ کے پڑھائے تو جائز ہوسکتا تھا۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ

نوٹ: یہ جواب اس وقت ہے کہ یہ شرط صلب عقد اجارہ میں ہو اور اگر خارج عقد محض وعدہ ہے تو مضائقہ نہیں۔ فقط

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ، ۱۵ / رمضان ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۲ / ۲۷۸-۲۷۹)

تراویح میں ختم قرآن پر اجرت کے لیے حیلہ کا ابطال:

سوال: اگر زید کو کوئی شخص بغیر اجرت طے کئے ہوئے اپنی خوشی سے دس پانچ روپے دیوے، یا ایک ماہ کے لیے امام مقرر کرکے کچھ اجرت دیوے، اس طور سے عندالشرع اجرت حلال ہوگی، یا نہیں؟ اور امامت کی صورت میں تو حلال ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں معلوم ہوتا؛ کیوں کہ علماء متاخرین نے امامت کی اجرت پر فتویٰ دیا ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟ تفصیل وار تحریر کیجئے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــ

یہ جواز کا فتویٰ اس وقت ہے، جب امامت ہی مقصود ہو، حالاں کہ یہاں مقصود ختم تروایح ہے، (۱) اور یہ محض ایک

---

(۱) قاعدہ ہے: الأمور بمقاصدها، پس اگر کسی حافظ کو ختم قرآن شریف کے لیے تروایح کا امام بنایا جاوے تو ظاہر ہے کہ اس سے مقصود امامت نہیں ہے؛ بلکہ قرآن شریف کا ختم ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم جدید: ۴ / ۲۷۳) ==

حیلہ دیانات میں جو کہ معاملہ فی مابین العبد وبین اللہ ہے، حیل مفید جواز واقعی کو نہیں ہوتے، لہٰذا یہ ناجائز ہوگا۔(۱)

۶/شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ،ص:۸۷) حیلہ نمبر:۱۲۔ (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۴۸۴-۴۸۵)

معاوضہ طے کرنے والے اور داڑھی کترانے والے حافظ کی اقتدا میں تراویح:

سوال: اکثر حافظ صاحبان جن کے کھانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا، وہ باقاعدہ معاوضہ طے کرکے پھر تراویح پڑھانے کے لئے تیار ہوتے ہیں، کیا ایسی صورت میں جبکہ روزگار وغیرہ نہ ہو قرآن عظیم کو ذریعہ آمدنی بنانا جائز ہے

الجواب ــــــــــــــــــــــ

اجرت لے تراویح پڑھانا جائز نہیں اور ایسے حافظ کے پیچھے تراویح مکروہ تحریمی ہے، اس کے بجائے ﴿الم تر کیف﴾ کے ساتھ پڑھ لینا بہتر ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۱۸۸)

نابالغ بچے اور اجرت پر قرآن پاک سنانے والے کے پیچھے نماز تراویح کا حکم:

سوال: محلّہ میں تین حافظ ہیں، جو محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں، ایک صاحب بوجہ ضعف عمری تراویح میں کلام پاک سنانے سے معذوری ظاہر فرماتے ہیں اور شاید کسی وجہ سے معذور ہوں، دوسرے صاحب بوجہ کریہۃ الصوت کہے جانے کے سنانا نہیں چاہتے، البتہ ایک صاحب جو ہنوز بالغ نہیں ہوئے؛ مگر قریب البلوغ کے ہے؛ یعنی جس کی عمر بارہ تیرہ سال کی ہے، وہ سنا سکتا ہے اور شہر میں کوئی حافظ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں دوسرے شہر سے مثلاً لکھنؤ، سنڈیلہ، یا بریلی سے اجرت پر حافظ بلوا کر تراویح سنی جاوے، یا اس نابالغ کے پیچھے سننا مناسب ہے، شریعت کا جو حکم ہو، اس سے اطلاع بخشی جائے۔ جو لوگ نابالغ کے اقتدا کے قائل نہیں، وہ احادیث پیش کرتے ہیں۔ ایک بخاری شریف میں دوسری مشکوٰۃ میں، ان احادیث کا جواب کیا ہے؟ اشعۃ اللمعات میں حضرت شیخ دہلوی فرماتے ہیں

== لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس حیلہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، فرماتے ہیں "اگر رمضان المبارک کے مہینہ کے لیے حافظ کو تنخواہ پر رکھ لیا جائے اور ایک دو نمازوں میں اس کی امامت معین کردی جائے تو یہ صورت جواز کی ہے؛ کیوں کہ امامت کی اجرت (تنخواہ) کی فقہاء نے اجازت دی ہے"۔ (دیباچہ فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم،ص:۵)

لیکن ظاہر ہے کہ یہ حیلہ ہی حیلہ ہے، مقصود واقعی ختم قرآن شریف ہے، امامت مقصود ہرگز نہیں ہے اور دیانات میں حیلے مفید جواز نہیں ہوتے۔ فالحق ما افتی بہ المجیب قدس سرہ العزیز (سعید)

(۱) قال عبدالرحمن بن شبل: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اقرؤا القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا فيه ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به. (مسند الإمام أحمد، حديث عبد الرحمن بن شبل: ۴۴۳/۳، رقم الحديث: ۱۵۷۵۸، انيس)

(۲) "وأن القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز و الآخذ والمعطى آثمان؛ لأن ذلك يشبه الاستيجار على القراءة ونفس الاستيجار عليها لايجوز". (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب فى بطلان الوصية: ۷۳/۲)

کہ حضرت ابن سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر شافعیہ کا عمل درآمد ہے، ایسی حالت میں جب کہ فرض پر استدلال ہے تو نفل اور سنت مؤکدہ پر عدم وجوہ بھی رقم فرمائے جائیں؟ نابالغ حفاظ کے پیچھے تراویح نہیں سنتا ہے، اس سے وہ کلام پاک بھولتے جارہے ہیں اور لوگوں میں یہ خیال پیدا ہورہا ہے کہ بچوں کے حفظ قران کرانا ایک فضول چیز ہے، کیا کیا جاوے؟ اللہ کے واسطے معہ دلائل مرحمت فرمائیں۔ سننے میں آیا ہے کہ علماء فرنگی محل اور علماء ماوراء النھر نے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اس کے موافقین قول امام، یا حدیث جو اس کے خلاف ہو طلب ہو، طلب فرماتے ہیں۔ اگر ممکن ہو تو بہت ہی اچھا ہے، ورنہ ہم کو صرف آپ کا فتویٰ درکار ہے۔

الجواب

اس صورت میں یا تو حافظ کریہۃ الصوت کا قرآن نماز میں سن لیا جاوے، بشرطیکہ سب اس پر آمادہ ہوں اور اس حافظ کی خوشامد کرلی جائے، ورنہ حافظ ضعیف العمر کے پیچھے ﴿الم تر کیف﴾ سے تراویح پڑھ لی جائے، اجرت پر نابالغ حافظ کے پیچھے بھی تراویح نہ پڑھی جائیں، گو امام شافعیؒ کے مذہب میں جائز ہے؛ مگر امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں، نہ فرائض میں نہ نوافل میں اور تراویح سال بھر میں ایک دفعہ نصیب ہوتی ہے، ایسی عبادت کو اختلاف ڈالنا سخت محرومی کی بات ہے اور حدیثوں سے شوافع نے استدلال کیا ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ نے ان کے شافعی کافی جواب دیدئے، جو مطولات فقہ میں مذکور ہیں، مقلد کو ان کے معلوم کرنے کی ضرورت نہیں اور محققین کے نزدیک مانعین کے دلائل مجوزین کے دلائل سے اقوی ہیں، کما ذکر فی الاعلاء اور نابالغ حافظوں کے قرآن پختہ کرنے کی یہ صورت ہے کہ نوافل میں مغرب کے بعد، یا بعد تراویح کے اس نابالغ حافظ کو امام اور دوسرے نابالغ حافظوں کو مقتدی بنا کر اس کا قرآن سن لیا جائے، اگر سامع نابالغ نہ ملے تو دو چار رکعت میں کوئی بالغ حافظ ہی اس نابالغ کا مقتدی بنا کر قرآن سن لیں اور گو اس صورت میں بھی ان نوافل کی صحت مقتدی بالغ کے حق میں مختلف فیہ ہوگی؛ مگر چوں کہ یہ رکعتیں سنت مؤکدہ نہیں ہوں گی؛ بلکہ زائد نفلیں ہوں گی، ان کو اختلاف کی صورت سے ادا کرنے میں بضرورت حفظ قرآن مضائقہ نہیں؛ لیکن تراویح جو سنت مؤکدہ ہے اور سال بھر میں ایک دفعہ رمضان میں ہی نصیب ہوتی ہے، اختلاف میں ڈالنا سخت بری بات ہے، علماء ماوراء النھر نے جواز کا فتویٰ نہیں دیا اور علماء فرنگی محل اور علماء بلخ نے اس نکتہ پر غور نہیں کیا کہ خروج من الخلاف عبادت میں اہم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ شعبان ۱۳۳۷ھ (امداد الاحکام: ۲/ ۶۶۸-۶۶۹)

قاری اور سامع کو کچھ لینا دینا حرام اور ایسے قاری کے پیچھے تراویح ناجائز ہے:

سوال: رمضان میں ختم قرآن پر قاری اور سامع اگر کچھ معاوضہ طے نہ کریں، ویسے ہی اہل مسجد ان کی کچھ

خدمت کر دیں، یا کپڑوں کا جوڑا بنا دیں تو یہ جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصواب

خدمت کے نام سے نقد، یا کپڑے وغیرہ دینا بھی معاوضہ ہی ہے اور اجرت طے کرنے کی بنسبت زیادہ قبیح ہے؛ اس لیے کہ اس میں دو گناہ ہیں: ایک قران سنانے پر اجرت کا گناہ اور دوسرا جہالت اجرت کا گناہ۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاری اور سامع بھی للہ کام کرتے ہیں اور ہم بھی للہ ان کی خدمت کرتے ہیں، معاوضہ مقصود نہیں، ایسے حیلہ بازوں کی نیت معلوم کرنے کے لیے حضرات فقہاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ امتحان رکھا ہے کہ اگر قاری اور سامع کو کچھ بھی نہ ملے تو وہ آئندہ بھی اس مسجد میں خدمت کے لیے آمادہ ہوتے ہیں، یا نہیں؟ اور اہل مسجد کا امتحان یہ ہے کہ اگر یہ قاری اور سامع ان کی مسجد میں نہ آئیں تو بھی یہ لوگ ان کی خدمت کرتے ہیں، یا نہیں؟ اب دور حاضر کے لوگوں کو اس کسوٹی پر لائیے، قاری اور سامع کو اگر کسی مسجد سے کچھ نہ ملا تو آئندہ وہ اس مسجد کی طرف رخ بھی نہیں کریں گے اور اہل مسجد کا یہ حال ہے کہ جس قاری، یا سامع نے ان کی مسجد میں کام نہیں کیا، وہ خواہ کتنا ہی محتاج ہو، ان کو اس کی زبوں حالی پر قطعاً کوئی رحم نہیں آتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جانبین کی نیت معاوضہ کی ہے اور للّٰہیت کے دعوے میں جھوٹے ہیں، لہٰذا اس طرح سننے اور سنانے والے سب سخت گنہگار اور فاسق ہیں اور ایسے قاری کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

فرائض میں فاسق کی امامت کا یہ حکم ہے کہ اگر صالح امام میسر نہ ہو، یا فاسق امام کو ہٹانے کی قدرت نہ ہو تو اس کی اقتدا میں نماز پڑھ لی جائے، ترک جماعت جائز نہیں، مگر تراویح کا حکم یہ ہے کہ کسی حال میں بھی فاسق کی اقتدا میں جائز نہیں۔ اگر صالح حافظ نہ ملے تو چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھ لی جائیں، اگر محلّہ کی مسجد میں ایسا حافظ تراویح پڑھائے تو فرض مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کر کے تراویح الگ مکان میں پڑھیں۔

بالفرض کسی قاری کا مقصود معاوضہ نہ ہو تو بھی لین دین کے عرف کی وجہ سے اس کی توقع ہوگی اور کچھ نہ ملنے پر افسوس ہوگا، یہ اشراف نفس ہے، جو حرام ہے۔ اگر کسی قاری کو اشراف نفس سے بھی پاک تصور کر لیا جائے تو بھی اس لین دین میں عام مروج فعل حرام سے مشابہت اور اس کی تائید ہوتی ہے، علاوہ ازیں دینی غیرت کے بھی خلاف ہے؛ اس لیے بہرکیف اس سے کلی اجتناب واجب ہے۔ فقط واللہ الموفق

۲۳؍شوال ۱۳۸۶ھ (احسن الفتاویٰ: ۳؍۵۱۴-۵۱۵)

تراویح پر بخوشی حافظ کو نذرانہ دینا کیسا ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب بہت دیندار، پرہیزگار حافظ قرآن ہیں، وہ ہر سال رمضان میں ایک قصبہ کی مسجد میں جا کر نماز تراویح میں قرآن شریف سنایا کرتے ہیں۔ پس بعد ختم کے مقتدی وغیرہ حسب مقدار بلا جبر و اکراہ

وبلا گفتگو حسبۃً للہ حافظ صاحب کو کچھ دیتے ہیں؛ یعنی نقد روپیہ اور حافظ صاحب بھی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرا مقصود اس سے مال اور کسب دنیا نہیں ہے، میرا مقصود تو ثواب اور ادائے سنت مؤکدہ ہے اور یاد داشت قرآن مجید ہے۔ روپیہ پیسہ ہونا نہ ہونا میرے نزدیک مساوی ہے اور تفسیر عزیزی کی عبارت مندرجہ سوال سے جواز اجرت علی العبادت معلوم ہوتا ہے۔ اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

فقہا نے یہ قاعدہ لکھ دیا ہے:

"المعروف کالمشروط". (کذا فی الشامی وغیرہ)

پس اگر ان حافظ صاحب کو معلوم ہے کہ ان کو قرآن شریف سنانے پر کچھ روپیہ ملے گا اور لینا دینا معروف ہے تو ان حافظ صاحب کو کچھ لینا قرآن شریف ختم کرکے درست نہیں ہے اور اس میں تالی وسامع دونوں ثواب سے محروم ہیں،(۱) اور حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر اس حالت پر محمول ہے کہ اس عبادت پر کچھ لینا دینا معروف نہ ہو؛ تاکہ کلام فقہا اور ارشاد شاہ صاحب میں تعارض نہ ہو۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۶۳-۲۶۴)

حافظ کو بغیر مانگے کے دینا:

سوال: جو شخص قرآن نماز تراویح میں سنائے بغیر ٹھہرائے اور مانگے، اگر آدمی کچھ اس کو بطور چندہ کے دے دیویں، یہ لینا اس کو جائز ہے، یا نہیں ہے؟ اور دینے والے کو یہ دینا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر حافظ کے دل میں لینے کا خیال نہ تھا اور پھر کسی نے دیا تو درست ہے اور جو حسب رواج وعرف دیتے ہیں، حافظ بھی لینے کے خیال سے پڑھتا ہے، اگرچہ زبان سے کچھ نہیں کہتا تو درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ: ۳۲۵)

بوقت ختم قرآن امام ومؤذن کو کچھ دینا:

سوال: عام مسجدوں میں یہ دستور ہے کہ رمضان میں ختم قرآن کے موقع پر لوگوں سے چندہ وصول کرکے مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے اور امام ومؤذن کو بطور امداد عطیہ دیا جاتا ہے، کیا امام اور موذن کو یہ رقم لینا شرعا درست ہے؟ اور اگر چندکی بجائے دوسرے کسی ذریعہ سے دیا جائے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) وأن القراءة لشئ من الدنيا لا تجوز و إن الآخذ والمعطى آثمان؛لأن ذلك يشبه الاستيجار على القراءة ونفس الاستيجار عليها لايجوز فكذا ما أشبهه،إلخ، ولا ضرورة فى جواز الاستيجار على التلاوة.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت،مطلب بطلان الوصية،الخ: ۶۸۷/۱،ظفير)

الجواب ــــــــــ باسم ملهم الصواب

وجوہ ذیل کی بنا پر امام اور مؤذن کے لیے یہ عطیات خواہ از قسم نقد ہوں، یا بصورت لباس وغیرہ، جائز نہیں۔

(۱) بالعموم چندہ وصول کرنے میں ایسے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں کہ انسان کچھ نہ کچھ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے؛ اس لیے یہ وصول کردہ رقم حرام ہے، جب تک دینے والے کی طیب خاطر کا یقین نہ ہو، اس سے کچھ لینا ہرگز جائز نہیں۔

(۲) چندہ دہندگان میں بنک اور بیمہ کے ملازمین اور دوسرے حرام ذرائع آمدنی رکھنے والے بکثرت ہوتے ہیں۔

(۳) یہ رسم عام ہو جانے کی وجہ سے ایک قسم کا معاوضہ ہے، جس کی تفصیل سوال سابق کے جواب میں لکھی جا چکی ہے۔ امام اور مؤذن کو تنخواہ لینا اگرچہ جائز ہے؛ مگر اس رقم کی مقدار مجہول ہے؛ اس لیے یہ لین دین ناجائز ہے۔

(۴) اگر امام واقعۃً اس رقم کو معاوضہ نہ سمجھتا ہو، جس کا امتحان سوال سابق کے جواب میں لکھا جا چکا ہے تو اشراف نفس کی وجہ سے حرام ہے۔

(۵) اگر بالفرض اشراف نفس نہ بھی ہو تو بھی اس سے غلط رسم اور ناجائز معاملہ کی تائید ہوتی ہے؛ اس لیے ناجائز ہے۔ اگر یہ عطیہ چندہ سے نہ ہو تو بھی آخری تین وجوہ کی بناء پر ناجائز ہے۔ اگر اہل مسجد واقعۃً امام اور مؤذن کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو اس کی جائز صورت یہ ہے کہ ان کی مقرر تنخواہ میں اضافہ کر دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

٢٣ رشوال ١٣٨٦ھ (احسن الفتاویٰ: ٣/ ٥١٥-٥١٦)

حافظ کو آمد و رفت کا کرایہ دینا اور کھانا کھلانا معاوضہ میں داخل ہے، یا نہیں:

سوال: ایک حافظ کو شعبان کے آخر میں بلایا گیا اور سب لوگوں نے چندہ کر کے آمد و رفت کا کرایہ واقعی دیا اور تمام مہینہ رمضان شریف ان کو عمدہ کھلایا پلایا تو یہ صورت قرآن شریف سننے کی بلاعوض محسوب ہوگی، یا یہ صورت ناجائز ہے اور ان کو کچھ زائد اس کے عوض میں نہیں دیا جاتا۔ اگر یہ صورت نہ کی جائے تو وہ حافظ سناتے نہیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

آمد و رفت کا کرایہ دیکر حافظ کو باہر سے بلانا اور اس کا قرآن شریف بلا معاوضہ سننا جائز اور موجب ثواب ہے اور جبکہ وہ باہر سے آیا ہوا اور بلایا ہوا مہمان ہے تو اس کو عمدہ کھلانا جائز ہے اور ثواب ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ٤/ ٢٩٥)

تراویح کی اجرت ناجائز کیوں اور امام و مدرسین کی تنخواہ جائز کیوں:

سوال: عرض ہے کہ ایک حافظ قرآن، رمضان کے مہینے میں، اپنے قصبہ سے دور دوسرے شہر میں، تراویح پڑھانے جاتا ہے اور اجرت مقرر نہیں کرتا؛ لیکن پھر بھی وہاں اتنے روپے مل جاتے ہیں کہ خرچہ اور کرایہ کے علاوہ کچھ

روپے اس کو فاضل بچ جاتے ہیں تو اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ ناجائز ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولوی حضرات مدرسوں میں قرآن وحدیث پڑھاتے ہیں اور مسجدوں میں امامت کرتے ہیں اور اس کی اجرت پہلے سے مقرر کر لیتے ہیں؛ بلکہ اگر روپیہ کم ملتا ہے تو دوسری جگہ کی تلاش شروع ہو جاتی ہے اور اس پر یہ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ روپیہ قرآن وحدیث کی اجرت نہیں؛ بلکہ وقت کا اور بیوی بچوں کے گزارے کا لیتے ہیں تو کیا حافظ ایک مہینہ گھر سے باہر رہتا ہے تو اس کا وقت خرچ نہیں ہوتا، یا اس کے بیوی بچے نہیں؟

جس حافظ کے متعلق یہ اعتراض ہے، وہ تقریباً تیس سال سے گھر پر بچوں کو ناظرہ اور حفظ قرآن کی تعلیم مفت انجام دے رہا ہے اور ایک پیسہ تنخواہ نہیں لیتا، گھر پر اپنی مزدوری کرتا رہتا ہے اور اسی میں بچوں کو بھی پڑھاتا ہے اور اگر ایک ماہ باہر جا کر تراویح پڑھاتا ہے اور وہاں جو کچھ روپیہ ملتا ہے، وہ لے لیتا ہے تو یہ ناجائز قرار پاتا ہے، ایسا کیوں ہے؟

الجواب

تراویح میں ختم قرآن پر اجرت مقرر کرنا، خواہ صراحۃً ہو، جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں، یا بطور عرف وعادت ہو، جیسا کہ عموماً آج کل رائج ہے، دونوں صورتوں میں جائز نہیں اور تحقیق اس معاملہ کی یہ ہے کہ اصل مذہب میں مطلقاً عبادت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، خواہ کوئی عبادت ہو؛ لیکن حضرات متأخرین نے ضرورت کی وجہ سے اس قاعدہ کلیہ سے چند چیزیں مستثنیٰ کی ہیں اور یہ تصریح فرمائی ہے کہ یہ استثنا انہیں چیزوں میں ہے، باقی عبادات وطاعات اپنے اصلی حکم پر ہیں کہ ان میں اجرت لینا جائز نہ ہوگا اور ان مستثنیات میں ختم قرآن اور تراویح کو کسی نے شامل نہیں فرمایا؛ اس لیے اس پر اجرت لینا اسی طرح ناجائز رہے گا۔(۱)

درمختار میں ہے:

”لاتصح الإجارة لعسب التيس (إلٰی) ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان“.(۳٤/۵)(۲)

شامی میں ہے:

”وقد اتفقت كلمتهم جميعاً على التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز ثم استثنوا بعده

(۱)　قال عبدالرحمن بن شبل: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اقروأ القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا فيه ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به. (مسند الإمام أحمد، حديث عبد الرحمن بن شبل: ٤٤٣/٣، رقم الحديث: ١٥٧٥٨، انيس)

(۲)　الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٧٧/٩، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

ترجمہ: نہیں صحیح ہے اجارہ بکرے کے اندر نسل بڑھانے کے لیے (تا) اور نہ طاعات کے لیے مثلاً اذان، حج، امامت، تعلیم قرآن، تعلیم فقہ؛ لیکن آج کے زمانہ میں فتویٰ یہ ہے کہ تعلیم قرآن وفقہ اور امامت واذان میں اجارہ صحیح ہے۔ محشی

ما علمته،فهٰذا دليل قاطع وبرهان ساطع علٰى أن المفتىٰ به ليس هو جواز الاستيجار علٰى كل طاعة بل علٰى ما ذكروه فقط مما فيه ضرورة ظاهرة تبيح الخروج عن أصل المذهب من طرو المنع فإن مفاهيم الكتب حجة". (۳۵/۵)(۱)

نیز اسی کتاب میں اسی صفحہ پر ہے:

"ويمنع القارى للدنيا والأخذ والمعطى اثمان. فالحاصل أن ما شاع فى زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لايجوز؛لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة؛لأجل المال،فإذا لم يكن للقارى ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر ولولا الأجرة ماقرأ أحد لأحد فى هٰذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً ووسيلة إلٰى جمع الدنيا،إنا للّٰه وإنا إليه راجعون. (۳۵/۵)(۲)

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ فقہاءِ متأخرین نے جو امامت اور تعلیم قرآن وغیرہ کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے تو اس وجہ سے کہ ضرورت شرعیہ ہے، جس کے بغیر فرائض کا تعطل لازم آتا ہے اور تراویح میں پورا قرآن شریف ختم کرنا فرض و واجب نہیں کہ اس کو تعلیم اور امامت پر قیاس کیا جائے؛ بلکہ سنت ہے اور اس میں بھی فتویٰ اس پر ہے کہ اگر پورا ختم کرنے کی وجہ سے تقلیل جماعت کی نوبت آتی ہو اور لوگ بوجہ سستی کے شرکت تراویح سے باز رہتے ہوں تو پورا قرآن ختم کرنا مناسب نہیں۔

---

(۱) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الإجارة،باب الإجارة الفاسدة،مطلب:تحرير مهم فى عدم جواز الاستيجار على التلاوة: ۷٦/۹،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

ترجمہ: تمام علما و فقہا کا بالصراحت اس پر اتفاق ہے کہ اصل مذہب یہی ہے کہ مذکورہ تمام امور پر اجرت لینا صحیح نہیں، پھر اس کے بعد جیسا کہ مجھے معلوم ہے (تعلیم قرآن وفقہ واذان وامامت) کا انہوں نے استثنا کیا، پس یہ دلیل قاطع اور برہان واضح ہے کہ مفتیٰ بہ مسلک یہی ہے کہ جمیع طاعات میں اجارہ کا جواز نہیں؛ بلکہ صرف انہیں امور میں ہے، جن کا ابھی ذکر ہوا؛ کیوں کہ ان امور کی ضرورت بالکل ظاہر ہے، یہی ضرورت اصل مذہب سے خروج کو مباح قرار دے رہی ہے، منع کے طریقہ پر؛ اس لیے کہ کتابوں کا مفہوم مخالف حجت ہے۔ محشی

(۲) رد المحتار ،كتاب الإجارة ، باب الإجارة الفاسدة ، مطلب : تحرير مهم فى عدم جواز الاستيجار على التلاوة: ۷۷/۹، مكتبة زكريا ديوبند،انيس

ترجمہ: اور جو محض دنیا کے لیے قرآن پڑھتا ہو اسے منع کیا جائے، لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار رہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو ہمارے زمانہ میں قرآن کے اجزا اجرت پر پڑھنے کا رواج چل پڑا ہے، جائز نہیں؛ اس لیے کہ اس میں ایک شخص تلاوت دوسرے سے اس لیے کراتا ہے کہ وہ ثواب اس کو دے تو تلاوت مال کے لیے ہوئی، پس جب خود تلاوت کرنے والے کو نیت صحیح نہ ہونے کی وجہ سے ثواب نہیں ملا تو اجرت پر لینے والے کو کہاں سے ثواب مل جائے گا، آج کل ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ اگر اجرت نہ ملے تو کوئی کسی کے لیے قرآن نہ پڑھے، ان لوگوں نے قرآن کو کمائی اور حصول دنیا کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ إنا للّٰه وإنا إليه راجعون. محشی

درمختار میں ہے:

”والختم مرة سنة ... ولايترک ... لكسل القوم لكن في الاختيار:الأفضل في زما ننا قدرما لا يثقل عليهم وأ قره المصنف وغيرهم (إلٰى) ومن لم يكن عالماً بأهل زمانه فهوجاهل“. (٤٧٤/١)(۱)

شامی میں ہے:

”(قوله:الأفضل في زماننا):لأن تكثرالجمع أفضل من تطويل القراء ة (إلٰى) ولهٰذا قال في البحر: فالحاصل أن المصحح في المذهب أن الختم سنة لكن لايلزم منه عدم تركه إذا لزم منه تنفيرالقوم وتعطيل كثيرمن المساجد خصوصاً في زماننا فالظاهراختيارالأخف على القوم“. (٤٧٥/١)(۲)

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ تراویح میں ختم قرآن کرنا واجب نہیں؛ بلکہ سنت ہے اور سستی قوم کی وجہ سے پورا ختم نہ کرنا بھی جائز ہے؛ اس لیے ختم کی ضرورت کو ضرورت تعلیم، یا ضرورت امامت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اگر کوئی شخص بلا اجرت پڑھنے والا نہ ملے تو جس قدر سورتیں محلّہ والوں کو یاد ہوں، ان سے تراویح پڑھنا اس سے بہتر ہوگا کہ اجرت دے کر کسی سے پڑھوائیں۔ یہ سب اس وقت ہے، جب کہ لینا دینا طے ہو جائے، یا عادۃً طے شدہ سمجھا جاتا ہو اور جہاں دونوں باتیں نہ ہوں کہ لینے والا لینے کی غرض سے نہ پڑھتا ہو اور دینے والے بھی بطور ہدیہ غیر ضروری سمجھ کر دیتے ہوں، اس طرح کہ اگر نہ دیا جائے تو شکایت نہ ہو تو ایسا دینا جائز ہے اور اس کا لینا بھی جائز ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ پڑھانے والے کی خدمت کی جائے؛ مگر کوئی معمول مقرر نہ کیا جائے کہ ختم کے وقت دیں گے، یا پہلے اور نقد دیں گے، یا اور کوئی چیز؛ تاکہ اس کو انتظار کی صورت قائم نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ تراویح پڑھانے پر اجرت لینا جائز نہیں ہے اور تعلیم قرآن وغیرہ کام کی اجرت لینا جائز ہے، کم وبیش جو اجرت جانبین میں کام کے لیے طے ہو جائے۔

واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ احیاء العلوم: ۱/۱۹۸-۲۰۲)

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ٢/٤٩٧-٤٩٨، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

ترجمہ: ایک مرتبہ قرآن ختم کرنا سنت ہے، قوم کے کسل وسستی کی وجہ سے اسے ترک نہ کیا جائے؛ لیکن افضل یہ ہمارے زمانہ میں یہ ہے کہ اتنی ہی مقدار اختیار کی جائے جو مقتدیوں پر ثقیل نہ ہو (تا) جو اپنے زمانہ کے لوگوں سے واقف نہ ہو، وہ جاہل ہے۔ محشی

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ٢/٤٩٧-٤٩٨، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

ترجمہ: صاحب درمختارؒ نے ہمارے زمانہ میں جو بات افضل بتائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کا جماعت میں زیادہ شریک ہونا طویل قرأت سے افضل ہے، (تا) اسی وجہ سے البحرالرائق میں کہا ہے: ”کہ خلاصہ یہ ہے کہ صحیح مذہب یہی ہے کہ تراویح میں ایک ختم قرآن سنت ہے؛ لیکن کم پڑھنے سے اس صورت میں صحیح مذہب کا ترک لازم نہیں آئے گا، جب کہ پورا قرآن پڑھنے کے نتیجے میں قوم کو متنفر کرنا اور بہت سی مساجد کو معطل کرنا لازم آ جائے۔ خصوصاً ہمارے زمانہ میں، پس ظاہر یہی ہے کہ وہی صورت اختیار کی جائے، جو قوم کے لیے آسان اور سہولت والی ہو“۔ محشی

امامت کی اجرت لینا جائز ہے، تراویح کی نہیں:

(الجمعیۃ، مورخہ ۱۴/ اپریل ۱۹۲۸ء)

سوال: گزشتہ ماہ رمضان سنہ رواں میں یہاں کے تجار کاٹھیاواڑی اور کچھی میمنوں نے ایک مصری حافظ صاحب کو بمبئی سے ایک سوتیس روپے اجرت مقرر کرکے کچھیوں والی مسجد میں تراویح پڑھانے کو بلایا تھا اور یہاں کے ایک ہفتہ وار اخبار ''البرہان اکولہ'' مطبوعہ یوم جمعہ ۹/ رمضان ۱۳۴۶ھ میں مندرجہ ذیل مضمون شائع ہوا تھا۔

''مقامی بیس مساجد میں سے صرف سات مسجدوں میں تراویح میں قرآن شریف کا دور ہو رہا ہے، خصوصا کچھی صاحبان کی مسجد میں مولانا سید احمد صاحب مصری قاری کو جو کہ جامعۂ ازہر کے ایک جید عالم ہیں بلایا گیا ہے''۔

اس اخباری شہرت، نیز اکولہ میں مشہور عبدالقادر قندھاری صاحب مولوی بیڑی پان والے کی دکان پر بیٹھ کر مدح سرائی کی وجہ سے کچھیوں والی مسجد میں افطار و تراویح کے وقت مسلمانوں کا زیادہ ہجوم رہتا تھا۔

کیا اجرت دے کر امام مذکور بلانا جائز ہے؟

الجواب

متاخرین فقہائے حنفیہ نے امامت کی اجرت لینے دینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔(۱) پس اگر امام مذکور سے معاملہ امامت نماز کے متعلق ہوا تھا تو درست تھا؛ لیکن قرآن مجید تراویح میں سنانے کی اجرت لینا دینا جائز نہیں ہے،(۲) اگر معاملہ قرآن مجید سنانے کے لیے ہوا تھا تو ناجائز تھا۔(۳) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۴۱۰/۳)

کیا تراویح کے لیے امام مقرر کرنا درست نہیں ہے:

سوال: جس طرح پنجوقتہ نمازوں کے لیے امام کو مقرر کیا جاتا ہے، اسی طرح ماہِ رمضان میں تراویح کے لیے امام مقرر کرنا جائز ہے، یا نہ؟

---

(۱) ویفتٰی الیوم بصحتها لتعليم القرآن الفقه والإمامة والأذان. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٥٥/٦، ط: سعيد)

(۲) قال عبدالرحمن بن شبل: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اقروأ القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا فيه ولا تأكلوا به ولا تستكثرو به. (مسند الإمام أحمد، حديث عبد الرحمن بن شبل: ٤٤٣/٣، رقم الحديث: ١٥٧٥٨، انيس)

(۳) و أن القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز و أن الأخذ والمعطى آثمان، لأن ذلك يشبه الاستئجار على القراءة ونفس الاستئجار عليها لا يجوز فكذا ...ولا ضرورة فى جواز الاستئجار على التلاوة. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت مطلب فى بطلان الوصية بالحتمات والتهاليل: ٧٣/٢، ط: سهيل)

الجواب

چوں کہ مسئلہ یہ ہے کہ "الأمور بمقاصدها" اور یہ بھی ہے: "المعروف كالمشروط". پس اگر کسی حافظ کو ختم قرآن شریف کے لیے تراویح کا امام بنایا جاوے تو ظاہر ہے کہ اس سے مقصود امامت نہیں ہے؛ بلکہ قرآن شریف کا ختم ہے، لہٰذا اس پر جو کچھ اجرت دی لی جاوے گی، وہ ختم قرآن شریف کی وجہ سے ہے، نہ بوجہ امامت محضہ کے۔ پس حسب قاعدہ "لایجوز أخذ الأجرة علی قراءة القرآن" تراویح میں ختم قرآن پر اجرت لینا دینا جائز نہ ہوگا۔

قال فی رد المحتار: وقال العینی فی شرح الهدایة: ویمنع القاری للدنیا والآخذ والمعطی آثمان. فالحاصل أن ما شاع فی زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لایجوز، إلخ. (ردالمحتار: ۳۵/۵)(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۷۳/۴-۲۷۴)

کیا مستقل امام کو حق تراویح ہے، یا دوسرے مقررہ حافظ کو:

سوال: بکر ایک مسجد میں امام مقرر ہوا اور حافظ قرآن ہے اور زید بھی حافظ قرآن ہے، وہ زمانہ بعید سے اس مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے، اب بکر کہتا ہے کہ میں اب امام مقرر ہوا ہوں، تراویح پڑھانے کا حق مجھ کو ہی ہے اور وہ حافظ کہتا ہے کہ میرا قدیمی حق ہے تو کس کو حق ہے؟

الجواب

صورت مسئولہ میں جب کہ بکر امام مقرر ہو گیا ہے تو تراویح کی امامت کا حق بھی اسی کو حاصل ہے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۲/۴)

تراویح میں امام و سامع کو برابر کھڑا کرنا کیسا ہے اور سامع کو اجرت دینا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: تراویح میں اگر امام و سامع برابر میں کھڑے ہوں امام کو عذر سماعت ہو یا نہ ہو کیسا ہے؟ اور سامع کو اجرت پر مقرر کرنا کیسا ہے؟

الجواب

اگر کچھ ضرورت ہو، مثلاً یہ کہ امام کی سمجھ میں سامع کا بتلانا دور سے نہ آوے تو برابر کھڑا ہونا درست ہے اور

(۱) رد المحتار، کتاب الإجارة، مطلب الإجارة فی الطاعة: ۴۷/۵، ظفیر (باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحریر مهم فی عدم جواز الاستیجار علی التلاوة: ۷۷/۹، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(۲) واعلم أن صاحب البیت ومثله إمام المسجد الراتب أولیٰ بالإمامة من غیره مطلقاً. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۲۲/۱، ظفیر)

بلاضرورت اچھا نہیں ہے اور سامع کو اجرت پر مقرر کرنا بھی اچھا نہیں ہے؛ بلکہ ناجائز ہے؛ کیوں کہ قرآن شریف کے پڑھنے اور سننے پر اجرت لینا حرام ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۹۵/۴)

سامع کی اجرت:

سوال: سامع کو اجرت لینا جائز ہے، یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جائز ہے اور امداد الفتاویٰ جلد اول کا حوالہ دیتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــ باسم ملهم الصواب

امداد الفتاویٰ میں اس کو تعلیم قرار دے کر اس پر اجرت کا جواز تحریر فرمایا ہے؛ مگر صحیح یہ ہے کہ یہ تعلیم نہیں؛ بلکہ تذکیر ہے۔ ثانیاً اگر تعلیم ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ اس قسم کی ضروری تعلیم نہیں، جس پر جواز اجرت کا فتویٰ ہے، جب تراویح میں ختم قرآن ہی ضروری نہیں؛ اسی لیے اس پر اجرت لینا جائز نہیں تو قاری کو تعلیم، یا تذکیر ایسی ضروری کیوں کر ہوسکتی ہے کہ اس پر اجرت لینا جائز ہو، لہٰذا قاری کی طرح سامع کو بھی اجرت لینا جائز نہیں، (۱) خواہ اجرت متعین ہو، یا بلاتعیین بنام امداد وخدمت ہو، بہرحال ناجائز ہے؛ بلکہ بدون تعیین میں مزید قباحت یہ ہے کہ اس میں اجرت مجہول ہے؛ اس لیے یہ اور بھی زیادہ شدید گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷/رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ (احسن الفتاویٰ: ۵۱۶/۳)

نابالغ سامع کو صف اول میں کھڑا کرنا:

سوال: تراویح کی جماعت میں بعض جگہ سامع نابالغ بچہ ہوتا ہے اور سامع کو صف اول میں کھڑا ہونا ضروری ہوتا ہے، کیا اس صورت میں نابالغ کو صف اول میں کھڑا کرنا جائز ہوگا، یا اس میں کوئی کراہت ہے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) قال عبدالرحمن بن شبل: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اقروأ القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا فيه ولا تأكلوا به ولا تستكثرو به. (مسند الإمام أحمد، حديث عبد الرحمن بن شبل: ٤٤٣/٣، رقم الحديث: ١٥٧٥٨، انيس)

قال رسول الله صلى الله وعليه وسلم: من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم. (شعب الإيمان للبيهقي، التاسع عشر من شعب الإيمان هو باب فى تعظيم القرآن، فصل فى ترك قراءة القرآن فى المساجد والأسواق للبعطى ويستأكل به، رقم الحديث: ٢٦٢٥، انيس)

وأن القراءة لشيئ من الدنيا لا تجوز و إن الآخذ والمعطى آثمان؛ لأن ذلك يشبه الاستيجار على القراءة ونفس الاستيجار عليها لايجوز فكذا ما أشبهه كما صرح بذلك فى عدة كتب من مشاهير كتب المذهب وإنما أفتى المتأخرون بجواز الاستئجار على تعليم القرآن لا على التلاوة. (رد المحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب بطلان الوصية: ٦٨٧/١، انيس)

الجواب ـــــــــــ باسم ملہم الصواب

نابالغ بلاضرورت بھی بالغین کی صف میں بلا کراہت کھڑا ہوسکتا ہے، ضرورت سے بطریق اولی جواز ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱/رجب ۱۳۸۷ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۱۶-۵۱۷)

سامع کے لیے جگہ کی تعیین:

سوال: تراویح میں سامع کے لیے جانماز بچھا کر جگہ پر قبضہ کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــ باسم ملہم الصواب

اصلاح نماز کے لیے اس کی ضرورت ہے؛ اس لیے جائز ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶/شوال ۱۳۹۲ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۲۳)

☆ ☆ ☆

(۱) قوله (فلو واحدا دخل الصف) ذكره في البحر بحثا ، قال وكذا لو كان المقتدى رجلا وصبيا يصفهما خلفه لحديث أنس فصففت أنا وليتيم ورائه والعجوز من ورائنا وهذا بخلاف المرأة الواحدة فإنها تتأخر مطلقا كالمتعددات للحديث المذكور.(ردالمحتار،باب الإمامة،مطلب فى الكلام على الصف الأول: ۱/۵۷۱،دار الفكر،انيس)

(۲) (قوله:وليس له)قال في القنية:له في المسجد موضع معين يواظب عليه وقد شغله غيره، قال الأوزاعى:له أن يزعجه وليس له ذلك عندنا،آه ،أى؛ لأن المسجد ليس ملكاً لأحد،بحرعن النهاية،قلت:وينبغى تقييده بما إذا لم يقم عنه علىٰ نية العود بلا مهلة،كما لوقام للوضوء مثلاً ولا سيما إذا وضع فيه ثوبه لتحقق سبق يده، تأمل. (رد المحتار، كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها،مطلب فى الغرس فى المسجد ۱/۶۶۰،قبيل باب الوتر والنوافل، انيس)

عورتوں کی تراویح

عورتوں کی جماعت تراویح:

سوال (۱) چند عورتیں حافظ قرآن مجید یہ چاہتی ہیں کہ تراویح میں قرآن مجید اپنی جماعت سے ختم کریں، ان کا یہ فعل کیسا ہے؟

(۲) عیدین کی نماز بھی چند عورتیں جماعت سے پڑھ سکتی ہیں، یا نہیں؟ کیا عورت عورتوں کی امام بن سکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

عورتوں کی جماعت اس طرح کہ عورت ہی امام ہو، مکروہ ہے، خواہ تراویح کی جماعت ہو، یا غیر تراویح کی، سب میں عورت کا امام ہونا عورتوں کے لیے مکروہ ہے۔ (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۶۵-۲۶۶)

خواتین اور تراویح وعیدین:

سوال: میرے پڑوس میں چند خواتین نہ تو تراویح کی نماز پڑھتی ہیں، نہ تو عید کی، پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ تراویح اور عید کی نماز پڑھنا ضروری نہیں، پڑھیں تو ثواب ملے گا، ورنہ نہیں؟ (ناصرہ بیگم، یاقوت پورہ)

الجواب

تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے، مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی، اس پر امت کا اجماع و اتفاق ہے۔

"التراويح سنة مؤكدة ... للرجال والنساء إجماعا". (۲)

یہ ضرور ہے کے مردوں کے لیے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا افضل ہے اور عورتوں کے لیے تنہا پڑھنا بہتر ہے، البتہ عید کی نماز مردوں پر واجب ہے، عورتوں پر واجب نہیں۔

(۱) ويكره تحريماً جماعة النساء ولوفی التراويح. (الدر المختار: ۲/۳۰۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)
أفاد أن الكراهة فی كل ماتشرع فيه جماعة الرجال فرضاً أو نفلاً. (رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۲۸، ظفير)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۹۳

"تجب صلاة العيد علیٰ كل من تجب عليه الجمعة". (۱)

"لا تجب الجمعة على العبيد والنسوان". (۲)

آج کل چوں کہ عورتوں کے عیدگاہ جانے اور عید کی نماز میں شریک ہونے میں فتنہ کا اندیشہ ہے؛ اس لیے خواتین کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ عید کی نماز میں شرکت نہ کریں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۸۹/۲)

خواتین اور تراویح:

سوال: کیا تراویح کی نماز عورت کو بھی پڑھنا ضروری ہے؟ اگر کسی عورت کو دس سورتیں ہی یاد ہوں تو کیا ان ہی دس سورتوں کو بیس رکعتوں میں پڑھ سکتی ہے؟ (ایک بہن، جگتیال)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

تراویح کی نماز کا حکم عورتوں کے لیے بھی وہی ہے، جو مردوں کے لیے ہے۔ عورتیں بھی اگر تراویح کو بلا عذر ترک کردیں تو ترکِ سنت کا گناہ ہوگا، اگر دس سورتیں یاد ہوں تو یہ درست ہے کہ پہلی دس رکعت میں ان سورتوں کو پڑھ جائے، پھر اگلی دس رکعت میں دوبارہ ان ہی سورتوں کو پڑھے، یا ایک رکعت میں کوئی ایک سورت اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھتی جائے، یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہے، اس کے ساتھ ساتھ آپ کے دینی بھائی کی حیثیت سے ایک خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کی کچھ اور سورتیں یاد کرلیں، ان شاء اللہ تھوڑی محنت سے آپ مزید سورتیں یاد کر سکتی ہیں، قرآن یاد کرنے اور دین کا علم حاصل کرنے کے لیے کوئی عمر متعین نہیں ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۸۸/۲)

خواتین کی جماعت تراویح:

سوال: کیا خواتین کے لیے نماز تراویح پڑھنا ضروری ہے، نیز ان کے لیے کسی گھر میں جمع ہوکر کسی خاتون کی امامت میں تراویح پڑھ لینا جائز ہے؟ اور تنہا نماز تراویح پڑھی جائے تو کتنی رکعتیں پڑھنی چاہئے؟

(تسنیم تبسم، امان نگر)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

(الف) جیسے مردوں کے لیے تراویح سنت مؤکدہ ہے، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی سنت مؤکدہ ہے۔ تراویح کے حکم میں مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق نہیں۔ (۳)

---

(۱) الفتاوىٰ الهندية، باب صلاة العيدين: ۱۵۰/۱

(۲) الفتاوىٰ الهندية، باب فی صلاة الجمعة: ۱٤٤/۱

(۳) "وهي سنة للرجال والنساء". (الفتاوىٰ الهندية، فصل في التراويح: ۱۱٦/۱، مكتبة زكريا ديوبند)

(ب) خواتین گھر میں جمع ہوکر کسی خاتون کی اقتدا میں تراویح پڑھ لیں تو دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے: ایک یہ کہ آواز اتنی بلند نہ ہو کہ غیر محرم مردوں تک پہونچے۔ دوسرے اتنی دور سے نہ آتی ہوں کہ فتنہ؛ یعنی راستہ میں چھیڑ چھاڑ یا بدنگاہی وغیرہ کا اندیشہ ہو؛ مگر اس کے باوجود ان کے لیے تنہا نماز تراویح پڑھنا زیادہ باعث ثواب ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ نے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

"فإنما يفيد نسخ السنية وهو لايستلزم ثبوت كراهة التحريم فى الفعل بل التنزيه ومرجعهما إلى خلاف الأولى". (۱)

(عورتوں کے لیے جماعت سنیت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، یہ نسل میں جماعت کے مکروہ تحریمی ہونے کو متلازم نہیں ہے اور کراہت تنزیہی کے ساتھ جواز کا حکم باقی ہے، زیادہ سے زیادہ خلاف اولی کہا جا سکتا ہے۔)

البتہ اس صورت میں امامت کرنے والی عورت صف سے آگے کھڑی ہونے کے بجائے پہلی صف کے وسط میں کھڑی ہوگی، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا معمول منقول ہے، وہ رمضان المبارک کے مہینہ میں خواتین کی امامت فرمایا کرتی تھیں اور صف کے بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں۔ (۲)

(ج) نماز تراویح جماعت سے پڑھی جائے، یا تنہا، رکعات کی تعداد میں کوئی فرق نہیں ہے، ہر صورت میں بیس رکعت ادا کی جائے گی۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۳۹۶-۳۹۷)

تراویح اور وتر میں عورتوں کی جماعت:

سوال: میں نے اپنے بھائی سے قرآن حفظ کیا اور میں تراویح سنانا چاہتی ہوں، اس کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟ اور سامع کس کو بناؤں، جب کہ کوئی حافظ نہ ملتا ہو، کیا نابالغ لڑکا سامع بن سکتا ہے؟ اور یہ بھی تحریر فرمادیں وتر کیسے پڑھی جائے گی اور اس کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلياً

نابالغ کا سامع بننا درست ہے، جب کہ اس کو یاد ہو اور لقمہ دے سکے؛ (۳) مگر آپ کو امام بن کر جماعت کرانا اور

---

(۱) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۳۶۵، مكتبة زكريا ديوبند

(۲) عن أبى حنيفة عن حماد عن إبراهيم عن عائشة رضى الله عنها انها كانت تؤم النساء فى رمضان تطوعا وتقوم فى وسط الصف. (كتاب الآثار لإمام محمد، باب السهو: ۱/۶۰۳، رقم الحديث: ۲۱۲)

(۳) و إن فتح على إمامه لم تفسد ... وفتح المراهق كالبالغ. (الفتاوى الهندية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۹۹، رشيدية)

قال فى الغاية: وفتح المراهق كالبالغ. (تبيين الحقائق، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۱۵۶، بولاق، انيس)

تراویح میں قرآن پاک سنانا نہیں چاہیے، تنہا تراویح میں، یا نوافل میں جتنا چاہیں پڑھا کریں، بغیر نماز کے نابالغ حافظ کو سنا دیا کریں۔ عورتوں کی جماعت مکروہ ہے فرض میں بھی، وتر میں بھی، تراویح میں بھی۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۹/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۲۷۹/۷-۲۸۰)

تراویح میں عورتوں کی امامت:

سوال: عورتوں کے لیے عورت کی امامت مکروہ بتلائی گئی ہے؛ لیکن علم الفقہ میں جائز لکھا ہے، صحیح مسئلہ کیا ہے؟ آج کل تراویح میں حافظہ عورت قرآن سنائے تو بہت سی عورتوں کو نماز کا ذوق بھی ہوسکتا ہے اور قرآن سننے کا موقع بھی مل سکتا ہے، فی زمانہ دینی حالات کے اعتبار سے اس کی اجازت ہے، یا نہیں؟ (محمد تقی الدین، مدرسہ نور)

الجواب

قرآن وحدیث سے تو ایسی کوئی صراحت نہیں ملتی ہے کہ عورتوں کی جماعت اوران میں کسی خاتون ہی کی امامت سے منع کیا گیا ہو؛ بلکہ بعض روایات سے عورتوں کی امامت کرنا معلوم ہوتا ہے۔ دار قطنی، مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رمضان المبارک میں عورتوں کی امامت فرمایا کرتی تھیں۔(۲)

ابوداؤد، دار قطنی اور حاکم نے نقل کیا ہے:

’’آپ نے حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا کو اجازت دے دی تھی کہ اپنے گھر ہی میں اہل خانہ کی امامت کرلیا کریں‘‘۔(۳)

امام عبد الوہاب شعرانی نے لکھا ہے:

’’حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مردوں کے لیے تراویح کا علاحدہ امام اور عورتوں کے لیے علاحدہ امام مقرر کردیا تھا‘‘۔(۴)

---

(۱) ویکرہ تحریماً (جماعة النساء) ولو فی التراویح". (الدر المختار)

"(قولہ: ولو فی التراویح) أفاد ان الکراهة فی کل ما تشرع فیه جماعة الرجال فرضاً ونفلاً". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الامامة: ۵۶۵/۱، سعید)

(۲) عن عائشة أم المؤمنين رضي الله تعالیٰ عنها أنها كانت تؤم النساء في شهر رمضان فتقوم وسطاً. (کتاب الآثار للإمام محمد: ۴۴/۱، رقم الحدیث: ۲۱۷، باب المرأة تؤم النساء وکیف تجلس فی الصلاة)

عن عائشة أنها كانت تؤم النساء تقوم معهن فی الصف. (المصنف لإبن أبی شیبة، کتاب الصلاة، باب المرأة تؤم النساء: ۴۳۰/۱، رقم الحدیث: ۴۹۵۴، انیس)

(۳) وأمرها أن تؤم أهل دارها. (سنن أبي داؤد، باب إمامة النساء: ۸۷/۱، رقم الحدیث: ۵۹۲، مکتبة رشیدیة دهلی)

(۴) کشف الغمة عن جمیع الأمة: ۱۶۷/۱

ظاہر ہے عورتوں کے لیے ایک علاحدہ امام خاتون ہی رہی ہوں گی؛ اس لیے کہ خالص عورتوں کے لیے مرد امام کا تقرر فتنہ سے خالی نہیں، البتہ صاحب ہدایہ کا خیال ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے:

"وحمل فعلها الجماعة علىٰ ابتداء الإسلام".(۱)

لیکن یہ قرین قیاس نہیں ہے؛ اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کم عمر صحابیات میں ہیں اور مدنی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقۂ حیات رہی ہیں؛ اس لیے یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اخیر زندگی کا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بعد کے ادوار میں فقہاء نے فتنہ کو پیش نظر رکھ کر خالصۃ عورتوں کی جماعت کو مکروہ قرار دیا ہے اور یہ عورتوں سے متعلق دین کے مجموعی احکام اور ان کی روح کے مطابق بھی ہے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"ویکره للنساء أن یصلین وحدهن الجماعة".(۲)

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ویکره إمامة المرأة النساء فی الصلاة کلها من الفرائض والنوافل إلا فی صلاة الجنازة".(۳)

آپ نے جو صورت تحریر کی ہے، اس میں چوں کہ قرآن کے ضائع ہوجانے اور خواتین کے حفظ کرنے کے بعد پھر بھول جانے کا اندیشہ ہے اور نماز اور قرآن کے لیے ترغیب کا باعث بھی ہوسکتا ہے؛ اس لیے کوئی ایسا مکان ہو، جس میں پردہ کا پورا پورا اہتمام ہو، صرف اس گھر، یا قریب کے گھروں کی عورتیں جمع ہوجائیں، اجنبی اور غیر محرم مردوں کی اس طرف آمد نہ ہو اور بظاہر فتنہ ومعصیت کا اندیشہ نہیں ہو تو نماز پڑھ لی جاسکتی ہے۔ اس صورت میں امام کا طریقہ یہ ہے کہ امام آگے کھڑی ہونے کے بجائے صف کے وسط میں کھڑی ہو۔

"وإن فعلن قامت الإمام وسطهن".(۴)

مستدرک حاکم کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اسی طرح امامت کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔(۵) (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۱۶-۴۱۸)

کیا حافظ قرآن عورت، عورتوں کی تراویح میں امامت کرسکتی ہے:

سوال: عورت اگر حافظ ہو کیا وہ تراویح پڑھا سکتی ہے؟ اور عورت کے تراویح پڑھانے کا کیا طریقہ ہے؟

(۱-۲) الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١٢٣/١

(۳) الفتاوىٰ الهندية: ٨٥/١، نیز دیکھئے: الهداية: ٤٤/١

(۴) الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١٢٣/١

(۵) الدراية فى تخريج أحاديث الهداية، علىٰ هامش الهداية: ١٢٣/١

الجواب ــــــــــــــــــــــ

عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، اگر کرائیں تو امام آگے کھڑی نہ ہو، جیسا کہ امام کا مصلی الگ ہوتا ہے؛ بلکہ صف ہی میں ذرا کو آگے ہو کر کھڑی ہو، (۱) اور عورت تراویح سنائے تو کسی مرد کو (خواہ اس کا محرم ہو) اس کی نماز میں شریک ہونا جائز نہیں۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۹۸/۴)

تراویح میں حافظہ عورت امامت کرسکتی ہے، یا نہیں:

سوال: ایک لڑکی قریب البلوغ حافظہ ہے، عورتیں چاہتی ہیں کہ تراویح پڑھاویں اور ہم لوگ سنیں، مکان ایسا محفوظ ہے کہ جہاں سے کسی مرد کے کان میں آواز نہیں پہونچتی تو کیا وہ تراویح پڑھا سکتی ہے اور عورتیں سن سکتی ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عورتوں کی جماعت مشروع نہیں ہے؛ اس لیے فرض نماز، عورتیں علاحدہ علاحدہ پڑھیں اور تراویح میں حافظہ امامت کرے اور جماعت میں صف ہی میں رہے، اس کا پاؤں صرف اپنی مقتدیوں سے ذرا سا آگے رہے، چوں کہ قرآن کی حفاظت وہ بغیر تراویح پڑھے نہیں کرسکتی؛ اس لیے اس کو تراویح پڑھانے کی گنجائش ہے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۹/۶/۱۳۷۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۱۴/۲-۲۱۵)

حافظہ لڑکی کا خواتین کو تراویح پڑھانا:

سوال: حافظہ لڑکیوں کے قرآن کی حفاظت کے لیے اپنے ہی مکان میں موجودہ خواتین کو جوڑ کر جماعت کے ساتھ تراویح پڑھانے کی شرعاً گنجائش ہے، یا نہیں؟ اگر گھر میں خواتین نہ ہوں تو کیا پڑوسی خواتین بلا اعلان جمع ہو کر اس طرح تراویح پڑھ سکتی ہیں، یا نہیں؟ غالباً مسائل تراویح (ترتیب: مفتی رفعت قاسمی) میں مولانا عبدالحئی صاحب کے حوالہ سے اس کی اجازت دی ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟ (محمد نصیر عالم، جالے، دربھنگہ)

---

(۱) ویکرہ تحریمًا جماعة النساء ولوالتراویح ... فإن فعلن تقف الإمام وسطهن ...إلخ.(التنویر مع شرحه، کتاب الصلاة،باب الإمامة: ۵٦٥/۱،الفتاویٰ الهندیة: ۸۵/۱،حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص: ۳۰٤)

(۲) ولا یجوز إقتداء رجل بإمرأة،هكذا فی الهداية.(الفتاویٰ الهندیة: ۸۵/۱،الباب الخامس فی الإمامة)

(۳) البتہ مکروہ ہے۔[مجاہد]''(و)یکره تحریمًا (جماعة النساء) ولوفی التراویح... (فإن فعلن تقف الإمام وسطهن)فلوتقدّمت أثمت''.(الدر المختارعلیٰ هامش ردالمحتار،باب الإمامة: ۳۰۵/۲-۳۰٦)

(قوله ولو فی التراویح) أفاد أن الكراهة فی كل ما تشرع فيه جماعة الرجال فرضًا أو نفلاً ... (قوله فلو تقدّمت أثمت) أفاد أن وقوفها وسطهن واجب كما صرّح به فی الفتح،وأن الصلاة صحيحة،و أنها إذا توسّطت لا تزول الكراه،وإنما أرشدوا إلى التوسط؛لأنه أقل كراهية من التقدم كما فی السراج.(ردالمحتار ۳۰٦/۲)

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر خواتین اپنی جماعت بنا کر نماز پڑھ لیں تو نماز کے درست ہو جانے پر تو محل جمہور کا اتفاق ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ بڑے محقق، فقیہ اور محدث ہیں، وہ تو اس سلسلہ میں اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں:

"فإنهن لو صلين جماعة جازت بالإجماع". (۱)

مگر اجماع کا دعویٰ محل نظر ہے، مالکیہ کے یہاں خواتین کی جماعت جائز نہیں، (۲) البتہ اس میں شبہ نہیں کہ خواتین کی جماعت کا اہتمام بہتر نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے، اسی اندیشہ کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف مردوں پر جماعت کو واجب قرار دیا اور دوسری طرف عورتوں کے لیے مستحب بھی نہیں رکھا؛ بلکہ فرمایا کہ ان کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے؛ (۳) اس لیے خواتین کے لیے تراویح کی جماعتوں کا اہتمام ایسا عمل نہیں ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

فتنہ کا اندیشہ دو وجوہ سے پیدا ہوتا ہے، ایک تو دور دور سے خواتین کا آنا، دوسرے نماز پڑھانے والی حافظہ کی آواز؛ اس لیے اگر گھر کی خواتین، یا پڑوس کی خواتین ایسے محفوظ گھر میں جمع ہو جائیں، جہاں پردہ کا پورا اہتمام ہو اور دور سے آنا نہ پڑے، نیز امامت کرنے والی حافظہ خاتون قرآن ایسی معتدل آواز میں پڑھے کہ آواز نماز میں شریک ہونے والی خواتین تک محدود رہے، غیر محرموں تک نہ پہنچے، تو اس کی گنجائش ہے، البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے مطابق خواتین امامت کرتے ہوئے صف کے بیچ میں ہی کھڑی ہوں گی، نہ کہ صف کے آگے، چناں چہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رمضان کے مہینہ میں خواتین کی امامت کرتی تھیں اور بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں:

"كانت تؤم النساء في شهر رمضان فتقوم وسطاً". (۴)

یہی رائے میرے استاد حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند کی بھی ہے، چناں چہ اپنے ایک تفصیلی فتویٰ کے اخیر میں فرماتے ہیں:

---

(۱) العناية مع فتح القدير: ۳۰۶/۱

(۲) الخرشي: ۱۴۵/۲

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وصلاتک في دارک خير لک من صلاتک في مسجد قومک، إلخ". (دیکھئے: مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۲۶۵۵۰، بحوالہ جمع الفوائد: ۲۰۴/۱، حدیث نمبر: ۱۲۱۵، باب المساجد)

(۴) كتاب الآثار، رقم الحديث: ۲۱۷، باب المرأة تؤم النساء وكيف تجلس في الصلاة

عن الشعبي قال: تؤم المرأة النساء في صلاة رمضان تقوم معهن في صفهن. (المصنف لإبن أبي شيبة، كتاب الصلاة: من كان يقول: إذا كنت في ماء وطين: ۸۹/۲، رقم الحديث: ۴۹۹۲، انیس

(ب) اگر اتنی بڑی جماعت کی امامت ہو، جس میں آواز معتاد آواز سے زائد ہو تو تمام قیود وشرائط کے باوجود مکروہ تحریمی وناجائز ہوگا۔

(ج) اگر ماہِ رمضان میں حافظ قرآن عورتوں کی چھوٹی جماعت جس میں آواز معتاد کے اندر اندر رہے اور تمام قیود وشرائط کے اندر رہے اور عورت صف سے صرف چار انگل آگے رہے تو "الأمور بمقاصدها" کے تحت یہ فعل جائز رہے گا۔

(د) اگر ماہِ رمضان المبارک میں صرف دو دو، تین تین عورتوں کی جماعت جو محض بہ نیت حفظِ قرآن پاک اور بطور دور ہو اور قیود وشرائط کے موافق ہو اور مکان محفوظ کے اندر ہو، جس میں آواز اپنی معتاد آواز سے زائد نہ رہے تو بلاشبہ جائز رہے گی؛ بلکہ "الأمور بمقاصدها" کے تحت مستحسن بھی ہوسکتی ہے۔ والعلم عند اللہ۔(۱) (کتاب الفتاویٰ: ۳۹۸/۲-۴۰۰)

عورتوں کی جماعت اور عورتوں کا اذان واقامت بلند آواز سے کہنا:

سوال (۱) عورت عورت کی جماعت کرے، یا نہیں؟

(۲) عورت کو نماز میں اقامت بلند آواز سے کہنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عورتوں کی جماعت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے، اگر نماز جماعت سے پڑھیں گی تو وسط صف میں امام کھڑی ہو،(۲) بغیر اذان واقامت وجہر کے نماز پڑھی جائے۔(۳)

وهو سنة للرجال في مكان عال(مؤكدة). (الدر المختار)(قوله: (للرجال) أما النساء فيكره لهن الأذان وكذا الاقامة، لما روى عن أنس وابن عمر من كراهتها لهن، ولأن مبنى حالهن على الستر ورفع صوتهن حرام، إمداد. (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد حفیظ الحسن، ۱۳۴۴/۳/۳ھ

الجواب صواب: محمد عثمان غنی عفی عنہ، الجواب صحیح: محمد نور الحسن، نور الدین عفی عنہ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۴۳/۲)

(۱) مطبوعہ سہ ماہی حراء، شمارہ نمبر: ۱صفحہ نمبر: ۸۳

(۲) عن الشعبي قال: تؤم المرأة النساء في صلاة رمضان تقوم معهن في صفهن. (المصنف لإبن أبي شيبة، كتاب الصلاة: من كان يقول: إذا كنت في ماء وطين: ۸۹/۲، رقم الحديث: ٤٩٩٢، انيس)

ويكره تحريماً (جماعة النساء) ولو في التراويح في غير صلاة جنازة (لأنها لم تشرع مكررة) ... (فإن فعلن تقف الإمام وسطهن) فلو تقدمت أثمت. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۳۰٥/۲-۳۰٦)

(۳) وليس على النساء أذان ولا إقامة فان صلّين بجماعة يصلين بغير أذان وإقامة وإن صلين بهما جازت صلاتهن مع لاساءة (الفتاویٰ الهندية: ٥۳/۱)

(۴) ردالمحتار: ٤۸/۲

عورتیں وتر کی جماعت کریں، یا نہیں:

سوال: وتر کی جماعت عورتیں کریں، یا نہیں؟

الجواب

وتر کی جماعت عورتیں نہ کریں۔

"ویکره تحریماً جماعة النساء ولو فی التراویح،إلخ". (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۹۹-۳۰۰)

مساجد میں خواتین کی تراویح اور سماعت قرآن مجید:

سوال (الف) محلّہ کی مساجد میں نماز تراویح کے لیے مستورات کا جمع ہونا کیا درست ہے؟ جب کہ اس پرفتن دور میں خواتین کا رات کے وقت اپنے گھروں سے نکلنا خطرہ سے خالی نظر نہیں آتا، کیا اسی طرح خواتین کسی ایک گھر میں جمع ہوکہ حافظہ خاتون کے ساتھ نماز تراویح ادا کرسکتی ہیں؟

(ب) کیا صرف خواتین کسی گھر میں جمع ہوکر مرد حافظ کے پیچھے نماز تراویح پڑھ سکتی ہیں؟

(ج) خواتین دن میں کسی جگہ جمع ہوکر مرد حافظ سے تین دن، یا پانچ دن میں مکمل قرآن مجید سن سکتی ہیں؟

(د) کیا کوئی حافظہ لڑکی حفظ کو باقی رکھنے کی غرض سے دن میں اپنے قریبی رشتہ دار خواتین سے جو پاس ہی رہتی ہوں، بغیر کسی اعلان اور اشتہار کے روزانہ پانچ پارے با تجوید مصحف دیکھے بغیر سنانے کا اہتمام کرسکتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر حافظہ لڑکیوں کے لیے حفظ کو باقی رکھنے کی کیا صورت ہوگی؟ (م،ع،غ، واجد، مادنا پیٹ، سعید آباد)

الجواب

(الف-ج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے لیے اسی کو پسند فرمایا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں رہتے ہوئے عبادت کریں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عورت کا اپنے چھوٹے کمرہ میں نماز پڑھنا دالان میں نماز پڑھنے سے اور دالان میں نماز پڑھنا گھر کے احاطہ میں نماز ادا کرنے سے اور گھر کے احاطہ میں نماز ادا کرنا محلّہ کی مسجد میں نماز ادا کرنے سے بہتر ہے"۔ (۲)

---

(۱) الدرالمختار علی الشامی: ۱/۷۲۸

(۲) سنن البیهقی الکبریٰ: ۳/۱۳۱ (عن أم سلمة زوج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: "خیر مساجد النساء أقعر بیوتهن".)

وعن أبی الأحوص عن عبد اللّٰه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: "صلاة المرأة فی بیتها أفضل من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها أفضل من صلاتها فی بیتها". (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الصلاة، باب خیر مساجد النساء قعر بیوتهن: ۴/۲۱۸، مکتب البحوث والدراسات فی دارالفکر بیروت، انیس)

حضرت ام حمید ساعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ ظاہر ہے کہ یہ نماز مسجد اور مسجد نبوی جیسی عالی مرتبت مسجد میں ادا ہوتی اور وہ بھی آپ کی اقتدا میں؛ لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تلقین فرمائی کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھیں، یہ زیادہ بہتر ہے۔(۱)

اسی لیے عام طور پر فقہاءؒ نے لکھا کہ عورتوں کا مسجدوں میں آنا بہتر نہیں۔ یہ رائے صرف حنفیہ کی نہیں؛ بلکہ دوسرے فقہاء کی بھی ہے۔ فقہاء شوافع میں مشہور محدث اور فقیہ امام نوویؒ نے شرح مہذب (۲) میں اور فقہاء حنابلہ میں ابن قدامہ مقدسیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''المغنی'' (۳) میں بھی یہی لکھا ہے؛ اس لیے محلّہ کی مساجد ہوں، یا محلّہ کا کوئی مکان، تراویح پڑھانے والا مرد ہو، یا عورت، یہ اجتماع نماز پڑھنے کے لیے ہو، یا محض قرآن سننے کے لیے، موجودہ حالات میں کراہت سے خالی نہیں کہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔

مسجدوں کو بازار اور دوسرے مواقع پر قیاس نہیں کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اگر ان مقامات پر کوئی ناشائستہ بات پیش آتی ہے تو یہ برائی دنیا کی طرف منسوب ہوتی ہے، اس سے بازار بدنام ہوں گے؛ لیکن وہی بات؛ بلکہ اس سے کمتر درجہ کی بات بھی کسی دینی مرکز پر، یا مسجد میں پیش آئے تو اب یہ برائی دین کی طرف منسوب ہوگی، دینی مراکز بدنام ہوں گے اور دین کے وقار و اعتبار کو نقصان پہنچے گا؛ اس لیے صحیح طریقہ یہی ہے کہ خواتین اپنے گھروں میں نماز پڑھیں اور جب نماز کے لیے باہر نکلنا مناسب نہیں، جب کہ نماز میں جماعت مطلوب ہے تو محض قرآن مجید سننے کے لئے باہر نکلنے کے کیا معنیٰ؟

اصل خوشنودی اور رضا حاصل کرنا ہے نہ کہ اپنے جذبات کی تکمیل اور خواہشات کی تسکین، پس جب شریعت نے خواتین کے لیے یہ رعایت رکھی ہے کہ گھر میں نماز ادا کرنے میں زیادہ اجر و ثواب ہے تو مسجدوں میں اور دوسرے مقامات پر جا کر نماز ادا کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ گھر میں نماز ادا کرنے میں زیادہ اجر و ثواب کا حاصل ہونا یقینی ہے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اور باہر جا کر نماز پڑھنے میں گناہ کا اندیشہ ہے تو یقینی اجر و ثواب کو چھوڑ کر اندیشۂ گناہ مول لینا کیا عقلمندی کی بات ہو سکتی ہے؟

---

(۱)　فتح الباری: ۳۵۰/۲۔ نیز دیکھئے: مسند أحمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۲۶۵۵، بحوالہ جمع الفوائد، حدیث نمبر: ۱۲۱۵۔ محشی

عن عمته أم حميد امرأة أبى حميد الساعدى أنها جائت النبى صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله إنى أحب الصلاة معك، قال: قد علمت إنك تحبين الصلاة معى وصلاتك فى بيتك خير لك من صلاتك فى حجرتك خير من صلاتك فى دارك، إلخ. (فتح البارى، باب انقطاء الناس قيام الإمام: ۳۵۰/۲، انيس)

(۲)　الشرح المهذب: ۱۹۸/٤

(۳)　المغنى: ۱۸/۲

(د) حافظہ خاتون کے لیے حفظ باقی رکھنے کی صورت یہ ہے کہ تلاوت کلام پاک کی کثرت رکھیں، تنہا نماز ادا کرتے ہوئے قرآن مکمل کرلیں اور اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ اپنے ہی گھر کی خواتین کو کسی کمرہ میں اکٹھا کر کے تراویح پڑھا دیں اور قرآن اس طرح پڑھا جائے کہ غیر محرم مردوں تک آواز نہ پہنچے، چوں کہ اس صورت میں فتنہ کا اندیشہ نہیں؛ اس لیے اس کی گنجائش ہے، البتہ اس صورت میں امام کو پہلی صف کے وسط میں کھڑا ہونا چاہیے، نہ کہ نمازیوں سے آگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہی عمل منقول ہے۔(۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۲۴-۴۱۵)

گھر کے اندر تراویح میں محرم وغیر محرم عورتوں کی اقتدا درست ہے، یا نہیں:

سوال: شخصے فرض نماز عشا بجماعت در مسجد در ماہ رمضان ادا نمودہ تراویح ووتر در خانۂ خود می خواند ودر تراویح ختم قرآن می خواند بعض زنان محرمات وے وبعض زنان غیر محرمات در آں خانہ آمدہ زیر اقتدائے آں حافظ تراویح ووتر ادا می نمایند، ایں اقتدا جائز است یا نہ؟ (۲)

الجواب

بوجود زنان محرم کراہت مرتفع می شود۔(۳)

کما یظهر من عبارة الدر المختار: كما تكره إمامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه كأخته أو زوجته أو أمته، أما إذا كان معهن واحد ممن ذكر أو أمهن في المسجد لا يكره. (۴) **وفي ردالمحتار: وأفاد أن المراد بالمحرم ما كان من الرحم.** (۵) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۵۰-۲۵۱)

---

(۱) (ويكره للنساء أن يصلين وحدهن الجماعة) لأنها لا تخلو عن ارتكاب محرم وهو قيام الإمام وسط الصف فيكره كالعراة (فإن فعلن قامت الإمام وسطهن) لأن عائشة رضي الله عنها فعلت كذلك. (الهداية في شرح بداية المبتدي، باب الإمامة: ۱/۱۲۶، ط: کراچی)

(قَوْلُهُ فَإِنْ فَعَلْنَ تَقِفُ الْإِمَامُ وَسَطَهُنَّ كَالْعُرَاةِ) لِأَنَّ عَائِشَةَ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا – فَعَلَتْ كَذَلِكَ. (البحر الرائق، جماعة النساء في الصلاة: ۱/۳۷۳، دار الكتاب الإسلامي بيروت، انیس)

قوله: (ولا يصح اقتداء الرجل بالمرأة) لقوله عليه السلام: ﴿أخروهن من حيث أخرهن الله﴾ فينافي هذا تقديمهن على غيرهن وتجوز إمامتها للنساء، ولكن جماعتهن مكروهة، فإن فعلن: يقف الإمام وسطهن كالعراة. (منحة السلوك، فصل في الجماعة ۱/۱۶۷، وزارة الأوقاف قطر، انيس)

(۲) خلاصۂ سوال: ایک شخص ماہ رمضان میں عشا کی فرض نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کر کے تراویح اور وتر اپنے گھر میں پڑھتا ہے، اور تراویح میں قرآن ختم کرتا ہے، اس کی بعض محرم عورتیں اور کچھ غیر محرم عورتیں اس کے گھر آ کر اس حافظ کی اقتدا میں تراویح اور وتر کی نماز ادا کرتی ہیں تو یہ اقتدا جائز ہے، یا نہیں؟ انیس

(۳) خلاصہ ترجمہ: محرم عورتوں کی موجودگی میں کراہت ختم ہو جاتی ہے۔ انیس

(۴) الدر المختار علی هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۲۹، ظفير

(۵) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۲۹، ظفير

مرد کی اقتدا عورتیں پردہ کے پیچھے کرسکتی ہیں:

سوال: اگر کوئی امام نماز فرض، یا تراویح پڑھاتا ہو اور مستورات کسی پردہ، یا دیوار کے پیچھے فاصلہ سے مقتدی بن کر نماز پڑھیں تو عورتوں کی نماز جائز ہے، یا نہیں؟ اور امام کی نماز میں کچھ خلل تو نہیں آتا؟

الجواب

ان مستورات کی نماز درست ہے۔(۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۲۶۱-۲۶۲)

عورتوں کا تراویح پڑھنے کا طریقہ:

سوال: عورتوں کا تراویح پڑھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ وہ تراویح کس طرح قرآن پاک ختم کریں؟

الجواب

کوئی حافظ محرم ہو تو اس سے گھر پر قرآن کریم سن لیا کریں اور نامحرم ہو تو پس پردہ رہ کر سنا کریں، اگر گھر پر حافظ کا انتظار نہ ہوسکے تو ﴿الم ترکیف﴾ سے تراویح پڑھ لیا کریں۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۱۹۸)

☆ ☆ ☆

(۱) كما تكره إمامة الرجل لهن فى بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه،الخ،أما إذاكان معهن واحد ممن ذكرأومعهن فى المسجد لا يكره.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،باب الإمامة: ١/ ٥٢٩،ظفير)

(۲) (ولا يحضرون الجماعات)لقوله صلى اللّٰه عليه وسلم :"صلاة المرأة فى بيتها أفضل من صلاتها فى حجرتها، وصلاتها فى مخدعها أفضل من صلاتها فى بيتها"،فالأفضل لها ماكان أسترلها،لافرق بين الفرائض وغيرها كالتراويح.(حاشية الطحطاوى علىٰ مراقى الفلاح،ص:١٦٦،فصل فى بيان الأحق بالإمامة، وأيضا فى الشامية: ٥٦٦/١)

تراویح میں لقمہ دینے کے مسائل

بدون سامع قرآن سنانا:

سوال: کیا تراویح میں حافظ کے پیچھے سامع ہونا ضروری ہے؟ بغیر سامع بھی پورا قرآن مجید کا ثواب ملے گا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــ باسم ملھم الصواب

اگر قاری کا حفظ پختہ ہو تو سامع ضروری نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ر شوال ۱۳۹۱ھ (احسن الفتاویٰ: ۳/۵۲۰-۵۲۱)

تراویح میں لقمہ:

سوال: کیا تراویح پڑھتے وقت حافظ صاحب آیت بھول جائیں تو لقمہ دے سکتے ہیں؟　(واحد، آصف نگر)

الجواب ـــــــــــــــ

اگر امام سے قرآن پڑھنے میں بھول ہو جائے تو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے، لقمہ دیتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ امام مزید التباس میں نہ پڑ جائے؛ یعنی اگر امام صحیح طور پر پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو تو اوّلاً اس کو موقعہ دیا جائے، اگر امام نہ پڑھ پائے تو لقمہ دیا جائے، لقمہ کوئی ایک شخص دے اور اس طرح پڑھے کہ امام کو سمجھ میں آ جائے، جو شخص نماز میں شریک نہ ہو اس کو لقمہ نہ دینا چاہیے اور اگر اس نے لقمہ دے ہی دیا اور امام نے قبول کر لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۰۰-۴۰۱)

قرآن دیکھ کر لقمہ دینا مفسد ہے:

سوال: قرآن دیکھ کر لقمہ دینا حافظ کو تراویح میں جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــ باسم ملھم الصواب

قرآن میں دیکھ کر لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو گئی اور امام نے لقمہ لے لیا تو سب کی نماز جاتی رہی۔ (۱)

---

(۱)　وإن فتح غير المصلي على المصلي فأخذ بفتحه تفسد، كذا في منية المصلي. (الهندية: ۹۹/۱، باب في ما يفسد الصلاة)

(۳)　ويفسد ها قرائته من مصحف. (الفتاویٰ الهندية، الباب السابع فيما يفسدها: ۱۰۱/۱، دار الفكر، انيس)

لأنه عمل کثیر وتلقن من الخارج. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴/شوال ۱۳۹۳ھ (احسن الفتاویٰ: ۵۲۴/۳)

کیا شیعہ حافظ جماعت میں مل کر لقمہ دے سکتا ہے:

سوال: اگر تراویح میں امام غلطیاں کرتا ہے اور سامع بھی چوک جاتا ہے اور شیعہ حافظ موجود ہے، اگر وہ نیت کر کے اقتدا میں آکر بتائے تو عند الحنفیہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر شیعہ ایسا ہے کہ نہ تبرّا گو ہے اور نہ منکر صحبت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہے اور نہ قائل قذف صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے تو اس صورت میں لقمہ دینا جائز ہے، اس کے بتلانے سے لقمہ لینے والے کی نماز اور اس کے مقتدیوں کی نماز صحیح ہے، (۲) اور اگر وہ شیعہ غالی ہے، جس میں امور مذکورہ موجود ہوں؛ یعنی تبرائی ہو اور منکر صحبت حضرت خلیفہ اول ہو اور حضرت صدیقہ کے افک کا قائل ہو تو چوں کہ ایسا رافضی مرتد و کافر ہے؛ اس لیے اس کے بتلانے سے اور امام کے لقمہ لینے سے نماز امام کی اور اس کے مقتدیوں کی باطل ہو جاوے گی۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۴۹/۴)

نیت باندھ کر لقمہ دے پھر نیت توڑے، یہ کیسا ہے:

سوال: بعض حافظ دوسرے حافظ کا پڑھنا نماز سے خارج بیٹھے سنا کرتے ہیں، جب وہ بھول جاتا ہے تو یہ جلدی سے صف میں، یا قریب صف کے نیت باندھ کر اس کو بتا دیتے ہیں اور پھر فوراً نیت توڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ بعض ناخدا ترس اسی صورت میں کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ بغیر وضو کے، یا پانی پر قدرت ہوتے ہوئے تیمّم کر کے نیت باندھ کر بتا دیتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں لقمہ دینے والے اور لقمہ لینے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر نیت باندھ کر بتلا دیں گے، تو قاری کی نماز میں کچھ خلل نہ آوے گا؛ (۳) مگر اس کو نیت توڑنے کا گناہ ہوگا اور قضا لازم ہوگی اور جو بے وضو بتلایا، یا باوجود پانی کے تیمّم کر کے بتلایا اور قاری نے لے لیا تو اس کی نماز فاسد ہوئی اور مقتدیوں کی بھی نماز فاسد ہوئی۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۵۸/۴)

---

(۲) وفتحه علیٰ غیر إمامه ...بخلاف فتحه علیٰ إمامه فإنه لایفسد مطلقاً لفاتح وآخذ بکل حال إلا إذا سمعه المؤتم من غیر مصلی ففتح به تفسد صلاۃ الکل. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب ما یفسد الصلاۃ ومایکره فیها: ۵۸۱/۱، ظفیر)

(۳) وإن فتح علیٰ إمامه لم تفسد. (عالمگیری کشوری، الباب السابع فیما یفسد الصلاۃ: ۹۰/۱، ظفیر)

صرف لقمہ دینے کے لیے تراویح میں شرکت:

سوال: جو شخص نماز تراویح میں اس نیت سے شریک ہو کہ امام غلطی کر رہا ہے اس کو بتلا کر علاحدہ ہو جاؤں گا تو اس نیت سے وہ مقتدی ہو گیا یا نہیں؟ اگر امام کو لقمہ دیکر علاحدہ ہو گیا تو امام کی نماز ہوئی، یا نہیں؟ اور شبینہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب

مقتدی ہو گیا اور نماز پوری کرنی اس کے ذمہ لازم ہوگئی، امام تو لقمہ لے لیگا، اسے کیا خبر کہ یہ بتلا کر علاحدہ ہو جاوے گا، نماز امام کی ہوگئی، اس نیت سے شریک ہونا برا ہے، وہ نماز اس کے ذمہ پوری کرنی لازم ہے۔(۱)
شبینہ اگر قرآن شریف کو صحیح اچھی طرح پڑھنے کے ساتھ ہو تو عمدہ ہے؛ لیکن جیسا کہ اس زمانہ میں ہوتا ہے، اکثر سبب معاصی کا ہوتا ہے، ترک کرنا چاہیے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۸۸/۴)

تراویح میں غلط لقمہ دے کر پریشان کرنا:

سوال: بعض پرانے حافظ نئے حافظ کو تراویح میں لقمہ غلط دے کر پریشان کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

یہ بھی انہی اغلوطات میں سے ہے، جن کی ممانعت حدیث شریف میں آئی ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۵۸/۴)

حافظ کو تنگ کرنے کے لیے تراویح کے وقت شور و غل جائز نہیں:

سوال: بعض حافظوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو لڑکا نیا محراب سنانے والا ہوتا ہے، اس کے سنانے کے وقت جا کر اس کو گھبرانے اور بھلانے کے لیے زور سے پاؤں پیٹتے اور کھنکارتے اور کھانستے ہیں، ایسے حافظوں کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب

ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اغلوطات سے منع فرمایا ہے، یعنی جو امور کسی مسلمان کو غلطی میں ڈالیں ان سے احتراز لازم ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۵۶/۴)

بھولنے اور نہ لقمہ لینے والے قاری کا کیا کریں:

سوال: ہماری مسجد میں جو امام صاحب ہیں، وہ عالم دین بھی ہیں اور حافظ اور قاری بھی، جب وہ اس مسجد میں

---

(۱) ومن شرع في نافلة ثم أفسدها قضاها... ولنا أن المؤدى وقع قربة فيلزم الإتمام ضرورة صيانته عن البطلان. (الهداية، باب النوافل: ۱۳۱/۱، ظفير)

(۲-۳) عن معاوية قال: إن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الأغلوطات. (رواه أبو داؤد) (مشكوة، كتاب العلم: ۳۵، ظفير)

تراویح پڑھانے تشریف لائے تو بہت سہو ہوتا تھا، اس کی انہوں نے یہ تاویل کی کہ میں پہلے صرف چند افراد کی امامت کیا کرتا تھا اور یہاں بہت بڑی تعداد نمازیوں کی ہوتی ہے؛ اس لیے (شاید گھبراہٹ میں) بھول ہوتی ہے؛ لیکن اب کم وبیش دس سال امامت وتراویح پڑھاتے ہوئے ہوگئے ہیں، سہو نسبتاً بڑھتا جاتا ہے، اگر کوئی دوسرا حافظ (ان کے مقرر کردہ سامع کے علاوہ) لقمہ دے تو قبول نہیں کرتے، انتظامیہ باوجود شکایت کے اپنے کو اس لیے مجبور پاتی ہے کہ!

(۱)　مکان رہنے کو دیا ہے، جو مسجد کی ملکیت ہے۔

(۲)　شمالی علاقے سے تعلق ہے، انہوں نے اپنے ایک حلقے کو وسعت دے دی ہے، کم از کم اور کسی جھگڑے کے علاوہ مکان خالی نہ ہونے کا خطرہ لازمی محسوس کرتے ہیں، ان حالات میں مقتدی کیا کریں؟ گو اس مسجد میں بالائی منزل پر دوسرے حافظ (کبھی تو آموز حافظ بھی) تراویح پڑھاتے ہیں؛ لیکن ضعیف لوگوں کو اوپر چڑھنا بھی مشکل ہوتا ہے، کیا اب وہ لوگ الم ترکیف سے علاحدہ اپنی تراویح پوری کرسکتے ہیں؟

الجواب

اگر قاری صاحب بہ کثرت بھولتے ہیں، اور پیچھے سے لقمہ بھی نہیں لیتے، تو ان کے بجائے دوسرے آدمی کو مقرر کرنا چاہیے۔(۱) لوگوں کا قرآن سننے سے محروم رہنا افسوس کی بات ہوگی؛ لیکن اگر قاری صاحب کے پیچھے کھڑے ہونے کا تحمل نہی تو اپنی تراویح کرالیا کریں، بہتر ہے کہ ان کے لیے کسی الگ جگہ جماعت کا انتظام کردیا جائے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۹۹/۴)

لیٹے لیٹے تراویح کے وقت گفتگو کرنا:

سوال:　بعض مقتدی ایسا کرتے ہیں کہ جب حافظ تراویح میں دو تین یا اور زیادہ پارے پڑھتا ہے تو یہ صف سے دور نماز سے باہر خاموش بیٹھے، یا لیٹے رہتے ہیں، یا چپکے چپکے گپ شپ کیا کرتے ہیں؛ مگر خاموشی کی حالت میں بھی قرآن شریف سننا ان کا مقصود ہرگز نہیں ہوتا۔ پس ان کو سننے کا ثواب ملے گا، یا کیا اور اس فعل کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

ظاہر ہے کہ بات چیت کرنا ایسے وقت گناہ ہے اور مبطل ثواب ہے اور چپ لیٹے بیٹھے رہنا اگرچہ بہ نیت سننے کے نہ ہو؛ مگر کان میں آواز آتی ہے تو سننے کا ثواب مل جاوے گا۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۵۸/۴-۲۵۹)

---

(۱)　لاینبغی للقوم أن یقدموا فی التراویح الخوشخوان ولکن یقدموا الدرستخوان، إلخ. (الفتاویٰ الهندیة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱٦/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

ویکره الإسراع فی القراءة وفی اداء الأرکان. (أیضا: ۱۱۸/۱، فصل وأما شرائط الأرکان، کتاب الصلاة)

(۲)　یجب الاستماع للقراءة مطلقاً. (الدر المختار) أی فی الصلاة وخارجها. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة: ۲٦۸/۲، مکتبة زکریا دیوبند، ظفیر)

تراویح میں قرأت کے مسائل

نماز تراویح میں قرآن کی سورتوں کی ترتیب کا حکم:

سوال: ایک شخص نماز تراویح کی چار رکعت کی نیت کرتا ہے، اول رکعت میں سورۂ والعصؔر پڑھتا ہے، دوسری میں سورۂ اخلاؔص پڑھتا ہے، تیسری میں سورۂ الہمؔزہ اور چوتھی میں پھر سورۂ اخلاؔص پڑھتا ہے، اس صورت نماز تراویح ہوگی، یانہیں؟ اگر ہوگی تو حوالۂ کتاب اور استدلالِ حدیث کی ضرورت ہے اور اگر نہیں ہوگی تو بھی دلائل کی ضرورت ہے، بہر حال ہر حالت میں ثبوت اور حوالۂ کتاب کی ضرورت ہے، ایسا کرنے والے کو کیا کرنا چاہیے اور اس کے لیے کیا حکم ہے؟ میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ نماز نہیں ہوگی؛ کیوں کہ ترتیبِ قرآن ٹھیک نہیں اور ہر نماز لیے ترتیبِ قرآن کا ہونا ضروری ہے، بہر حال اس مسئلہ کے لیے جو کچھ ضروری ہو، تحریر فرمائیے؟

(۲) ایک شخص دو رکعت نماز تراویح کی نیت کرتا ہے، پہلی رکعت میں سورۂ والعصر پڑھتا ہے، دوسری میں سورۂ الاخلاص، اسی طرح وہ نماز تراویح کی بست رکعتیں ختم کرتا ہے، یا یہ طریقہ جائز ہے، یانہیں؟ دونوں صورتوں کے لیے دلائل کی ضرورت ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

قال فی الخلاصة: رجل یصلی أربع رکعات بتسلیمة وقعد فی الثانیة قد ر التشهد اختلف المشائخ فیه أکثرهم علی أنه یجزی عن تسلیمتین، اھ. (۱/۶۵)

صورتِ مذکورہ میں نماز درست ہو جاوے گی؛ مگر تراویح میں چار رکعتیں ایک سلام سے پڑھنا خلافِ سنت ہے۔

قال فی الخلاصة: وإن قرأفی رکعة سورة وفی رکعة أخریٰ فوق تلک السورة أوفعل ذلک فی رکعة مکروه وإن وقع هٰذا من غیر قصده بأن قرأ فی الرکعة الأولٰی قل أعوذ برب الناس یقر أ فی الرکعة الثانیة هٰذه السورة أیضاً وهٰذه کلها فی الفرائض أما فی النوافل لایکره، اھ. (ص:۱۹۷)

اس سے معلوم ہوا کہ سورتوں کی ترتیب فرائض میں ضروری ہے، غیر ترتیب سے پڑھنے میں کراہت ہوگی؛ لیکن نوافل میں ہر طرح اختیار ہے، گو نوافل میں بھی ترتیب کی رعایت افضل ہے؛ لیکن جو صورت سائل نے لکھی ہے، اس

میں تو کچھ بھی حرج نہیں؛ کیوں کہ نوافل وتراویح کا ہر شفعہ صلوٰۃ مستقلہ ہے اور ہر شفعہ کی قرأت میں الگ الگ رعایت ترتیب کی ہے، گومجموعہ شفعتین میں ترتیب نہ رہی ہو، اس کا مضائقہ نہیں۔

۲۲ر رمضان ۱۳۴۱ھ (امدادالاحکام: ۲/۲۳۵-۲۳۶)

ختم تراویح میں خلاف ترتیب قرأت:

سوال: بعد ختم قرآن حافظ ﴿مفلحون﴾ سے چند آیات دعائیہ وغیرہ پڑھتے ہیں، بروئے احادیث وفقہ جائز ہے، یانہیں؟ ودوگانہ مکمل سمجھا جاتا ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

ایسا کرنا بہتر ہے، اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی۔

"ویکره الفصل بسورة قصيرة، وأن يقرأ منكوساً إلا إذا ختم، فيقرأ من البقرة. (الدرالمختار) قال في شرح المنية: وفي الوالوالجية: من يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ من المعوذتين في الركعة الأولىٰ، يركع، ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة وشئ من سورة البقرة؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "خير الناس الحال المرتحل": أي الختم المفتتح". (ردالمحتار: ۱/ ۵۷۰)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۲۲)

تراویح میں مقدارِقرأت مسنونہ:

سوال: یکم رمضان کو حافظ محراب سنانے کے لیے تیار ہوا۔ ایک مقتدی نے انکار کیا کہ ہم قرآن شریف نہیں سنتے، امام ودیگر مقتدیان نے اسے جواب دیا کہ تم نہیں سنتے، ہم سنیں گے۔ اس پر شخص اول نے کہا کہ چھوٹی ہوئی سورتوں سے پڑھاؤ، شخص معترض توانا وتندرس ہے۔ اس صورت میں شرعاً کیا ارشاد ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

فقہا نے ایسا لکھا ہے کہ افضل اس زمانہ میں اس قدر پڑھنا ہے، تراویح میں کہ مقتدیوں پر بھاری نہ ہو۔ پس شخص مذکور کے قول کو بھی اسی پر حمل کیا جاوے گا کہ مناسب مقتدیوں کے حال کے سورتوں سے تراویح کا پڑھنا ہے، نہ یہ کہ قرآن شریف کے سننے سے انکار ہے؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تراویح میں پورا قرآن ختم نہ کراؤ؛ بلکہ سورتوں سے تراویح پڑھو تو اس میں کچھ قباحت نہیں ہے۔

درمختار میں ہے:

وفي فضائل رمضان للزاهدي: أفتىٰ أبو الفضل الكرماني والوبري أنه إذا قرأ في التراويح الفاتحة

(۱) ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۲/ ۲۶۹، سعيد

و آیة أو آیتین لایکره ومن لم یکن عالماً بأهل زمانه فهو جاهل،إلخ. (۱)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۶۰-۲۶۱)

تراویح کی بعض رکعتیں طویل اور بعض مختصر:

سوال: عام طور پر تراویح میں ختم قرآن کے دن ابتدائی رکعتوں میں قرآن مجید کی زیادہ مقدار پڑھی جاتی ہے اورآخری چار رکعت میں کچھ چھوٹی چھوٹی سورتیں کیا ایسا کرنا بہتر ہے؟ (مصلح الدین،کوہیر)

الجواب

بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ تمام ترویحات میں قرآن برابر پڑھا جائے،البتہ ایک میں زیادہ اور ایک میں کم پڑھنے میں بھی قباحت نہیں، بشرطیکہ مصلیوں کواس سے بوجھ نہ ہوتا ہو۔

''الأفضل تعدیل القراء ة بین التسلیمات فإن خالف فلا بأس به''. (۲)(کتاب الفتاویٰ:۲/۴۰۴)

تراویح میں بعض آیتوں کے بعد بعض کلمات:

سوال: نماز تراویح میں حافظ صاحب بعض سورتوں کے اختتام پر نماز ہی میں بعض الفاظ غیر قرآنیہ عربی میں پڑھتے تھے،مثلاً سورۂ مرسلات کی آخری آیت ﴿فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ﴾ کے بعد آمنا باللّٰہ کہتے تھے۔اس سے نماز فاسد ہوتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

حنفیہ اس قسم کی دعاؤں کو نماز میں پڑھنے کو منع فرماتے ہیں؛لیکن اگر نوافل میں ایسا کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور تراویح بھی فاسد نہ ہوگی۔(۳) فقط(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۷۸)

قرآن اس قدر تیز پڑھنا مناسب نہیں کہ سمجھ میں نہ آوے:

سوال: بعض حافظ تراویح میں ایسا جلدی قرآن شریف پڑھتے ہیں کہ سوائے یعلمون اور تعلمون کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور بعض مقتدی بھی ایسا پڑھنے کو بوجہ جلدی ختم ہوجانے تراویح کے پسند کرتے ہیں۔ان دونوں کا کیا حکم ہے؟

(۱) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل،مبحث التراویح :۱/۶۶۲،ظفیر

(۲) الفتاویٰ الهندیة :۱/۱۱۷

(۳) والمؤتم لایقرأ مطلقاً إلخ بل یستمع إذا جهر وینصت إذا أسر،إلخ، وإن قرأ الإمام آیة ترغیب أو ترهیب وکذا الإمام لایشتغل بغیر القرآن وما ورد حمل علی النفل منفردًا.(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة، فصل فی القراء ة: ۱/۵۰۹،ظفیر)

الجواب

درمختار میں ہے:

ویجتنب المنکرات هذرمة القراء ة وترک تعوذ وتسمیة وطمأنینة،إلخ. (۱)

یعنی ختم قرآن میں منکرات سے احتراز کرے؛ یعنی جلدی پڑھنے سے اور اعوذ وبسم اللہ اور اطمینان کے چھوڑنے سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسا پڑھنا امر منکر ہے جو بجائے ثواب کے سبب معصیت ہوجاتا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۵۷)

حروف کاٹ کر تیز پڑھنے والے حافظ کے پیچھے نماز مکروہ ہے:

سوال: ایسا حافظ جو سال بھر قرآن مجید کی تلاوت نہ کرتا ہو اور حافظ بھی پختہ نہیں ہے، دنیادار ایسا کہ تین چار قسم کا روزگار کئے ہوئے ہے؛ مگر اتنا چاہتا ہے کہ سال بھر میں بذریعہ تراویح قرآن سنادوں، انداز اس کے سنانے کا یہ ہے کہ صاف لفظ نہیں ادا کرتا، کسی لفظ کا کوئی جزو پڑھا اور تیزی میں اس لفظ کا کوئی جزو چھوڑ دیا اور اسی تیزی میں کئی؛ بلکہ آیت، یا دو آیت، یا کئی آیتیں چھوڑ گیا تو ایسے حافظ کے پیچھے نماز تراویح درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

ایسے حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنا مکروہ ہے۔

۲۷/شوال ۱۳۴۰ھ (امداد الاحکام:۲/۲۳۴)

تراویح میں تیز رفتار حافظ کے پیچھے قرآن سننا کیسا ہے:

سوال: سورۂ مزمل کی ایک آیت کے ذریعہ تاکید کی گئی ہے کہ قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھو، ﴿ورتل القرآن ترتیلا﴾ (المزمل:٤) اس کے برعکس تراویح میں حافظ صاحبان اس قدر روانی سے پڑھتے ہیں کہ الفاظ سمجھ میں نہیں آتے، اگر وہ ایسا نہ کریں تو پورا قرآن وقت مقررہ پر ختم نہیں کرسکتے، باپ اور بیٹا دونوں حافظ ہیں، بیٹا باپ سے زیادہ روانی سے پڑھتا ہے، جس پر لوگوں نے باپ کو ''حافظ ریل'' اور بیٹے کو ''حافظ انجن'' کے لقب سے نوازا ہے اور وہ اب اسی نام سے پہچانے جاتے ہیں، کیا تراویح میں اس طرح پڑھنا درست ہے؟

الجواب

تراویح کی نماز میں عام نمازوں کی نسبت ذرا تیز پڑھنے کا معمول تو ہے؛ (۲) مگر ایسا تیز پڑھنا کہ الفاظ صحیح طور پر ادا

(۱) الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار،باب الوتر والنوافل،مبحث التراویح:۲/۴۹۹،مکتبة زکریا دیوبند،ظفیر

(۲) وفی الدر: یقرأ فی الفرض بالترسل حرفًا حرفاً،وفی التروایح بین بین وفی الشامیة (قوله بین بین) أی بأن تکون بین الترسل والإسراع،إلخ.(الدرالمختارمع رد المحتار،فصل القراءة:۲/۲۶۲،مکتبة زکریا دیوبند)

نہ ہوں، اور سننے والوں کو سوائے یعلمون تعلمون کے کچھ سمجھ نہ آئے، حرام ہے، ایسے حافظ کے بجائے ﴿الم ترکیف﴾ سے تراویح پڑھ لینا بہتر ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۸۹/۴)

قرأت مقتدیوں کے حال کے مطابق کی جائے:

سوال: قصبہ سردھنہ میں حفاظ نے متفقہ طور پر ایک کمیٹی قائم کرکے یہ وجہ بتلاتے ہوئے کہ اس سے قرآن شریف پختہ یاد ہو جائے گا، یہ پاس کیا ہے۔ امسال ہم لوگ روزانہ ڈھائی پارہ تراویح میں سناویں اور وہ اس طریقے سے کہ فی مسجد دو حافظ مقرر رہوں اور ہر ایک حافظ ایک ہی سوا پارہ کو دس تراویح میں سنا دے، ہر ایک حافظ کا پڑھنے میں سوا پارہ ہو جائے اور مقتدیوں کے لیے ڈھائی ہو جائیں۔ اگرچہ اکثر مقتدی اپنی ناتوانی کی بنا پر ڈھائی پارہ روزانہ تراویح میں سننے پر راضی نہیں ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو اپنا قرآن شریف یاد کرنا منظور ہے تو اس کی اور صورتیں ہو سکتی ہیں، بارہ مہینے دور کرو، علاوہ تراویح کے نفلوں میں بوقت تہجد کے ایک ایک دو دو کو سناؤ؛ مگر حفاظ ان صورتوں کو نہ مانتے ہوئے اور زبردستی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر تم کو سننا ہے تو ہمارے طے کئے ہوئے کے موافق ڈھائی پارہ ہی سنو، ورنہ ہم نہیں سناتے، ہر چندان کو بہشتی زیور وغیرہ دکھا کر سمجھایا جاتا ہے کہ تمہاری اس صورت میں جماعت کم ہوتی ہے، آدھی مسجدیں بغیر قرآن شریف کے رہ جاتی ہیں، مکروہ نہیں، مانع ایسی صورت میں اگر مقتدی ﴿الم ترکیف﴾ سے تراویح پڑھنا شروع کریں تو کیسا ہے؟ ترک سنت قرآن لازم آتا ہے، یا نہیں؟ اور ثواب میں کمی ہوتی ہے، یا نہیں؟ نیز ان حفاظ میں سے بعض ڈاڑھی منڈاتے ہیں اور بعض پنجگانہ نماز کے پوری طرح پابند نہیں ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ

---

(۱) وشروط الإمامة للرجال الأصحاء ستة أشياء: الإسلام ...والقراءة والسلامة من الأعذار كالرعاف والفأفأة والتمتمة واللثغ، إلخ. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۵۰/۱)

ويكره الإسراع في القراءة. (الفتاویٰ الهندية: ۱۱۷/۱، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، طبع رشيدية)

قال عبدالرحمن بن شبل: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اقرؤا القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا فيه ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به. (مسند الإمام أحمد، حديث عبد الرحمن بن شبل: ۴۴۳/۳، رقم الحديث: ۱۵۷۵۸، انيس)

قال رسول الله صلى الله وعليه وسلم: من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم. (شعب الإيمان للبيهقي، التاسع عشر من شعب الإيمان هو باب في تعظيم القرآن، فصل في ترك قراءة القرآن في المساجد والأسواق لليعطى ويستأكل به، رقم الحديث: ۲۶۲۵، انيس)

وأن القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز و إن الآخذ والمعطي آثمان؛ لأن ذلك يشبه الاستيجار على القراءة ونفس الاستيجار عليها لايجوز فكذا ما أشبهه كما صرح بذلك في عدة كتب من مشاهير كتب المذهب وإنما أفتى المتأخرون بجواز الاستئجار على تعليم القرآن لا على التلاوة. (رد المحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب بطلان الوصية: ۶۸۷/۱، انيس)

جو روپیہ طے کرتے ہیں، ان کی امامت تراویح میں کیسی ہے؟ ان صورتوں میں حفاظ کی ضد مان کر ڈھائی پارہ ہی سنیں، تقلیل جماعت کا خیال نہ کریں، یا جماعت کا خیال کرتے ہوئے ﴿الم ترکیف﴾ سے پڑھ لیں۔

(المستفتی: ۱۲۴۵، امیر الدین صاحب قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ، ۷/رمضان ۱۳۵۵ھ، ۲۳/نومبر ۱۹۳۵ء)

الجواب

حفاظ کی یہ ضد اور مقتدیوں کی مرضی کے خلاف جبراً ڈھائی پارہ پڑھنا اور جماعت کے تفرق اور انتشار کی پرواہ نہ کرنا گناہ کی بات ہے، وہ اس میں یقیناً گناہ کے مرتکب ہوں گے؛ بلکہ مقتدیوں کی رضامندی کے خلاف امامت کرنے والے کے حق میں لعنت کی وعید بھی وارد ہے، اگر ضعیف و ناتواں لوگ اس طرز عمل کے خلاف ﴿الم ترکیف﴾ سے تراویح ادا کرلیں تو ان کے حق میں کوئی کراہت نہ ہوگی۔ ڈاڑھی منڈانے والے اور نماز فرض کے تارک اور پیسے طے کر کے لینے والے حافظوں کی امامت مکروہ ہے،(۱) ان کے پیچھے قرآن سننے سے نہ سننا اور سورت تراویح پڑھ لینا بہتر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/۴۰۱-۴۰۲)

☆ ☆ ☆

(۱) قال فی التنویر: "ویکرہ إمامة عبد وأعرابی وفاسق" إلخ. (باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ط: سعید)

والتنویر مع شرحہ: "ومن أم قوماً وهم له كارهون أن الكراهة لفساد فيه .... كره له ذلك تحريمًا لحديث أبی داؤد: "لا يقبل الله صلاة من تقدم قوماً وهم له كارهون. (سنن أبی داؤد، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم و هم له كارهون: ۱/۸۸، فيصل پبليكيشنز، ديوبند، انيس) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة ۱/۵۵۹، ط: سعيد)

تراویح میں مسبوق کے مسائل

تراویح میں اگر مقتدی کا رکوع چھوٹ گیا تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی:

سوال: تراویح میں امام صاحب نے کہا کہ دوسری رکعت میں سجدہ ہے؛ لیکن دوسری رکعت میں امام نے نہ جانے کس مصلحت کی بنا پر سجدہ کی آیت تلاوت کرنے سے پہلے ہی رکوع کرلیا، جب کہ مقتدی خاص طور پر جو کونوں اور پیچھے کی طرف تھے، وہ دوسری رکعت میں سجدہ کی بنا پر سجدہ میں چلے گئے؛ لیکن جب امام نے "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہا تو وہ حیرت اور پریشانی میں کھڑے ہوئے اور امام "اللّٰہ اکبر" کہتا ہوا سجدہ میں گیا تو مقتدی بھی سجدے میں چلے گئے اور بقیہ نماز ادا کی؛ یعنی امام کی نماز تو درست رہی، جب کہ مقتدیوں کا رکوع چھوٹ گیا اور انہوں نے سلام امام کے ساتھ ہی پھیرا، کیا مقتدیوں کی نماز درست ہوئی؟ اگر نہیں تو اس صورت میں مقتدیوں کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب ______________________

مقتدیوں کو چاہیے تھا کہ وہ اپنا رکوع کر کے امام کے ساتھ سجدے میں شریک ہوجاتے، بہر حال رکوع نماز میں فرض ہے، جب وہ چھوٹ گیا تو نماز نہیں ہوئی، ان حضرات کو چاہیے کہ اپنی دو رکعتیں قضا کرلیں۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۹۳/۴)

چھوٹی ہوئی تراویح کی رکعتیں کب پڑھے:

سوال: ایک آدمی مسجد میں اس وقت داخل ہوا کہ نماز عشا کی فرض ہو چکی تھی اور تراویح میں سے دو چار رکعت

---

(۱) (قوله: ومتابعته لإمامه فى الفروض) أى بأن يأتى بها معه أوبعده، حتٰى لو ركع إمامه ورفع فركع هو بعده، صح بخلاف ما لو ركع قبل إمامه و رفع ثم ركع إمامه ولم يركع ثانياً مع إمامه أو بعده بطلت صلاته، فالمراد بالمتابعة عدم المسابقة ، نعم متابعته لإمامه بمعنى مشاركته له فى الفروض معه، لا قبله ولا بعده، واجبة، إلخ. (ردالمحتار مع الدرالمختار: ۴۵۰/۱، كتاب الصلاة، مطلب الخروج بصنعه، طبع: ايچ ايم سعيد)

واعلم أنه مما يبتنى على لزوم المتابعة فى الأركان أنه (لو رفع الإمام رأسه) من الركوع أو السجود (قبل أن يتم المأموم التسبيحات) الثلاث (وجب متابعته) وكذا عكسه فيعود ولا يصير ذلك ركوعين (بخلاف سلامه) أو قيامه لثالثة قبل تمام المؤتم التشهد فإنه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه ولو لم يتم جاز ولو سلم والمؤتم فى أدعية التشهد تابعه لأنها سنة والناس عنه غافلون. (الدرالمختار، باب صفة الصلاة: ۶۸/۱، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

ہونے کے بعد شامل ہوا تو اب بقیہ تراویح کس طرح پوری کرے؟ آیا جب امام ہر چار رکعت پر بیٹھے، اس وقت موقع پا کر، یا جب امام بیسوں رکعت پوری کر چکے؟ دریں حالت وتر با جماعت پڑھے، یا بقیہ تراویح پوری کرنے کے بعد؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

اگر درمیان میں موقع ملے امام کے ترویحہ میں بیٹھنے کے وقت، اس وقت پڑھ لے، ورنہ امام کے ساتھ وتر باجماعت پڑھ کر پیچھے پوری کرلے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۱/۴-۲۵۲)

تراویح کی چھوٹی ہوئی رکعتیں کب پڑھی جائیں گی:

سوال: تراویح کی اگر چند رکعتیں چھوٹ جائیں تو وہ وتر باجماعت ادا کرنے کے بعد پڑھی جائے، یا قبل؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تراویح کی چھوٹی ہوئی رکعتیں وتر باجماعت ادا کرنے کے بعد پڑھی جائیں، یا اس سے قبل؟ دونوں طرح جائز ہیں۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۷۳/۷/۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۱۸/۲-۲۱۹)

چھٹی ہوئی تراویح وتر بعد پڑھ سکتا ہے:

سوال: زید کہتا ہے کہ جس شخص کی بعض تراویح باقی ہوں، وہ امام کے ساتھ وتر پڑھ سکتا ہے، بعد وتر پڑھنے کے پھر تراویح باقی ماندہ کو پورا کرے۔ عمر کہتا ہے کہ تراویح باقی ماندہ کو پورا کرے، پھر وتر پڑھے، جب تک تراویح پوری نہ ہوں، وتروں میں امام کے ساتھ شریک نہ ہو۔ درمختار وغیرہ میں وقت تراویح بعد العشاء بیان کیا ہے، خواہ قبل وتر ہو، خواہ بعد وتر۔ شارح ہدایہ نے اسی قول کی تصدیق کی ہے، شامی میں بھی اسی قول کی تصدیق ہے۔ تحقیق مسئلہ کیا ہے؟

---

(۱) وإذا فاتته ترويحة أوترويحتان فلواشتغل بها يفوته الوتربالجماعة يشتغل بالوترثم يصلي مافاته من التراويح وبه كان يفتي الشيخ الإمام الأستاذ ظهير الدين، كذا في الخلاصة. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح : ١١٧/١، ظفير)

(۲) البتہ پہلی صورت بہتر ہے۔ [مجاہد]

(ووقتها بعد صلاة العشاء) إلى الفجر (قبل الوتروبعده) في الأصح، فلوفاته بعضها وقام الإمام إلى الوتر أوتر معه ثم صلّى ما فاته". (الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ٤٩٤/٢-٣٩٤)

"فقوله أوتر معه أي على وجه الأفضلية". (ردالمحتار ٤٩٤/٢)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

درمختار میں ہے:

"فلو فاته بعضها وقام الإمام إلى الوتر أوتر معه ثم صلى ما فاته". (۱)

یعنی اگر بعض تراویح اس کی رہ گئی اور امام وتر کے لیے کھڑا ہوا تو وتر امام کے ساتھ پڑھ لیوے، بعد وتر کے باقی تراویح پوری کر لے۔

اور نیز درمختار میں ہے:

"ووقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتر وبعده في الأصح". (۲)

اس کا حاصل یہ ہے کہ وقت تراویح کا نماز عشا کے بعد ہے فجر تک، وتر سے پہلے اور پیچھے اصح مذہب میں، پس جب کہ اصح ہونا اس کا معلوم ہوا تو اب جائے تردد کچھ نہیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۶۰/۴)

جس کی تراویح رہ گئی ہو، وہ پہلے وتر جماعت سے پڑھ لے، پھر تراویح پڑھے:

سوال: شخصے کہ از بعض تراویح فوت شدہ بود و در بعض آں اقتدا با امام کرد چوں امام برائے خواندن وتر برخاست شخص مذکور را بناء بر مذہب حنفی چہ حکم است آیا اولاً وتر بدیں امام برخواند و بعد ازاں تراویح فائتہ را، یا نخستیں تراویح متروکہ بخواند و بعد ازاں وتر را تنہا ادا نماید ازیں دو صورت اولیٰ و افضل کدام است؟ (۳)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

جواب اصل سوال ایں است کہ بصورت مذکورہ شخص مذکور اولاً وتر بجماعت گذارد و بعد ازاں تراویح باقیماندہ ادا نماید۔ (۴)

لكي تحصل له فضيلة جماعة الوتر في رمضان كما رجحه الكمال وعليه عملنا وعمل مشائخنا. وقال في رد المحتار في شرح قول الدر المختار: وهل الأفضل في الوتر الجماعة أم المنزل. (الدر

---

(۱) الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، مبحث التراويح، باب الوتر والنوافل: ۶۵۹/۱، ظفير

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۴۹۳/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) خلاصۂ سوال: ایک شخص کی تراویح کی بعض رکعات چھوٹ گئیں اور بقیہ رکعات میں اس نے امام کی اقتدا کی، جب امام وتر پڑھنے کے لیے اٹھے تو مذکورہ شخص کو مذہب حنفی کے مطابق کیا کرنا چاہیے؟ آیا وہ وتر اس امام کے ساتھ پڑھے اور چھوٹی ہوئی تراویح کو بعد میں پڑھے، یا پہلے چھوٹی ہوئی تراویح کو پڑھے اور اس کے بعد وتر تنہا ادا کرے؟ ان دونوں صورتوں میں سے اولیٰ و افضل کون سا ہے؟ انیس

(۴) خلاصۂ جواب: اس سوال کا اصل جواب یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں وہ شخص پہلے وتر جماعت سے پڑھے، پھر بعد میں باقی ماندہ تراویح ادا کرے۔ انیس

المختار) قوله: (تصحيحان) رجح الكمال الجماعة بأنه صلى الله عليه وسلم كان أوتر بهم ثم بين العذر في تأخره مثل ما صنع في التراويح فالوتر كالتراويح فكما أن الجماعة فيها سنة فكذلك الوتر، بحر، وفي شرح المنية: والصحيح أن الجماعة فيها أفضل، الخ. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۷۰)

فرض پڑھے بغیر وتر کی جماعت میں شرکت صحیح نہیں:

سوال: زید ایسے وقت آیا کہ وتر کی جماعت کھڑی تھی تو کیا زید وضوکر کے وتر میں شامل ہوجائے، یا عشا کی نماز اور تراویح ادا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــ باسم ملهم الصواب

پہلے فرض پڑھے اس کے بعد وتر کی جماعت مل جائے تو شریک ہوجائے، اس کے بعد تراویح پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳/شوال ۱۳۸۷ھ (احسن الفتاویٰ: ۳/۵۱۷-۵۱۸)

جماعت کے ساتھ وتر پڑھ کر تراویح کے بقیہ رکعات کو مکمل کرنے کا حکم:

سوال: تراویح کی جماعت قائم ہوئی، چار یا چھ رکعت گزرنے کے بعد ایک شخص آیا اور فرض پڑھ کر امام کے ساتھ جماعت تراویح میں داخل ہوگیا، جب امام کی نماز تمام ہوجائے گی تو وہ شخص امام کے ساتھ وتر کی جماعت میں شامل ہوگا، یا اپنی مافات کو ادا کرے گا؟

الجواب ـــــــــــ

في الهندية: وإذا فاتته ترويحة أو ترويحتان فلو اشتغل بهايفوته الوتر بالجماعة يشتغل بالوتر ثم يصلي ما فاته من التراويح، وبه كان يفتي الشيخ الإمام الأستاذ ظهير الدين، كذا في الخلاصة. (۱/۱۷۵) (۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ شخص وتر میں شریک ہوجاوے، پھر بقیہ تراویح پڑھ لے۔

یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ: ٦) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۹٦)

رہی ہوئی تراویح وتر کے بعد:

سوال: جس شخص کی تراویح کی نماز دو چار رکعت رہ گئی، وہ امام کے ہمراہ باجماعت وتر پڑھ لے اور اس کے بعد باقی تراویح نماز پڑھ لے تو یہ درست ہے، یا نہیں؟

---

(۱) رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، مبحث التراويح، قبيل باب إدراك الفريضة: ۱/٦٦٤-٦٦٥، ظفير

(۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اگر دو چار رکعت تراویح باقی رہ گئی اور وتر کی جماعت میں شرکت کر کے وتر کے بعد رہی ہوئی تراویح پڑھ لے، تب بھی درست ہے۔ (کذا فی الهندية)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۷/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۷۰)

پہلے تراویح کی چھوٹی ہوئی رکعتیں ادا کرے، یا وتر با جماعت:

سوال: اگر کسی کی تراویح کی چند رکعتیں چھوٹ جائیں تو اسے پہلے یہ رکعتیں ادا کرنی چاہئیں، یا وتر کی جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے؟ (عبد المتین، سدی پیٹ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

ایسی صورت میں بہتر ہے کہ پہلے وتر جماعت کے ساتھ پڑھ لے، پھر تراویح کی چھوٹی ہوئی رکعتیں ادا کر لے۔

”وإذا فاتته ترويحة أوترويحتان فلو اشتغل بها يفوته الوتر بالجماعة، يشتغل بالوتر، ثم يصلي ما فاته من التراويح“. (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۰۳-۴۰۴)

رہی ہوئی تراویح کی نماز جماعت سے ادا کرنا:

سوال: اگر تراویح کی جماعت ہوگئی اور کچھ آدمی رہ گئے تو وہ لوگ مسجد کے علاوہ دوسری جگہ جماعت سے تراویح کی نماز پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

جی ہاں! پڑھ سکتے ہیں، یہ جماعت ثانیہ نہیں جس کو منع کیا جائے۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۸/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۶۹-۲۷۰)

---

(۱) وإذا فاتته ترويحة أوترويحتان، فلو اشتغل بها يفوته الوتر بالجماعة، يشتغل بالوتر، ثم يصلي ما فاته من التراويح، وبه كان يفتي الشيخ الإمام الأستاذ ظهير الدين“. (الفتاوىٰ الهندية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۷، رشيدية)

(۲) الفتاوىٰ الهندية: ۱/۱۱۷

(۳) قال العلامة الحلبي: ”وإن صلى في بيته بالجماعة لم ينالوا فضل الجماعة في المسجد، وهكذا في المكتوبات): أي الفرائض لو صلى جماعة في البيت على هيئة الجماعة في المسجد نالوا فضيلة الجماعة وهي المضاعفة بسبع وعشرين درجة، لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة في المسجد“. (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۲، سهيل اكادمي لاهور)

تراویح کی سولہ رکعت پڑھی اور بقیہ چار رکعت تہجد کے وقت تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر حافظ نے تراویح میں ۱۶؍رکعت پڑھی اور چار رکعت اس وقت نہ پڑھی کہ کوئی اور پڑھا دیتا ہو، تو اگر حافظ چار رکعت تہجد میں جماعت سے پڑھادے تو جائز ہے، یا نہیں کہ خود تراویح کی نیت کرے اور بقیہ مقتدی تہجد کی، یا وہ بھی بقیہ چار رکعتیں تراویح کی نیت سے پڑھیں تو یہ فعل جائز ہے، یا نہیں؟ خصوصاً جب کہ تداعی کے ساتھ اجتماع کیا جاتا ہو؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

تراویح اگر چار رکعت چھوڑ دی اور آخر شب میں اس کی جماعت کر لی تو درست ہے،(۱) اور سوائے تراویح کے دیگر نوافل کی جماعت بتداعی؛ یعنی تین چار آدمیوں سے زیادہ کی جماعت درست نہیں ہے، مکروہ ہے۔ اسی طرح تہجد کی جماعت بھی مکروہ ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۸۴)

مقتدیوں کو آٹھ رکعات پڑھانے کے بعد امام کا اپنی تراویح پوری کرنا:

سوال: ایک امام پہلے اہل حدیث کو تراویح آٹھ رکعت پڑھا کر وتر پڑھا دیتا ہے، اس کے بعد بارہ رکعت اپنی علاحدہ پوری کر لیتا ہے، ایسا کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

تراویح ان کو آٹھ رکعت پڑھ کر بقیہ بارہ رکعت خود پڑھ لینے میں مضائقہ نہیں۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۴/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۴/۱۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۶۶)

---

(۱) ووقتها (أی صلاة التراويح) بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتر وبعده فی الأصح، إلخ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، مبحث صلاة التراويح: ۱/۶۵۹، ظفير)/الإختيار لتعليل المختار، باب صلاة التراويح: ۱/۶۹، مطبعة الحلبی، انيس)

(۲) ولا يصلى الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أی يكره ذلک علىٰ سبيل التداعی بأن يقتدی أربعة بواحد، إلخ. (الدر المختار، باب الوتر والنوافل بعد مبحث التراويح: ۱/۶۶۳، ظفير)

(قَوْلُهُ: وَلَا يُصَلِّى الْوِتْرَ فِی جَمَاعَةٍ فِی غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ) لِأَنَّهُ لَمْ يَفْعَلْهُ الصَّحَابَةُ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُمْ بِجَمَاعَةٍ فِی غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ وَأَمَّا فِی رَمَضَانَ فَهِیَ بِجَمَاعَةٍ أَفْضَلُ مِنْ أَدَائِهَا فِی مَنْزِلِهِ؛ لِأَنَّ عُمَرَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَؤُمُّهُمْ فِی الْوِتْرِ وَفِی النَّوَافِلِ يَجُوزُ الْوِتْرُ بِجَمَاعَةٍ فِی غَيْرِ رَمَضَانَ وَمَعْنَى قَوْلِ الشَّيْخِ وَلَا يُصَلِّى الْوِتْرَ فِی جَمَاعَةٍ يَعْنِی بِهِ الْكَرَاهَةَ لَا نَفْیَ الْجَوَازِ. وَفِی الْيَنَابِيعِ إذَا صَلَّى الْوِتْرَ مَعَ الْإِمَامِ فِی غَيْرِ رَمَضَانَ يُجْزِئُهُ وَلَا يُسْتَحَبُّ ذَلِکَ وَاَللَّهُ أَعْلَمُ. (الجوهرة النيرة، باب قيام شهر رمضان: ۱/۹۹، المطبعة الخيرية، انيس)

(۳) (ووقتها بعد صلاة العشاء) إلىٰ الفجر (قبل الوتر وبعده) فی الأصح، فلو فاته بعضها وقام الإمام إلىٰ الوتر، أوتر معه، ثم صلىٰ ما فاته. (رد المحتار مع الدر المختار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۴، سعيد)

بہشتی گوہر کے ایک مسئلہ متعلق تقدیم وتر علی التراویح پر شبہ کا جواب:

سوال: بہشتی گوہر، ص ۳۹ میں تراویح کا بیان مطالعہ کررہا تھا، وقت تراویح کے متعلق یہ عبارت دیکھی گئی کہ وتر کے بعد تراویح کا پڑھنا بہتر ہے، اگر پہلے پڑھ لے، تب بھی درست ہے۔ (مراقی الفلاح ص: ۲۴۰)

اس سے مجھے شبہ پیدا ہوا؛ اس لیے کہ میرے علم میں اس کے برعکس ہے؛ یعنی وتر کا پہلے تراویح سے پڑھنا بہتر ہے، اگر بعد کو پڑھے، تب بھی درست ہے؛ لیکن چوں کہ حوالہ موجود تھا، خیال ہوا ممکن ہے کہ میری ہی معلومات غلط ہوں، دفع شبہ کے لیے مراقی الفلاح نکالی گئی، اس میں یہ عبارت ملی ہے کہ!

(وقتها) ما (بعد صلاة العشاء) على الصحيح إلى طلوع الفجر (و) لتبعيتها للعشاء (يصح تقديم الوتر على التراويح وتأخيره عنها) وهو أفضل، الخ. (۱)

پھر حاشیۂ طحطاوی لکھتے ہیں کہ!

(وقوله ويصحّ تقديم الوتر على التراويح، الخ) وقيل وقتها بعد العشاء وقبل الوتر وبه قال عامة مشايخ بخارى. (۲)

اس سے میری معلومات کی تائید ہوتی ہے؛ تاہم چوں کہ میں ایک ادنیٰ طالب العلم ہوں کہ ارجاع ضمیر میں غلطی ہو، بنابریں آپ سے درخواست ہے کہ مراقی الفلاح کی عبارت کا وہی مطلب ہے، جو بہشتی گوہر میں مندرج ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو معلوم کروں گا کہ یہ کاتب ہی غلطی ہے، صحیح کرلیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ) اور اگر بہشتی گوہر کی عبارت کی تائید کرتا ہوں تو اپنے کو اس شبہ سے بچالوں گا۔

الجواب

بہشتی گوہر کا مسئلہ درست ہے۔ مراقی الفلاح میں "**وهو أفضل**" کا مرجع "**تاخيره عنها**" ہے اور طحطاوی میں قول مشائخ بخاری بعد العشاء وقبل الوتر کو قیل سے تعبیر کرنا خود اس کے ضعف کی علامت ہے۔ فافہم

۲۷/رجب ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۴۸-۲۴۹)

☆ ☆ ☆

(۱-۲)　مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في صلاة التراويح، ص: ٤٣١، دار الكتاب، ديوبند، انيس

دوران قرأت چند آیتوں کا چھوٹ جانا

تراویح میں بعض آیتیں سہواً چھوٹ جائیں اور امام اسے کسی دن پڑھ دے تو جائز ہے، یا نہیں:

سوال: تراویح میں امام کا بعض آیت سہواً چھوڑ دینا اور دوسرے تیسرے دن ان آیات کو متفرق طور سے یکے بعد دیگرے پڑھ دینا جائز ہے، یا نہیں؟ اور پورے ختم کا ثواب بلا کراہت ہوگا، یا مع الکراہت؟ ایک عالم کہتے ہیں کہ پڑھنے والے اور سننے والے کو اگر چہ ثواب ختم کامل جائے گا؛ مگر گناہ بھی ہوگا؛ کیوں کہ سورۂ مائدہ کی آیتیں سورۂ توبہ کے ساتھ پڑھی گئیں۔ یہ کہنا ان کا صحیح ہے، یا غلط؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

پورے ختم کا ثواب ہو جائے گا اور جبکہ فراموشی سے ایسا ہوا ہے تو اس میں کچھ گناہ اور کراہت نہیں ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۹۳/۴-۲۹۴)

نماز تراویح میں صرف بھولی ہوئی آیات کو دہرانا بھی جائز ہے:

سوال: تراویح میں تلاوت کرتے کرتے اگر حافظ صاحب آگے نکل جائیں اور بعد میں معلوم ہو کہ بیچ مین کچھ آیتیں رہ گئی ہیں تو کیا ایسی صورت میں تلاوت کیا گیا پورا کلام پاک دہرائے، یا صرف چھوٹی ہوئی اور غلط پڑھی گئی آیتیں دہرائے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

پورا لوٹانا افضل ہے، صرف اتنی آیتوں کا بھی پڑھ لینا جائز ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۹۱/۴)

---

(۱) وإذا غلط فی القراء ۃ فی التراویح فترک سورۃ أو آیۃ وقرأ ما بعدها فالمستحب له أن یقرأ المتروکة ثم المقرواء ۃ لیکون علی الترتیب، کذا فی فتاویٰ قاضی خان. (الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاۃ، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱۸/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس، ظفیر)

(۲) وإذا غلط فی القراء ۃ فی التراویح فترک سورۃ أو آیۃ وقرأ ما بعد ها فالمستحب له أن یقرأ المتروکة ثم المقروء ۃ لیکون علی الترتیب کذا فی فتاویٰ قاضیخان. (الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاۃ، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱۸/۱، أیضا فی حلبی کبیر، ص: ۴۰۷)

چھوٹی ہوئی آیتوں کو تراویح میں کہاں دہرائے:

سوال: ہمارے ملک میں حافظ عام طور سے جاہل ہیں، وہ ایسا کرتے ہیں کہ تراویح میں قرآن شریف پڑھتے ہیں اور سہواً درمیان سے دو تین آیتیں چھوٹ گئیں، یا ضمہ، فتحہ، کسرہ چھوٹ گیا تو دوسری رکعت یا دوگانہ میں ان چھوٹی ہوئی آیتوں کو پھر پڑھتے ہیں؛ لیکن جس دوگانہ میں یہ آیتیں چھوٹ گئی تھیں، اس کا اعادہ نہیں کرتے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیات کے چھوٹ جانے سے تغیر معنی کے سبب فساد نماز لازم آتا ہے تو اعادہ نماز کا لازم ہے، یا نہیں؟ یا تغیر معنی کی خبر نہ ہونے کی وجہ سے اعادہ لازم نہیں آتا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر قرأت کی غلطی کسی ایسے دوگانہ میں موقع پر آئی ہو، جو فساد صلوٰۃ کا موجب ہو تو اس دوگانہ کا اعادہ ضروری ہے اور اگر ایسی غلطی ہے، جو مفسد صلوٰۃ نہ ہو تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ نماز ہو جاتی ہے۔ پس درمیان میں آیات کے چھوٹنے، یا ضمہ فتحہ کسرہ کی غلطی کرنے میں بھی یہی حکم ہے۔ مثلاً چند آیات کے درمیان میں چھوٹ جانے سے تغیر معنی نہیں ہوا تو وہ دوگانہ صحیح ہو گیا، صرف ختم قرآن کیلئے دوسرے دوگانہ میں ان آیات کا اعادہ کرلیا جائے، یہ کافی ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۹۷/۴-۲۹۸)

تراویح میں آیت بھول جائے تو اعادہ کس طرح کرے:

سوال: تراویح میں امام دوسری رکعت میں جو رکوع پڑھ رہا تھا، اس میں بھول گیا تو کیا جہاں سے بھولا ہے، وہیں سے لوٹا دے، یا نماز توڑ دے؟ اور اگر دو آیت پیچھے کی پہلے پڑھ گیا ہے تو پھر نماز کس طرح درست کرے؟ اور جیسا کہ فرض نماز میں پہلی رکعت میں قرأت طویل اور دوسری میں کم کرتے ہیں، اسی طرح تراویح میں بھی کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جہاں سے بھولا ہے وہیں سے لوٹاوے اور اگر یاد نہ آوے اور لوٹا نہ سکے تو پھر اگر تین آیت کی مقدار پڑھ چکا ہے تو رکوع کرلے اور نماز تمام کرے اور اگر تین آیت کی مقدار نہیں پڑھا ہے تو کوئی چھوٹی سورہ پڑھ کر رکوع کرے۔ قصداً ایک رکعت میں بہت طویل قرأت اور دوسری میں بہت کم نہیں کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۵۲/۸/۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۱۶/۲)

---

(۱) وإذا غلط فی القراء ۃ فی التراویح فترک سورۃً أو آیۃً وقرأ مابعدھا فالمستحب لہ أن یقرأ المتروکۃ ثم المقروأۃ لیکون علی الترتیب، کذا فی قاضی خان، وإذا فسد الشفع وقد قرأ فیہ لایعتدُّ بما قرأ فیہ و یعید القراء ۃ لیحصل لہ الختم فی الصلاۃ الجائزۃ،الخ.(فتاویٰ عالمگیری مصری: ۱۱۰/۱)(کتاب الصلاۃ،الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱۸/۱،مکتبۃ زکریا دیوبند،انیس)

تراویح میں چھوٹا ہوا قرآن پورا کرنے کی ترکیب:

سوال: کسی شخص کی تراویح دو چار یوم چھوٹ جائے، جس میں قرآن پڑھا جاتا ہو تو کس طرح ترکیب سے پڑھے کہ ترتیب قائم رہے؛ کیوں کہ جس حافظ کے پیچھے وہ پڑھ رہا ہے، اس کے دوبارہ تراویح پڑھانے میں اس کا قرآن پڑھنا نفل ہوگا اور مقتدی کا سنت، اور کسی ایسے حافظ کے پیچھے پڑھے، جس حافظ نے محراب میں کہیں سنایا، یا سنا ہو، یا کسی حافظ کے پیچھے خواہ امام تراویح جس کے پیچھے سن رہا ہو، وہ حافظ تراویح اپنے ذمہ اتنے پارے قرآن سنانے کی نذر مانے کہ مجھ کو اتنے پارے سنانا ہے نذراً اپنے ذمہ کی اور بعد نذر ماننے کے اتنے پارہ سنانا اس مقتدی پر واجب ہو جائے گا، جیسا کہ فتاویٰ عبدالحئ میں ہے، یا اور کوئی طریقہ جس سے ترتیب سننے و پڑھنے والے کی قائم رہے؟ تحریر کیجئے۔

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

اپنے امام سے کہے کہ وہ کسی شب سولہ تراویح پڑھائے، ان میں جس قدر ہمیشہ بیس میں پڑھتا تھا اتنا پڑھے اور بقیہ چار رکعت میں کوئی اور شخص چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا دے، وہ شخص اور امام جس نے سولہ پڑھائی ہیں، ان میں چار نفل کی نیت کرے، پھر یہ امام چار رکعت تراویح اس شخص کو پڑھائے، جس کا کچھ قرآن کریم چھوٹ گیا ہے اور ان میں وہ چھوٹا ہوا قرآن شریف پڑھ دے، اس طرح ہر روز کی تراویح میں بھی نقصان نہ ہوگا اور قرآن کریم بھی تراویح میں پورا ہو جائے گا۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۱۳۶۱ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۱۳۶۱ھ۔ صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ذی قعدہ/۱۳۶۱ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۱۸/۷-۳۱۹)

☆ ☆ ☆

(۱) وإذا غلط في القراءة في التراويح، فترك سورة او آية، وقرأماها، فالمستحب له أن يقرأ المتروكة، ثم المقروءة، ليكون على الترتيب. (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصوم، فصل في مقدار القراءة في التراويح: ۲۳۸/۱، رشيدية)

تراویح میں سہو کے مسائل

چار رکعت تراویح جس میں قعدۂ اولیٰ نہیں کیا:

سوال: اگر امام صلوٰۃ تراویح میں تیسری رکعت کے واسطے کھڑا ہوگیا اور چاروں رکعت پوری کرلی؛ لیکن دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا تھا، ایسی صورت میں سجدۂ سہو کرنے سے دو رکعت ہوں گی، یا چار؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

درمختار و شامی بیان تراویح میں اس کی تصریح ہے کہ ایسی صورت میں دو رکعت تراویح ہوتی ہیں۔

"فلو فعلها بتسليمة فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة وإلا نابت عن شفع واحد، به يفتىٰ". (الدر المختار)

(قوله به يفتىٰ): لم أر من صرح بهٰذا اللفظ هنا وإنما صرح به في النهر عن الزاهدي فيما لو صلى أربعاً بتسليمة واحدة وقعدة واحدة، الخ. (ردالمحتار: ٤٧٤) (١) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۶۲/۴)

چار رکعت تراویح کی نیت باندھی اور چوتھی رکعت پر بیٹھنا یاد نہ رہا تو اس کو کیا کرنا چاہیے:

سوال: اگر تراویح چار رکعت شروع کی جاویں اور چوتھی رکعت پر بیٹھنا یاد نہ رہے تو اب کیا صورت کی جاوے گی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

تراویح دو دو رکعت ہی سنت ہے، اس کے خلاف کرنا اور چار چار رکعت پڑھنا مکروہ ہے اور جو شخص چار چار پڑھتا ہو، وہ اگر چوتھی رکعت پر بیٹھنا بھول جائے تو اس کو پانچویں کے سجدہ کے پہلے قعدہ کی طرف لوٹ آنا اور سجدہ سہو کرلینا چاہیے اور قعدہ کرکے کھڑا ہوا ہو تو چھ رکعت پوری کرکے سلام پھیر دے۔

قال في مراقي الفلاح: وهي عشرون ركعة بعشر تسليمات ... يسلم علىٰ رأس ركعتين فإذا وصلها وجلس علىٰ كل شفع فالأصح أنه تعمد ذلك كره وصحت وأجزأته عن كلها، آه. (ص: ٢٤٠) (٢)

۱۲ر رمضان ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام: ۲۷۰/۲)

(١) رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث التراويح: ٦٦٠/١-٦٦١، ظفير

(٢) مراقي الفلاح، مع حاشية الطحطاوي، فصل في صلاة التراويح، ص: ٤١٤، دار الكتاب ديوبند، انيس

چار رکعت تراویح بغیر قعدۂ اولیٰ کے پڑھنا:

جناب حضرت مولانا مفتی صاحب مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور　　ادام اللہ فیوضکم وبرکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد ازاں عرض ہے کہ مندرجہ ذیل مسائل میں احناف کا مفتیٰ بہ قول نقل فرما کر جوابات سے مشرف فرمادیں:

سوال: دو رکعت تراویح کی نیت باندھی؛ مگر ''التحیات'' کے واسطے دو رکعت کے بعد امام نہیں بیٹھا، تیسری کے بعد بیٹھنے لگا تو مقتدی نے تکبیر کہہ کر اٹھا دیا، پھر چوتھی کے بعد سلام پھیر دیا اور سجدہ سہو نہیں کیا، اس صورت میں یہ امور دریافت طلب ہیں:

(۱) دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھی گئیں؛ بلکہ یہ کہنا مناسب ہے کہ امام نے تو دو ہی پوری کیں؛ مگر ہوگئیں چار، یہ چار ہوئیں، یا دو باطل ہوگئیں؟ اور اگر باطل ہوگئیں تو قضا دو کی آئے گی، یا چار کی؟

(۲) اس صورت مذکورہ میں سجدہ سہو آوے گا، یا نہیں؟ اگر آوے گا تو اس کی وجہ بیان فرمائی جائے۔

(۳) اس صورت مذکورہ میں جو قرآن شریف پڑھا گیا، اس کو لوٹایا جائے گا، یا نہیں؟

(۴) صورت مذکورہ میں دوسرے شفعہ کی نیت نہیں کی، امام نے تیسری رکعت کو پہلی سمجھا جب کہ مقتدیوں نے تکبیر کہہ کر اٹھا دیا، اگر اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں نے چار پڑھی اور بیچ کی التحیات نہیں پڑھی تو سجدۂ سہو کرتا۔ کیا بلانیت نماز ہوجاتی ہے، یا بلانیت کے بنا کرنا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو بنائے صحیح فاسد پر لازم آوے گی، یا نہیں؟

(۵) دیوبند کے اشتہار میں لکھا ہے کہ تراویح میں دو کے بعد بیٹھنا بھول گیا اور چار پڑھ کر سلام پھیرا تو ان کو دو شمار کیا جائے، اس کی کیا صورت ہے؟ اور صورت بالا میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ بینوا توجروا۔ فقط　　(میر سید جگادری)

الجواب ــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

(۱) ''وأرادو بالعشرين أن تكون بعشر تسليمات، كماهو المتوارث علىٰ رأس كل ركعتين، فلو صلىٰ الإمام أربعاً بتسليمة ولم يقعد فى الثانية، فأظهر الروايتين عن أبى حنيفة وأبى يوسف عدم الفساد، ثم اختلفوا هل تنوب عن تسليمة أو تسليمتين؟ قال أبو الليث: تنوب عن تسليمتين، و قال أبو جعفر وابن الفضل: تنوب عن واحدة، وهو الصحيح، كذا فى الظهيرية، والخانية، وفى المجتبىٰ: وعليه الفتوىٰ ولو قعد علىٰ رأس الركعتين فالصحيح أنه يجوز عن تسليمتين، وهو قول العامة''. (البحر الرائق: ۶۷/۲)(۱)

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱۱۷/۲-۱۱۸، رشيدية

(قوله:ثم اختلفوا،إلخ)قال الرملی:أقول:علی القولین یجب سجود السهو،فتأمل.(منحة الخالق)(۱)

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے،اظہر روایت شیخین کی یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوئی اور مفتی بہ قول کے مطابق یہ دو رکعتیں ہوئیں اور شفعہ اولیٰ فاسد ہو گیا،اس کا اعادہ لازم ہے۔

(۲)　سجدہ سہو لازم آئے گا،لما مر فی الجواب الأول.(۲)

ومقتضاه أن تنوب عن تسلیمتین،ویجب علیه السجود إن کان ساهیاً.(۳)

(۳)　پہلے شفعہ میں جو پڑھا گیا،اس کا لوٹانا مستحب ہے؛ کیوں کہ پہلا فاسد ہوا ہے۔

"إذاصلی الإمام أربع رکعات بتسلیمة واحدة،ولم یقعد فی الثانیة،فی القیاس تفسد صلاته، وهوقول محمد وزفررحمهما اللّٰه تعالیٰ،ویلزمه قضاء هٰذه التسلیمة،وهورواية عن أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ.وفی الاستحسان–وهو أظهرالروایتین عن أبی حنیفة وأبی یوسف رحمهما اللّٰه تعالیٰ–لا تفسد وإذ لم تفسد،اختلفوا فی قول أبی حنیفة وأبی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ أنها تنوب عن تسلیمة أوتسلیمتین،کمن أوجب علی نفسه أن یصلی أربع رکعات بتسلیمة،فصلی أربعاً بتسلیمة واحدة،ذکر فی الأمالی عن أبی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ أنه یجوز،فکذا هنا.وکذا لوصلی الأربع قبل الظهر،ولم یقعد علی رأس الرکعتین،جاز استحساناً.وقال الفقیه أبوجعفروالشیخ الإمام أبوبکر محمد بن الفضل رحمهما اللّٰه تعالیٰ:فی التراویح تنوب الأربع عمن تسلیمة واحدة،وهو الصحیح؛لأن القعدة علی رأس الثانیة فرض فی التطوع،فإذا ترکها کان ینبغی أن تفسد صلاته أصلاً کما هو وجه القیاس،وإنما جاز استحساناً فأخذنا بالقیاس،وقلنا بفساد الشفع الأول،وأخذنا بالاتحسان فی حق بقاء التحریمة، وإذا بقیت التحریمة صح شروعه فی الشفع الثانی،وقد أتمها بالقعدة فجازعن تسلیمة واحدة".(فتاویٰ قاضی خان:۱/۱۱۲)(۴)

وإذا فسد الشفع من التراویح وقد قرأ فیه هل یعتد بما قرأ ؟ قال بعضهم:لایعتد لیحصل الختم فی الصلوات الجائزة،وقال بعضهم:بتلک القراءة؛لأن المقصود هوالقرآن ولا فساد فی القراءة.(فتاویٰ قاضی خان:۱/۱۱۲)(۵)

(۴)　عن أبی بکر الإسکاف أنه سئل عن رجل قام إلی الثالثة فی التراویح،ولم یقعد فی الثانیة؟ قال:إن تذکر فی القیام،ینبغی أن یعود ویقعد ویسلم ما لم یقید الثالثة بالسجدة،وإن

(۱)　منحة الخالق علی البحر الرائق،کتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل:۲/۱۱۷-۱۱۸،رشیدیة

(۲)　البحر الرائق،کتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل:۲/۱۱۷-۱۱۸،رشیدیة

(۳)　حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح،کتاب الصلاة،فصل فی صلاة التراویح،ص:٤١٤،قدیمی

(۴)　فتاویٰ قاضیخان ،کتاب الصوم،فصل فی السهو:۱/۲۳۹-۲٤۰،رشیدیة

(۵)　فتاویٰ قاضیخان،کتاب الصوم،فصل فی مقدار القراءة فی التراویح:۱/۲۳۸،رشیدیة

تذکر بعد ما رکع الثالثة وسجد،فإن أضاف إليها ركعة أخرىٰ،أن هٰذه الأربع عن ترويحة واحدة يعني عن الركعتين. (فتاویٰ قاضی خان: ۱۱۳/۱)(۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تراویح میں شفعۂ ثانیہ کے لیے کھڑا ہو جانا بغیر شفعہ کے قعدہ کئے اور بغیر شفعۂ ثانیہ کی نیت کئے ہوئے بھی شفعہ ثانیہ کے شروع کے لیے صحیح ہے، اگر چہ قعدہ نہ ہونے کی وجہ سے شفعۂ اولیٰ فاسد ہو جائے گا؛ لیکن شفعۂ اولیٰ کا تحریمہ باقی رہنے کی وجہ سے شفعہ ثانیہ کی بنا صحیح ہوگی، كما صرح في الجواب الثالث. (۲) بحر: ۲/۵۷ میں بھی اس کی تصریح ہے۔

(۵)　دیوبند کا اشتہار میرے پاس نہیں؛ اس لیے بغیر دیکھے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھ سکتا۔ صورتِ مسئولہ کا حکم تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور، ۱۲/ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۶۰/۷-۲۶۳)

تراویح کی دو رکعتوں کی بجائے سہواً چار رکعت پڑھنے کا مسئلہ:

سوال:　تراویح میں بجائے دو رکعتیں سہواً چار رکعت پڑھ لیں، اب سجدہ سہو سے تلافی ہو کر نماز صحیح ہوگی، یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ نماز نہیں ہوئی؛ کیوں کہ دو رکعتوں پر قعدہ فرض تھا اور وہ ترک ہوگیا۔ یہ مقولہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

دو تراویح ہوئیں ترک فرض نہیں ہوا؛ بلکہ تاخیر فرض ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ ص: ۳۲۵)

درمیان قعدہ کئے بغیر چار رکعت پڑھیں تو وہ شمار ہوں گی:

سوال:　متعلقہ سہو قعدہ؟

الجواب

جب کہ درمیان میں قعدہ نہیں کیا، بھول کر دو رکعتوں کی جگہ چار پڑھ لیں تو اس میں سجدہ سہو ضرور کرنا چاہیے تھا، آخر کی دو رکعتیں معتبر ہوتیں اور اول کی دو رکعتیں بیکار ہوتیں، اب تراویح کی دو رکعتیں جو کم رہیں وہ رہیں، اب ان کی کوئی صورت نہیں، امام تارک سنت ہوا۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۴۰۹/۳/۳)

(۱-۲)　فتاویٰ قاضيخان، كتاب الصوم، فصل في السهو: ۲۳۹/۱-۲۴۰، رشيدية

(۲)　وإن صلىٰ أربع ركعات بتسليمه واحدة، والحال أنه لم يقعد علىٰ ركعتين تجزى عن تسليمة واحدة وهو المختار. (الحلبي الكبير، فروع، ص: ۴۰۸، سهيل اكيڈمي، لاهور)

چار رکعت تراویح میں قعدہ اولیٰ بھول گیا تو دو ہوئیں:

السوال: ولو صلی أربعاً بتسليمة ولم يقعد فی الثانية ففی الاستحسان لا تفسد وهو أظهر الروايتين عن أبی حنيفة وأبی يوسف رحمهما الله تعالیٰ وإذا لم تفسد، قال محمد بن الفضل: تنوب الأربع عن تسليمة واحدة وهو الصحيح، كذا فی السراج والوهاج وهٰكذا فی فتاویٰ قاضی خان وعن أبی بكر الإسكاف أنه سئل عن رجل قام إلی الثالثة فی التراويح ولم يقعد فی الثانية قال: إن تذكر فی القيام ينبغی أن يعود ويقعد ويسلم وأن تذكر بعد ما سجد للثالثة فإن أضاف إليها ركعة أخریٰ كانت هٰذه الأربعة عن تسليمة واحدة وإن قعد فی الثانية قدر التشهد اختلفوا فيه فعلی قول العامة يجوز عن تسليمتين وهو الصحيح هٰكذا فی فتاویٰ قاضی خان.(۱)

اس پر قیاس کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صلوۃ فجر میں قعدہ بھول گیا اور ثالثہ کا سجدہ کرلیا تو رابعہ ملانے سے چار نفل نہ ہوں؛ بلکہ دو ہوں، اسی طرح ظہر میں خامسہ کے ساتھ سادسہ ملانے سے بجائے چھ کے چار نفل ہوں، حالاں کہ عامۂ کتب میں فجر میں چار اور ظہر میں چھ کا نفل ہونا مذکور ہے، جو تحقیق ہو مطلع فرمائیں؟ والاجر عند اللہ الکریم

الجواب ــــــــــــــــ منه الصدق و الصواب

فتاویٰ عالمگیر یہ کا جزئیہ دیگر کتب میں بھی مذکور ہے، جس کا یہ مطلب نہیں کہ دو رکعت صحیح ہوئیں اور دو فاسد؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دو رکعت تراویح (سنت مؤکدہ) ہوئیں اور دو نفل، اسی وجہ سے ”تنوب الأربع عن تسليمة واحدة“ کہا، ورنہ ”صحت الركعتان“ کہنا چاہیے تھا۔

ومن الدليل علی صحة الأربعة ما فی شرح التنوير أن كل شفع صلوٰة الا بعارض اقتداء أو نذر أوترك قعود أول.(۲)

فإن قلت: إن هٰذا إذا كان نویٰ أربعًا، لما فی الشامية (بعد ذكر الخلاف فی العود وعدمه بترك القعود الأول من النفل) والخلاف فيما إذا أحرم بنية الأربع فإن نویٰ ثنتين عاد اتفاقا.(۳)

فالجواب أنهم وإن اتفقوا علی الحكم بالعود ولكنهم لم يصرحوا بالفساد فی صورة عدم العود بل عدم الفساد مصرح فی الجزئية المذكورة فی السؤال أی قوله أنه سئل عن رجل، إلخ.

الحاصل: مقصد یہ ہے کہ چار تراویح کے قائم مقام نہ ہوں گی؛ بلکہ دو کے ہوں گی، جیسا کہ ظہر کی صورت میں خامسہ

(۱) الفتاویٰ الهندية، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراويح: ۱۱۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۴۷۸/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) ردالمحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۵۵۵/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

وسادسہ قائم مقام دورکعت سنت مؤکدہ بعدیہ کے نہیں ہوتیں، یہ مطلب نہیں کہ ان کی نفلیت ہی باطل ہوگئی۔

وضم إليها سادسة ... لتصير الركعتان له نفلاً ... وسجد للسهو... ولاينوبان عن السنة الراتبة بعد الفرض في الأصح. (شرح التنوير، باب سجود السهو)(۱)

حالاں کہ اس صورت میں قعدہ اخیرہ کر کے کھڑا ہوا ہے کہ چار فرض بھی صحیح ہو گئے اور دو نفل بھی؛ مگر چوں کہ سنن بعدیہ کو تحریمہ مستقلہ کے ساتھ پڑھنا سنت ہے؛ اس لیے یہ دو رکعت اس کے قائم مقام نہ ہوں گی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲؍رجب ۱۳۷۵ھ (احسن الفتاویٰ: ۳؍۵۱۰-۵۱۱)

نمازِ تراویح چار رکعت کی نیت سے پڑھی جائے تو قعدۂ اولیٰ ودرود وغیرہ کا کیا حکم ہے:

سوال: تراویح میں اگر چار رکعت کی نیت کی جائے تو قعدۂ اولیٰ میں بعد تشہد کے درود شریف اور رکعت ثالث میں قبل فاتحہ ثنا پڑھنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب

چاہیے، **كما في الدر المختار: وفي البواقي من ذوات الأربع يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ويستفتح ويتعوذ، إلخ.** (۲)

تراویح اگرچہ سنت مؤکدہ ہے؛ لیکن چار رکعت ایک سلام سے پڑھنا یہ سنت مؤکدہ نہیں ہے، بخلاف ظہر کی چار رکعت سنت کے کہ ان کا ایک سلام سے پڑھنا سنت مؤکدہ ہے اور تراویح میں افضل دو دو رکعت پر سلام پھیرنا ہے۔

درمختار میں ہے:

التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين، إلخ، وهي عشرون ركعة بعشر تسليمات، إلخ. (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴؍۲۶۸)

ایسے تراویح کا حکم کہ دو رکعت کے بجائے چار رکعت قعدہ چھوڑ کر پڑھی گئی ہو:

سوال: تراویح میں اگر دو رکعت کی جگہ امام چار پڑھ جاوے اور درمیان میں قعدہ نہ کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرے تو نماز تراویح ہوں گی، یا نہیں؟ اور اگر ہوں گی تو دو ہوں گی، یا چار؟ اور اگر دو ہوں گی تو اول کی دو، یا آخر کی؟ اور کون سی رکعات کے قرآن شریف کے اعادہ کی ضرورت ہوگی؟

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۵۵۳-۵۵٤، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل: ۱/٦۳۳، ظفير

(۳) الدر المختار على هامش رد المحتار، مبحث التراويح: ۱/٦٦۰، ظفير

الجواب ــــــــــــــــ

فی الفتاویٰ: ولو صلّٰی أربعا بتسلیمة ولم یقعد فی الثانیة ففی الاستحسان لا تفسد وهو أظهر الروایتین عن أبی حنیفة وأبی یوسف رحمهما اللّٰه تعالٰی وإذا لم تفسد قال محمد بن الفضل تنوب الأربع عن تسلیمة واحدة وهو الصحیح، کذا فی السراج الوهاج وهٰکذا فی فتاویٰ قاضیخان. (۱)

(۱) مسئلہ زیر بحث کے سلسلہ میں ایک مجمل جواب س:۳۷۳ پر گزرا ہے اور دوسرا جواب میں ۴۱۴ پر گزرا ہے (جس میں تسامح ہے) صحیح مسئلہ اس طرح ہے:

اگر تراویح میں دوسری رکعت پر قعدہ بھول کر کھڑا ہو جائے تو جب تک ''تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو، بیٹھ جائے اور با قاعدہ سجدہ سہو کر کے نماز پوری کرے۔ اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ کرلیا ہو تو چوتھی رکعت ملا کر سجدہ سہو کر کے سلام پھیرے؛ لیکن یہ چار رکعت صرف دو رکعت شمار ہوں گی اور پہلے شفعہ میں جو قرآن پڑھا گیا ہے، اس کا اعادہ کرنا ہوگا؛ کیوں کہ پہلا شفعہ قعدۂ اخیرہ ترک کرنے کی وجہ سے فاسد ہو گیا ہے، لہٰذا تراویح میں محسوب نہ ہوگا اور اس میں پڑھے گئے قرآن کا اعادہ ضروری ہوگا، البتہ تحریمہ استحساناً باقی ہے؛ اس لیے دوسرا شفعہ صحیح ہو جائے گا اور اس میں پڑھا ہوا قرآن بھی معتبر ہوگا۔

اور اگر دوسری رکعت پر قعدہ بھول کر کھڑا ہوا تھا اور تیسری رکعت پڑھ کر قعدہ کر کے سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دیا تو تینوں رکعتیں بیکار گئیں، پہلا شفعہ بوجہ فاسد ہو جانے کے اور دوسرا شفعہ بوجہ ناتمام رہ جانے کے اور تینوں رکعتوں میں پڑھے ہوئے قرآن کا اعادہ ضروری ہوگا۔

اور اگر دوسری رکعت پر بقدر تشہد قعدہ کر کے کھڑا ہوا ہے اور چار رکعت پڑھ کر سلام پھیرا ہے تو چاروں رکعتیں صحیح ہوں گی اور سب تراویح میں محسوب ہوں گی اور سجدۂ سہو کی حاجت نہیں ہوگی اور اگر تین پر قعدہ کر کے سلام پھیر دیا تو پہلا شفعہ صحیح ہو گیا اور تیسری رکعت بیکار گئی، اس کی قرأت کا اعادہ کرنا ہوگا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے فتاویٰ رحیمیہ: ۳۵۱/۱، فتاویٰ دار العلوم جدید: ۲۶۲/۴-۲۷۵، کفایت المفتی: ۳۴۹/۳، ۳۶۰، ۳۶۴)

فی شرح المنیة: إن صلّٰی أربع رکعات بتسلیمة واحدة، والحال أنه لم یقعد علٰی رکعتین منها قدر التشهد، تجزئی الأربع عن تسلمیة واحدة أی عن رکعتین، عند أبی حنیفة وأبی یوسف، وهو المختار اختاره الفقیه أبو جعفر وأبو بکر محمد بن الفضل، قال قاضی خان: وهو الصحیح؛ لأن القعدة علٰی رأس الثانیة فرض فی التطوع، فإذا ترکها کان ینبغی أن تفسد صلاته أصلاً، کما هو قول محمد وزفر، وهو القیاس، وإنما جاز علٰی قول أبی حنیفة وأبی یوسف استحساناً فأخذنا بالقیاس فی فساد الشفع الأول وبالاستحسان فی حق بقاء التحریمة، وإذا بقیت صح شروعه فی الشفع الثانی، وقد أتمه القعدة فجاز عن تسلیمة واحدة، وقال الفقیه أبو اللیث، تنوب عن تسلیمتین، والصحیح الأول، ولو قعد علٰی رأس الرکعتین جازت عن تسلیمتین بالاتفاق، آه. (الکبیری، ص: ۳۹۰)

وفی الدر المختار: وهی عشرون رکعة ... بعشر تسلیمات فلو فعلها بستلیمة، فإن قعد لکل شفع صحت بکراهة، وإلا نابت عن شفع واحد، به یفتی، آه. وفی رد المحتار: (قوله به یفتی) لم أر من صرح بهٰذا للفظ هنا، وإنما صرح به فی النهر عن الزاهدی فیما لو صلّٰی أربعاً بتسلیمة واحدة وقعدة واحدة، آه. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث التراویح: ۴۹٦/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

وفی الهندیة: وإذا فسد الشفع، وقد قرأ فیه، لایعتد بما قرأ فیه، ویعید القراء ة لیحصل له الختم فی الصلاة الجائز ة، وقال بعضهم: یعتد بها، کذا فی الجوهرة النیرة. (الفتاویٰ الهندیة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱۸/۱) (سعید احمد عفا اللّٰه عنه)

وعن أبی بکر الإسکاف أنه سئل عن رجل قام إلی الثالثة فی التراویح ولم یقعد فی الثانیة قال: إن تذکر فی القیام ینبغی أن یعود ویقعد ویسلم وإن تذکر بعد ما سجد للثالثة فإن أضاف إلیها رکعة أخریٰ کانت هٰذه الأربع عن تسلیمة واحدة وإن قعد فی الثانیة قدر التشهد، اختلفوا فیه، فعلیٰ قول العامة: یجوز عن تسلیمتین وهو الصحیح، هٰکذا فی فتاویٰ قاضی خان، آه. (۱)

اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ قعدہ نہ کرنے سے شفعہ اولیٰ بھی فاسد نہ ہوگا، البتہ مجموعہ معتبر بھی نہ ہوگا؛ بلکہ دونوں شفعہ مل کر بجائے ایک شفعہ کے سمجھے جاویں گے اور جب مجموعہ شفعہ معتبر نہ ہوگا تو ایک شفعہ اور پڑھا جاوے گا۔ رہا یہ امر کہ کون سے شفعہ کا پڑھا ہوا قرآن معتد بہ ہوگا اور کون سے قابل اعادہ؟ تو یہ اس پر موقوف ہے کہ یہ متعین ہو جاوے کہ کون سا شفعہ تراویح ہے کہ اس میں پڑھا ہوا قرآن معتد بہ ہو اور کون سا نفل کہ اس میں پڑھا ہوا قابل اعادہ ہو، سو اس میں مجھ کو تردد ہے، دوسرے علما سے تحقیق کیا جاوے اور میرے خیال میں اگر صرف اعادہ قرآن کے حق میں سہولت کے لیے دوسرے قول پر عمل کر لے، جو دونوں شفعہ کو معتبر کہتے ہیں تو گنجائش ہے۔ پس شفعہ تو ایک اور پڑھ لے اور قرآن کا اعادہ نہ کرے۔

۲۵؍رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ (تتمہ خامسہ: ۳۰۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۹۶-۵۰۰)

تراویح کی چار رکعت میں اگر قعدۂ اُولیٰ بھول گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: امداد الفتاوی جلد اوّل، صفحہ: ۹۳ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ ''تراویح میں قعدۂ اولیٰ کو سہواً ترک پر سجدۂ سہو کے بعد چار ہی محسوب ہوں گی'' اور قاضی خاں کی عبارت سے استدلال کیا ہے، حالاں کہ کبیری ہندوستانی مطبع ص: ۳۹۰ میں ہے:

''وإن صلیٰ أربع رکعات بتسلیمة واحدة ولم یقعد علیٰ رکعتین تجزئ عن تسلیمة واحدة وهو المختار، قال قاضی خان: وهو الصحیح، وقال أبو اللیث: تنوب عن تسلیمتین والصحیح الأوّل، انتهٰی مختصراً''.

اور طحطاوی مراقی الفلاح ص: ۲۲۵ میں ہے:

''یسلم علی کل رکعتین فإذا وصلها وجلس علیٰ کل شفع فالأصح أنه إن تعمد ذٰلک کره وصحت وأجزأته عن کلها وإذا لم یجلس إلا فی آخر أربع نابت عن تسلیمة''. (۲)

اس پر طحطاوی نے ایک خلجان بھی کیا ہے؛ مگر کچھ وقیع نہیں، بالجملہ اس کی تحقیق حضرت مولانا سے مراجعت کے بعد فرماویں، انتظار ہے، اب تک کبیری وغیرہ ہی پر عامل تھا؛ مگر فتاویٰ کی عبارت سے تردّد میں پڑ گیا؟ (السائل محمد زکریا کاندھلوی)

(۱) الفتاویٰ الهندیة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱/۱۱۸، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۲) مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، فصل فی التراویح، ۴۱۴، دار الکتاب دیوبند، انیس

الجواب

مکرمی المحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بجواب مسئلہ عرض ہے کہ فتاویٰ قاضی خاں کی عبارت میں نے دیکھی، اس میں بھی آگے چل کر دوسرے ہی قول کو صحیح لکھا ہے، جیسا کہ کبیری وطحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے:

قال قاضی خان: وقال الفقیه أبو جعفر والشیخ الإمام أبوبکر محمد بن الفضل فی التراویح: ینوب الأربع عن تسلیمة واحدة وهو الصحیح؛لأن القعدة علیٰ رأس الثانیة فرض فی التطوع فإذا ترکها کان ینبغی أن تفسد صلاته أصلاً هو وجه القیاس وإنما جاز استحسانا فأخذنا بالقیاس وقلنا بفساد الشفع الأول وأخذنا بالاستحسان فی حق بقاء التحریمة وإذا بقیت التحریمة صح شروعه فی الشفع الثانی وقد أتمها بالقعدة فجاز عن تسلیمة واحدة وعن أبی بکر الاسکاف،إلخ، فذکر نحوه. (ص:۱۱۵)

میں نے یہ عبارت حضرت مولانا کو بھی دکھلائی فرمایا کہ میرا معمول تو عرصہ سے دوسرے ہی قول پر فتوی دینے کا ہے کہ یہ چار قائم مقام دو کے ہوں گی، جیسا کہ کلام مشائخ سے اس کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے؛ لیکن امداد الفتاویٰ کا جواب غالباً اس کی بنا پر ہے کہ آج کل طبائع میں کسل غالب ہے، اگر چار کو قائم مقام تسلیمۃ واحدۃ کے مان کر دو رکعت کا اعاہ کیا جائے گا تو وہ اعادہ مع اس مقدار قرآن کے ہوگا، جو ان رکعتوں میں پڑھا گیا ہے اور بعض دفعہ ان دو رکعتوں میں بہت زیادہ مقدار تلاوت کی جا سکتی ہے، ان کا اعادہ مع مقدارِ تلاوت نمازیوں پر بہت گراں ہوتا ہے، حتیٰ کہ فرماتے تھے کہ میں نے بعض جگہ اس پر لڑائی ہوتے ہوئے دیکھا ہے؛ اس لیے تسہیل عوام کے لحاظ سے امداد الفتاویٰ میں فقیہ ابواللیث کے قول پر میں نے اکتفا کیا کہ جب مسئلہ میں دو قول موجود ہیں اور ایک قول میں عوام کو سہولت ہے تو اس کو اس جہت سے ترجیح ہے۔

وقال صلی اللّٰه علیه وسلم: "یسرا ولا تعسرا وبشرا ولاتنفرا". (۱)

گو قواعد کے لحاظ سے دوسرا ہی قول صحیح ہے۔ ھذا واللہ اعلم

پس جس جگہ دوسرے قول پر فتویٰ دینے سے لوگوں میں توحش اور تنگی کا اندیشہ ہو، وہاں میرے نزدیک پہلے ہی قول پر فتویٰ دینا چاہیے۔ واللہ اعلم

۲۲/رمضان ۱۳۴۰ھ (امداد الاحکام:۲/۲۳۲-۲۳۴)

---

(۱) عن سعید بن أبی بردة عن أبیه عن جده : أن النبی صلی اللّٰه علیه و سلم بعث معاذا وأبا موسی إلی الیمن قال (یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا .(صحیح البخاری،باب ما یکره من التنازع والاختلاف فی الحرب وعقوبة من عصی إمامه، ۱/۴۲۶ ،مکتبة أشرفیة دیوبند،رقم الحدیث:۲۸۷۳،۴۰۸۶،۴۰۸۸،۵۷۷۳،۶۷۵۱،انیس)

جتنی رکعات فاسد ہوئیں، ان میں پڑھی ہوئی منزل کا اعادہ کیا جائے:

سوال: امرتسر میں چوک فرید میں ایک مسجد ہے، اس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے صاحبزادے قرآن مجید پڑھتے ہیں، میں بھی وہیں نماز تراویح پڑھتا ہوں، انھوں نے سجدہ کی آیت پڑھنے سے قبل یہ خیال کر کے کہ یہ سجدہ کی آیت ہے سجدہ کرلیا، پھر سجدہ کی آیت پڑھنے پر سجدہ کیا گیا؛ مگر انہوں نے سجدہ سہو نہیں کیا، سلام کے بعد میں نے ان سے کہا کہ تم کو سجدہ سہو کرنا چاہیے تھا؛ کیوں کہ کسی واجب کے سہوا چھوٹ جانے، یا مکرر ہو جانے، یا کسی فرض میں تاخیر ہو جانے سے سجدہ سہو کرنا واجب ہوتا ہے، چوں کہ تم نے سجدہ سہو نہیں کیا ہے؛ اس لیے تم ان دونوں رکعتوں کا اعادہ کرو، چناں چہ نماز دوبارہ پڑھی گئی اور چھوٹی سی سورت پڑھی گئی، بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب نماز لوٹائی گئی ہے تو پھر قرآن بھی وہی پڑھنا چاہیے جو ان دو رکعتوں میں پڑھایا گیا تھا، میں نے ان سے کہا کہ چوں کہ قرآن ترتیل کے ساتھ الفاظ اور معنی کے لحاظ سے صحیح پڑھا گیا ہے؛ اس لیے قرآن کی وہی آیات پڑھنے کی ضرورت نہیں، مجھے بھی کچھ شبہ ہو گیا ہے۔ اب آپ یہ شبہ دور فرما دیجئے، میں نے جو صرف نماز کا اعادہ کرایا ہے قرآن کا نہیں، کیا یہ درست ہے؟ قرآن کے اعادہ کی تو ضرورت نہیں؟　　(المستفتی: مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی)

الجواب

قرآن مجید کا اعادہ بھی کرنا چاہیے تھا؛ (۱) کیوں کہ جب تراویح کی وہ دو رکعتیں تراویح میں شمار نہیں ہوئیں اور ان کا اعادہ کیا گیا تو ان میں پڑھا ہوا قرآن بھی ختم میں شمار نہیں ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/۴۰۴-۴۰۵)

دوسری رکعت میں بھول کر کھڑا ہو گیا، پھر یاد آیا تو کیا کرے:

سوال: اگر تراویح کی رکعت ثانیہ میں بجائے بیٹھنے کے کھڑا ہو گیا، بعد میں یاد آیا تو کیا کرے؟

الجواب

سجدہ سے پہلے پہلے اگر یاد آ جائے تو بیٹھ جائے اور سجدۂ سہو کرے۔

''وأما النفل فيعود ما لم يقيده بالسجدة''. (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۷۴-۲۷۵)

(۱) وإذا غلط في القراءة في التراويح فترك سورة أو آية وقرأ ما بعدها فالمستحب له أن يقرأ المتروكة ثم المقروءة ليكون على الترتيب ...وإذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لا يعتد بما قرأ فيه و يعيد القراءة (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۸، ط: سعيد، ماجدية)

(۲) الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/۶۹۶، ظفير

دو رکعت تراویح کی نیت کی؛ مگر دوسری پر نہ بیٹھا تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور سہواً دوسری رکعت پر نہ بیٹھا؛ بلکہ تیسری پر بیٹھا اور سجدۂ سہو کیا تو ایک رکعت ضائع گئی، یا تینوں؟

الجواب ——————————

اگر سجدۂ سہو کرلیا تو دو رکعت تراویح ہوگئی اور اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو بوجہ نقصان کے واجب الاعادہ ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۸۲/۴)

ایک قعدہ سے تین رکعت تراویح:

سوال: امام تراویح کی دوسری رکعت پر بدون قعدہ کئے سہوا کھڑا ہوگیا، تین رکعتیں پڑھ کر سجدہ سہو کرلیا تو دو رکعتیں صحیح ہوں گی، یا نہیں؟ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ دو رکعتیں نہیں ہوئیں؛ مگر ایک کتاب میں عالمگیری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس صورت میں دو رکعتیں ہوجاتی ہیں، اس پر غور فرما کر تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب —————— باسم ملهم الصواب

اگر چہ ایک قول جواز کا بھی ہے؛ مگر عدم جواز راجح ہے۔ عالمگیریہ باب النوافل کے آخر میں دونوں قول نقل کئے گئے ہیں؛ مگر اسی باب کے شروع میں عدم جواز کو ترجیح دی ہے۔ ونصها:

”ولو صلى التطوع ثلاث ركعات ولم يقعد علىٰ رأس الركعتين الأصح أنه تفسد صلاته“.(۲)

اسی طرح شامیہ وخانیہ وغیرہ میں بھی فساد ہی کو راجح قرار دیا ہے۔

قال في الشامية تحت(قوله:أو ترك قعود أول) فلوتطوع بثلاث بقعدة واحدة كان ينبغي الجواز اعتبارًا بصلاة المغرب لكن الأصح عدمه؛لأنه قد فسد ما اتصلت به القعدة وهوالركعة الأخيرة؛لأن التنفل بالركعة الواحدة غيرمشروع فيفسد ما قبلها.(۳)

عبارات مذکورہ اگر چہ نوافل سے متعلق ہیں؛ مگر تراویح کا بھی یہی حکم ہے، چناں چہ چار سے زیادہ رکعات قعدہ

---

(۱) وذكرالإمام الصفارفى نسخته من الأصل أنه إن لم يقعد حتىٰ قام إلى الثالثة علىٰ قياس قول محمد رحمه اللّٰه يعود ويقعد وعندهما لايعود ويلزمه سجود السهو، كذا فى الخلاصة.(الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل: ۱۰۶/۱، ظفير)

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراويح: ۱۱۳/۱

(۳) رد المحتارعلى الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتروالنوافل: ۴۷۸/۲-۴۷۹، مكتبة زكرياديوبند، انيس

واحدہ سے پڑھنے کی صورت میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک جزئیہ نوافل سے متعلق اور دوسرا اس کے خلاف تراویح سے متعلق نقل فرما کر اس کو اختلاف تصحیح پر محمول فرمایا ہے۔

ونصه:(قوله:فأكثر) هٰذا خلاف الأصح كما قدمناه عن البدائع والخلاصة وفى التتارخانية: لوصلى التطوع ثلاثاً ولم يقعد على الركعتين فالأصح أنه يفسد ولوستا أوثمانيا بقعدة واحدة اختلفوا فيه والأصح أنه يفسد استحساناً وقياساً،آه،لكن صححوا فى التراويح أنه لو صلاها كلها بقعدة واحدة وتسليمة أنها تجزئ عن ركعتين فقد اختلف التصحيح.(۱)

وقال أيضاً فى شرح قول العلائى:وإلا نابت عن شفع واحد به يفتى.(الدرالمختار)

لم أرمن صرح بهٰذا اللفظ هنا وإنما صرح به فى النهرعن الزاهدى فيما لو صلىٰ أربعًا بتسليمة واحدة و قعدة واحدة وأما إذا صلى العشرين جملة كذلک فقد قاسه عليه فى البحر، نعم صرح فى الخانية وغيرها بأنه الصحيح مع أنا قدمنا عن البدائع والخلاصة والتتارخانية أنه لوصلى التطوع ثلا ثاً أوستاً أوثمانياً بقعدة واحدة فالأصح أنه يفسد استحساناً وقياسا وقدمنا وجهه فقد اختلف التصحيح فى الزائد على الأربعة بتسليمة وقعدة واحدة هل يصح عن شفع واحد أويفسد فليتنبه.(۲)

اور قاضی خان رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو صراحت تراویح وتطوع دونوں سے متعلق عدم جواز کی ترجیح نقل فرمائی ہے، چناں چہ تراویح کے بیان میں فرماتے ہیں:

وإن صلىٰ ثلاث ركعات بتسليمة واحدة فهوعلى وجهين أما إن قعد فى الثانية أولم يقعد (إلىٰ قوله) وإن لم يقعد فى الثانية ساهياً أوعامدًا لاشک أن فى القياس وهوقول محمد وزفر رحمهما اللّٰه تعالىٰ وإحدى الروايتين عن أبى حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ تفسد صلاته ويلزمه قضاء ركعتين لا غير وأما فى الاستحسان هل تفسد صلاته فى قول أبى حنيفة و أبى يوسف رحمهما اللّٰه تعالىٰ، اختلفوا فيه ، قال بعضهم: تفسد ولا يجزئ عن شئ وقال بعضهم: تجزئ عن تسليمة واحدة وعلىٰ هٰذا الخلاف إذا تنفل بثلاث ركعات ولم يقعد فى الثانية على قول الفريق الأول لايجزيه،وجه قول الفريق الثانى:أن التطوع معتبر بالمكتوبة ولوصلى المغرب ثلاث ركعات ولم يقعد فى الثانية يجوز، فكذا التطوع يجوزعن تسليمة؛لأنه لم يضم الرابعة إلى الثالثة،وجه من قال أنه لايجوز عن شئ وهوالصحيح أنه ترک القعدة المشروعة وهى القعدة علىٰ رأس الثانية والقعدة علىٰ رأس الثالثة غير مشروعة فى التطوع فصار كأنه لم يقعد أصلاً فلا يجوز بخلاف ما إذا صلىٰ أربعًا ولم يقعد علىٰ رأس الثانية؛لأن القعدة علىٰ رأس الرابعة مشروعة فجازت.(الخانية علىٰ هامش الهندية: ۲٤۱/۱)فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم

۱۷؍رمضان ۱۳۹۵ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۱۳-۵۱۴)

---

(۱) رد المحتار على الدر المختار،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل: ٤۸۳/۲ ،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۲) رد المحتارعلى الدرالمختار،باب الوتروالنوافل،مبحث صلاة التراويح: ٤۹٦/۲ ،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

تراویح میں دو رکعت پر نہ بیٹھنے کا حکم:

سوال: اگر امام تراویح کی نماز میں دو رکعت پر نہ بیٹھ کر سیدھے قیام میں چلا جائے، لقمہ دینے پر لقمہ نہ لے، اس طرح چار رکعت پوری کرے اور سجدۂ سہو بھی کرے تو تراویح کی رکعت دو ہی مانی جائے گی، یا چار رکعت مانی جائے گی؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

تراویح میں امام دو رکعت پر نہیں بیٹھا، تیسری رکعت کے لیے سیدھا کھڑا ہو گیا، لقمہ دیا گیا؛ لیکن نہیں لیا، چار رکعت پوری کر کے سجدۂ سہو کیا اور سلام پھیرا تو تراویح کی صرف دو رکعت مانی جائے گی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی، ۱۳/۹/۱۴۰۴ھ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۶۰/۲)

تراویح کی دوسری رکعت میں قعدہ کے بغیر تیسری پر سلام پھیر دیا تو اعادہ واجب ہے:

سوال: امام نے دو رکعت تراویح کی نیت باندھی بھولے سے دوسری رکعت کے قعدہ میں نہیں بیٹھا؛ بلکہ تیسری رکعت کے سجدہ میں، یا سجدہ کے بعد اس کو یاد آیا کہ یہ تیسری رکعت ہے، اس نے تیسری رکعت پر قعدہ کر کے سجدہ سہو کے بعد سلام پھیر دیا۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ اس کی دو رکعت تراویح ہوگئی، یا نہیں؟ اگر دو رکعت تراویح ہوگئی تو تیسری رکعت میں جو قرأت پڑھی ہے، اس کو لوٹائے، یا پہلی رکعت کی قرأت کو لوٹائے؟

(۲) اگر وہ تیسری رکعت پر قعدہ نہ کرتا؛ بلکہ چوتھی رکعت پڑھ کے قعدہ کرتا اور سجدہ سہو بھی کر لیتا تو چار رکعت تراویح کی ہو جاتی، یا دو ہوتیں؟ اگر دو ہوتیں قرأت بھی لوٹائی جاتی، یا نہیں؟ اور کون سی رکعتوں کی قرأت لوٹائی جاتی؟ پہلی رکعتوں کی، یا آخری رکعتوں کی؟

الجواب ــــــــــــــــــ

اس صورت میں یہ تینوں رکعتیں تراویح میں محسوب نہ ہوں گی اور ان تینوں کی قرأت کا اعادہ کرنا ہوگا۔

وإذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لايعتد بما قرأفيه ويعيد القراء ة ليحصل له الختم فى الصلاة الجائزة وقال بعضهم: يعتدبها، كذا فى الجوهرة.(۲)

---

(۱) فلو صلى الإمام أربعة بتسليمة ولم يقعد فى الثانية فأظهر الروايتين عن أبى حنيفة وأبى يوسف عدم الفساد ثم اختلفوا هل تنوب عن تسليمة أو تسليمتين قال أبو الليث نتوب عن تسليمتين وقال أبو جعفروابن الفضل تنوب عن واحدة وهوالصحيح كذا فى الظهيرية و الخانية وفى المجتبىٰ وعليه الفتوى.(البحر الرائق، كتاب الصلاةم، باب الوتر والنوافل: ۱۱۸/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراويح: ۱۱۸/۱، ط: ماجدية كوئٹة

(۲)　اس صورت میں دو رکعت تراویح کی ہو جاتیں اور شفع اخیر صحیح ہوتا، شفع اول تراویح میں محسوب نہ ہوتا، اور شفع اول کی قرأت کا اعادہ کرنا ہوتا۔(۱)

محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی: ۳/۳۹۴)

نماز تراویح میں ایک غلطی کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص دو رکعت نماز تراویح کی نیت باندھے اور بھول کر تین رکعت پڑھ گیا تو اس کو نماز دہرانی چاہیے؟ ایسی حالت میں کہ سجدہ سہو بھی نہ کیا ہو اور تین رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا اور اول ارادہ کیا تھا کہ دو پڑھوں گا، اگر تین پڑھنے کے بعد یاد آیا کہ پڑھنی تھی دو اور تین پڑھ چکا اور پھر وہ چار پوری کرے تو اس کی چار رکعتیں، یا نہیں؟ مفصل طریق سے آگاہی بخشیں۔

الجواب

جو شخص تراویح میں بھول کر تین رکعت پڑھ جاوے اور سجدہ سہو نہ کرے، اس کو دوبارہ دو رکعت تراویح کا اعادہ کر لینا چاہیے۔ اگر دوسری رکعت پر قعدہ کیا تھا، تب تو یہ چاروں رکعت تراویح شمار ہوں گی اور اگر دو رکعت پر قعدہ نہیں تو یہ چاروں رکعت فقط دو رکعت کے قائم مقام ہوں گی، کما فی العالمگیریہ (۱/۷۵):

”فإن أضاف إليها ركعة أخرىٰ كانت هٰذه الأربعة عن تسليمة واحدة وإن قعد في الثانية قدر التشهد اختلفوا فيه فعلىٰ قول العامة يجوز عن تسليمتين وهو الصحيح، هٰكذا في فتاوى قاضي خان“.

احقر عبد الکریم عفی عنہ، ۱۰/رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۷۷-۲۷۸)

ایک سلام کے ساتھ چھ رکعات تراویح:

سوال: امام صاحب نے چار رکعت تراویح کی نیت باندھی، چار رکعت پوری کر کے ایک طرف سلام پھیرا، مقتدی نے لقمہ دیا: اللہ اکبر، امام صاحب کھڑے ہو گئے، دو رکعت اسی نیت سے اور پڑھی اور ایک طرف سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کر کے دونوں طرف سلام پھیرا، آیا نماز ہوئی، یا نہیں؟ اس حساب سے چھ رکعت تو پوری ہو گئی اور سہو کے سجدہ سمیت سات ہوئیں۔ امام کہتے ہیں کہ میرے دل میں تو یہ خیال ہوا کہ دو رکعت ہوئی اور لقمہ دینے سے میں نے دو کھڑے ہو کر اور پڑھ لی اور سہو کا سجدہ کر لیا نماز ہوئی، یا نہیں؟ اس حساب سے پانچ رکعت ہوتی ہیں، جب کہ امام نے چار رکعت پڑھ لی تو سجدہ سہو لازم تھا، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۰۱۷، ابراہیم خاں (الور) ۱۰/رمضان ۱۳۵۶ھ، مطابق: ۱۵/نومبر ۱۹۳۷ء)

---

(۱)　فلو فعلها بتسليمة واحدة فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة، وإلا نابت عن شفع واحد، به يفتىٰ. (تنوير وشرحه) لم أر من صرح بهٰذا اللفظ هنا وإنما صرح به في النهر عن الزاهدي فيما لو صلىٰ أربعًا بتسليمة واحدة وقعدة واحدة إلخ (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث في صلاة التراويح: ۲/۴۵، ط: سعيد)

الجواب

نماز ہوگئی اور چھ رکعت جو امام نے پڑھیں، وہ چھ رکعت سب تراویح میں شمار ہوں گی، سجدۂ سہو نہ کیا جاتا، تب بھی نماز ہوجاتی اور کرلیا تو بھی نماز ہوگئی، سجدہ سہو کو نماز میں شامل کرکے سات رکعت قرار دینا غلط ہے، سجدۂ سہو نہ کیا جاتا، تب بھی نماز ہوجاتی اور کرلیا تو بھی نماز ہوگئی، سجدۂ سہو کو نماز میں شامل کرکے سات رکعت قرار دینا غلط ہے، سجدہ سہو کی رکعت شمار نہیں ہوتی۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی:۴۰۶/۳)

تراویح کی پہلی رکعت میں بیٹھنے لگا؛ مگر اشارہ پاکر کھڑا ہوگیا، کیا حکم ہے:

سوال(۱)امام تراویح کی پہلی رکعت میں کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھنے کا قصد کرتا تھا کہ پیچھے سے اشارہ کیا گیا اور وہ سیدھا کھڑا ہوگیا، دو رکعت پوری ہونے کے بعد سلام پھیرا سجدۂ سہو نہیں کیا، نماز ہوئی، یا نہ؟ اگر نہیں ہوئی تو علم ہونے پر بجماعت ادا کرے، یا تنہا؟

کیا سجدۂ سہو ہوگا:

(۲) کیا ایسی صورت میں سجدۂ سہو لازم ہے؟

ذرا سا بیٹھا پھر کھڑا ہوگیا تو کیا سجدہ واجب ہے:

(۳) امام بیٹھنے کے ارادہ سے ''اللّٰہ أکبر'' کہتا ہے۔مقتدی نے بصورت نشست دیکھتے ہوئے بآواز بلند ''اللّٰہ أکبر'' کہا، امام فوراً دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا، اس وقفہ میں کوئی کلمہ التحیات کا بھی زبان سے نہیں نکالا، اس وقفہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا؟

پہلی اور تیسری رکعت میں کتنی دیر بیٹھنے سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے:

(۴) اگر پہلی اور تیسری رکعت میں سہواً بیٹھ کر کھڑا ہوجاوے تو کتنے وقفہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا؟

جلسہ استراحت سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا:

(۵) جلسہ استراحت کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا، یا نہیں؟

(۱) فلو فعلها بتسليمة فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة،الخ.(الدر المختار، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل، صلاة التراويح:۴۵/۲،ط:سعيد)

الجواب

اس صورت میں نماز ہوگئی اور اعادہ کی ضرورت نہ تھی اور سجدۂ سہو بھی لازم نہیں ہوا؛ کیوں کہ ایک رکعت کے بعد اگر کسی قدر بیٹھ کر کھڑا ہو جاوے تو اس کو بھی فقہا نے جائز لکھا ہے، چہ جائیکہ محض ارادہ بیٹھنے کا کیا ہو اور پورے طور پر بیٹھا بھی نہ ہو کہ کھڑا ہوگیا تو اس صورت میں نہ سجدۂ سہو لازم ہے، نہ اعادہ کی ضرورت ہے۔

شامی میں ہے: **هٰذا إذا كانت القعدة طويلة أما الجلسة الخفيفة التى استحبها الشافعى فتركها غير واجب عندنا بل هو الأفضل ،إلخ".** (۱)

(۱) نماز ہوگئی۔

(۲) نہیں آتا۔ (۲)

(۳) اس قدر وقفہ سے سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا۔ (۳)

(۴) طویل قعدہ سے سجدۂ لازم آتا ہے، جیسے بقدر التحیات پڑھنے کے مثلاً، یا اس کے قریب ہو، باقی جلسہ خفیفہ سے سجدۂ سہو لازم نہیں آتا۔ (۴)

(۵) اس سے سجدۂ سہو لازم نہ آوے گا۔ (۵) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۷۶-۲۷۸)

تراویح میں سجدۂ سہو لازم آئے تو کرسکتا ہے:

سوال (۱) اگر تراویح میں ایسا سہو ہو جاوے، جس سے سجدۂ سہو واجب ہو تو سجدۂ سہو کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

کیا یہ کہنا غلط ہے کہ تراویح میں سجدہ سہو نہیں:

(۲) بعض لوگ کہتے ہیں کہ تراویح میں سجدہ سہو ہے ہی نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب

(۱) ترکِ واجب سے جس طرح تمام نمازوں میں سجدہ سہو لازم ہے، تراویح میں بھی لازم ہے۔ (۶)

(۲) صحیح نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۸۰) ☆

(۱،۲،۳) رد المحتار على المختار ،باب صفة الصلاة ،قبيل مطلب مهم فى تحقيق متابعة الإمام: ۱/۴۳۸ ،ظفير

(۴،۵) وكذا القعدة فى آخر الركعة الأولىٰ أو الثالثة فيجب تركها ويلزم من فعلها أيضاً تأخير القيام إلى الثانية أو الرابعة عن محله وهٰذا إذا كانت القعدة طويلة أما الجلسة الخفيفة التى استحبها الشافعى فتركها غير واجب عندنا بل هو الأفضل كما سيأتى". (رد المحتار ،باب صفة الصلاة قبيل مطلب مهم فى تحقيق متابعة الإمام: ۱/۴۳۸ ،ظفير)

(۶) والسهو فى صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء. (الدر المختار ،باب سجود السهو: ۱/۷۰۵ ،ظفير) ==

بھول جانے کی وجہ سے خاموش ہوکر سوچنا کیسا ہے:

سوال (۱) بعض حافظ پڑھتے پڑھتے بھول جاتے ہیں تو کبھی حالت قیام میں چپ کھڑے ہوکر سوچنے لگتے ہیں اور کبھی قعدہ میں قبل تشہد، یا بعد تشہد سوچنے لگتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

بھولتے وقت ادھر ادھر سے پڑھنا جائز ہے، یا نہیں:

(۲) بعض حافظ پڑھتے پڑھتے بھول کر خاموش تو نہیں ہوتے؛ مگر کبھی اس سورتمیں اور کبھی اس سورت میں ادھر اُدھر پڑھتے رہتے ہیں، اگر یاد آ گیا تو پھر سیدھے پڑھنے لگتے ہیں اور نہ یاد آیا تو کچھ دیر تک پریشان رہ کر رکوع کر کے نماز ختم کر دیتے ہیں؛ مگر یاد آنے اور نہ آنے دونوں صورت میں وہ سجدۂ سہو کرتے ہیں۔ آیا سجدۂ سہو کرنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱-۲) ان دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو کر لینا چاہیے۔

والحاصل أنه اختلف فی التفکر الموجب للسهو،فقیل ما لزم منه تأخیر الواجب أوالرکن عن محله بأن قطع الاشتغال بالرکن أوالواجب قد أداء رکن وهوالأصح وقیل مجرد التفکر الشاغل للقلب وإن لم یقطع الموالاة،إلخ. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۵۷-۲۵۸)

تراویح میں ایک ہی آیت کی تکرار:

سوال: اکثر حفاظ تراویح میں ایک آیت کی بار بار تکرار کرتے ہیں، کیا کثرت تکرار پر سجدہ سہو واجب ہے اور اس کی کیا حد ہے؟ (مولانا ہارون رشید قاسمی، ورنگل)

== قال فی الأصل: والسهو فی العیدین والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء لأن الجمعة والعیدین ساوت سائر الصلوات فیما یوجب الفساد فتساویها فیما یوجب الجبر. (المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی. الفصل السادس والعشرون فی صلاة العیدین: ۲/۲۹۹، دار إحیاء التراث العربی بیروت، انیس)

☆ **تراویح میں سجدۂ سہو کا حکم:**

سوال: تراویح کی نماز میں سجدۂ سہو ہے، یا نہیں؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

تراویح کی نماز میں بھی سجدۂ سہو ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی (حبیب الفتاویٰ: ۳/۱۰۱-۱۰۲)

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، تحت قوله: واعلم أنه إذا شغله، إلخ: ۱/۷۰۶، ظفیر

الجواب

نفل نماز میں تو قصداً بھی تکرار مکروہ نہیں، البتہ فرض نمازوں میں ایسا کرنا مکروہ ہے؛ لیکن عذر مثلاً بھول جانے کی صورت میں تو فرض نمازوں میں بھی تکرار درست ہے، اس سے نماز میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا، جس کی تلافی کے لیے سجدہ سہو واجب ہو۔ تراویح کا شمار نفل نمازوں میں ہے؛ اس لیے بدرجہ اولی اس میں تکرار سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔

إذا كرر آية واحدة مرارًا فإن كان فى التطوع الذى يصلى وحده فذلك غير مكروه وإن كان فى الصلاة المفروضة فهو مكروه فى حالة الاختيار وأما فى حالة العذر والنسيان فلا بأس. (۱)

(کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۱۸-۴۱۹)

سجدۂ تلاوت تراویح میں رکوع، یا ختم سورت پر آئے تو کیا حکم ہے:

سوال: تراویح میں اگر سجدہ رکوع کے ختم پر آوے، یا سورت کے ختم پر آوے تو کس طرح ادا کرنا چاہیے؟

الجواب

جس جگہ ختم پر آیت سجدے کی آوے، اس کی ادائیگی کی دو صورتیں ہیں: یا یہ کہ فوراً سجدۂ تلاوت کرکے پھر اٹھ کر آگے سے چند آیات پڑھ کر پھر رکوع کرے۔ دوسری یہ کہ رکوع میں نیت سجدۂ تلاوت کی کرے، سجدہ ادا ہو جاتا ہے؛ مگر فوراً رکوع کرے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۸۷)

---

(۱) الفتاوى الهندية، الباب السادس، الفصل الثانى فيما يكره فى الصلاة وما لا يكره: ۱/۱۰۷، مكتبة زكريا، انيس

وإذا كرر آية واحدة مراراً، فإن كان ذلك فى التطوع الذى يصلى وحده، فكذلك غير مكروه فقد ثبت عندنا عن جماعة من السلف أنهم كانوا يُحيون ليلتهم بآية العذاب أو آية الرحمة أو آية الرجاء أو آية الخوف، وإن كان ذلك فى صلاة الفريضة فهو مكروه؛ لأنه لم ينقل إلينا عن واحد من السلف أنه فعل ذلك. وهذا كلّه فى حالة الاختيار وأما فى حالة العدو والنسيان فلا بأس به والله أعلم (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، كتاب الصلاة، الفصل الرابع فى كيفيتها: ۱/۴۳۶، دار إحياء التراث العربى بيروت، انيس)

(۲) پہلی صورت ہی پر عمل کرے؛ تاکہ سنت طریقہ پر ادائیگی ہو؛ یعنی دو مسنون جہری تکبیروں اور دو مستحب قیام کے درمیان سجدۂ تلاوت ادا ہو سکے۔

"وهى سجدة بين تكبيرتين مسنونتين جهرًا وبين قيامين مستحبين". (الدر المختار، باب سجود التلاوة، ظفير: ۲/۱۰۶، دار الفكر بيروت، انيس)

دوسری صورت مناسب نہیں ہے؛ اس لیے کہ صرف امام کی نیت کافی نہیں ہے، مقتدی کا سجدۂ تلاوت رہ جاوے گا اور بعد سلام ادا کرنا ہوگا۔

"ولو نواها فى ركوعه ولم ينوها المؤتم لم تجزه ويسجد إذا سلم الإمام ويعيد القعدة". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۲/۵۸۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

==

تراویح میں سجدۂ تلاوت رکوع سے ادا ہو جائے گا، یا نہیں:

سوال: اگر تراویح میں ختم رکوع پر سجدۂ تلاوت آوے تو رکوع میں سجدہ ادا ہووے گا، یا نہیں؟ اور جو شخص خارج نماز سجدۂ تلاوت کرے تو سجدہ ادا ہووے گا، یا نہیں؟

الجواب

رکوع میں اگر نیت سجدہ کی کر لے تو سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے اور سجدہ میں بلانیت کے بھی ادا ہو جاتا ہے،(۱) اور سجدۂ تلاوت کا جو نماز میں واجب ہوا خارج نماز کرنا جائز نہیں ہے۔(۲) فقط

(تراویح میں سجدۂ تلاوت رکوع میں نہیں کرنا چاہیے۔ظفیر)(۳)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۶۷)

== فوراً سجدہ مستقل کرنا چاہیے، ختم سورت پر سجدہ ہو تو سجدۂ تلاوت سے اٹھ کر دوسری سورۃ کی دو تین آیتیں پڑھ کر پھر رکوع کرے۔

"وإن كانت السجدة آخر السورة يقرأ من سورة أخرىٰ ثم يركع". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ٢/٥٨٦، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

رکوع کے ختم پر سجدہ ہو تو سجدہ بعد دوسرے رکوع کا کچھ حصہ پڑھ کر نماز کے لیے رکوع کرے۔ واللہ اعلم (ظفیر)

(۱) (و) تؤدى (بركوع صلاة) إذا كان الركوع (على الفور من قرائة آية) أو آيتين وكذا الثلاث على الظاهر، كما في البحر، (إن نواه) أى كون الركوع (لسجود) التلاوة على الراجح (و) تؤدى (بسجودها كذلك) أى على الفور (وإن لم ينو) بالإجماع، ولو نواها فى ركوعه ولم ينوها المؤتم لم تجزه، ويسجد إذا سلم الإمام ويعيد القعدة ولو تركها فسدت صلاته، كذا فى القنية وينبغى حمله على الجهرية. نعم لو ركع وسجد لها فوراً ناب بلا نية ولو سجد لها فظن القوم أنه ركع فمن ركع رفضه وسجد لها ومن ركع وسجد سجدةً أجزأته عنها، ومن ركع وسجد سجدتين فسدت صلاته؛ لأنه انفرد بركعة تامة. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ١/٧٢٣، ظفير)

(۲) ولوتلاها فى الصلاة سجدها فيها لاخارجها، لما مرّ. (الدر المختار علىٰ رد المحتار، باب سجود التلاوة: ١/٧٢٣، ظفير)

(۳) قال فى الحلية: والأصل فى أدائها السجود وهو أفضل، ولو ركع لها على الفور جاز وإلا لا، آه، أى وإن فات الفور ولا يصح أن يركع لها ولو فى حرمة الصلاة، بدائع، أى فلا بد لها من سجود خاص بها كما يأتى نظيره. (رد المحتار، باب سجود التلاوة: ١/٧٢٣، انيس)

وأما لو كان الْكَلَامُ فى قِيَامِ الرُّكُوعِ مَقَامَ السُّجُودِ فَالْقِيَاسُ يَأْبَى الْجَوَازَ وفى الِاسْتِحْسَانِ يَجُوزُ لِأَنَّ الرُّكُوعَ مع السُّجُودِ مُخْتَلِفَانِ ذَاتًا فَلَوْ ثَبَتَ بَيْنَهُمَا مُسَاوَاةٌ لَثَبَتَ من الْمَعْنَى فَكَانَ عَدَمُ جَوَازِ إقَامَةِ أَحَدِهِمَا مَقَامَ صَاحِبِهِ من تَوَابِعِ الذَّاتِ وَالْعِلْمُ بِهِ ظَاهِرٌ وَجَوَازُ الْقِيَامِ من تَوَابِعِ الْمَعْنَى وَالْعِلْمُ بِهِ خَفِيٌّ فإذا كانت قَضِيَّةُ الْقِيَاسِ أَنْ لَا يَجُوزَ وَقَضِيَّةُ الِاسْتِحْسَانِ أَنْ يَجُوزَ وَجَوَابُ الْكِتَابِ على الْقَلْبِ من هذا فَدَلَّ أَنَّ الصَّحِيحَ ما ذَكَرْنَا وَعَامَّةُ مَشَايِخِنَا يَقُولُونَ لَا بَلْ الرُّكُوعُ هو الْقَائِمُ مَقَامَ سَجْدَةِ التِّلَاوَةِ كَذَا ذَكَرَ مُحَمَّدٌ رحمه الله تعالى فى الْكِتَابِ فإنه قال فى الْكِتَابِ قُلْت فَإِنْ أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ بِالسَّجْدَةِ بِعَيْنِهَا هل يُجْزِئُهُ ذلك قال أَمَّا فى الْقِيَاسِ فَالرَّكْعَةُ فى ذلك وَالسَّجْدَةُ سَوَاءٌ لِأَنَّ كُلَّ ذلك صَلَاةٌ أَلَا تَرَى إلَى قَوْلِه تَعَالَى ﴿وَخَرَّ رَاكِعًا﴾ وَتَفْسِيرُهَا خَرَّ سَاجِدًا فَالرَّكْعَةُ وَالسَّجْدَةُ سَوَاءٌ فى الْقِيَاسِ وَأَمَّا فى الِاسْتِحْسَانِ يَنْبَغِي له أَنْ يَسْجُدَ وَبِالْقِيَاسِ نَأْخُذُ. (بدائع الصنائع، باب سجدة التلاوة: ١/١٨٩، دار الكتاب العربى، انيس)

سجدۂ تلاوت سجدۂ نماز سے ادا ہوتا ہے یا نہیں:

سوال: اگر امام نے تراویح میں سجدۂ تلاوۃ سجدۂ صلوٰۃ کے ساتھ ادا کیا؛ یعنی تین سجدے کئے تو نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

نماز میں جس وقت آیۃ سجدہ کو تلاوۃ کرے، اسی وقت سجدۂ تلاوۃ کر لینا چاہیے اور اگر مؤخر کیا اور نماز کے سجدوں کے ساتھ کیا تو سجدۂ سہو لازم ہے اور بعد سجدۂ سہو کے نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

"ولذا كان المختار وجوب سجود السهو تذكرها بعد محلها".(ردالمحتار،باب سجود التلاوة)(۱)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۷۵/۴)

☆ ☆ ☆

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة،باب سجود السهو:۵۸۴/۲ ،مكتبة زكريا ديوبند،ظفير

قصداً سجدۂ تلاوۃ کامؤخر کرنا درست نہیں ہے۔ آیت سجدہ کے فوراً بعد، یا زیادہ سے زیادہ تین آیت بعد سجدۂ تلاوت کر لینا ضروری ہے، ورنہ گناہگار ہوگا۔

فعلى الفور لصيرورتها جزأً منها ويأثم بتأخيرها.(الدر المختار، كتاب الصلاة،باب سجود السهو: ۵۸۴/۲، مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

فوجب أدائها مضيقاً كما فى البدائع ثم تفسير الفور عدم طول المدة بين التلاوة والسجدة بقراءة أكثر من آيتين أو ثلاث،حلية.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب سجود التلاوة : ۵۸۴/۲،مكتبة زكريا ديوبند،ظفير)